سلسلۂ دُرّۃ الادب

آتشِ گُلِ تر

۱۳۵۱ھ

موسوم بہ

ریاضِ رضوان

جامع

خمریاتِ ریاض

حسب ایماے

جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز

(برادر خورد حضرت ریاض)

باعتناے

تلمذ حسین

از حسن سعی کارپردازان

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

بزیور طبع آراستہ گردید

۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۶ء

جملہ صفحات (۴۳۲)

سلسلہ دائرۃ الادب

آتش گل تر

۱۳۵۱ھ

موسوم بہ

ریاض رضوان

جامع

خمریات ریاض

حسب ایمائے

جناب سید نیاز احمد صاحب نیاز

(برادر خورد حضرت ریاض)

باعتنائے

تلمذ حسین

از حسن سعی کارپردازان

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

بزیور طبع آراستہ گردید

۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء

دائرۃ الادب

اشاعت کتب کا ایک سلسلہ قائم کرنے کا خیال ایک مدت سے میرے ذہن میں مرکوز ہے اور کئی مرتبہ اسے قوے سے فعل میں لانے کی سعی کی مگر کچھ موانع ایسے پیش آتے رہے کہ کوئی قابل اطمینان صورت نہ پیدا ہوسکی۔ کتابیں کافی تعداد میں موجود ہیں لیکن سامان نہ ہونے کی وجہ سے اشاعت سے رُکی ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ سال آیندہ سے یہ سلسلہ منضبط طریق سے جاری ہوجائے گا۔ اس وقت تک چار کتابیں (مرأۃ المثنوی، تاریخ ظفرہ، ریاض رضوان، راہنمائے ترقی) اس سلسلہ میں شائع ہوچکی ہیں اور اگر حالات نے مساعدت کی تو امید ہے کہ اوائل ۱۹۳۹ء میں ریاض الانشاء اور خمریات ثلثہ شائع ہوسکیں۔

تلمذ حسین

[دائرۃ الادب، حیدر گوڑہ حیدرآباد۔ دکن]

مِرأۃ المثنوی

یعنے

مولانا جلال الدین الرومی قدس سرہٗ العزیز کی مثنوی معنوی کے
قِصص و حکایات کی تلخیص، حکم و معارف کی تنظیم، اشعار
مشتمل بر آیات قرآنی و احادیث نبوی کی ترتیب،
مدائح اصحاب کی تحریر

مرتبہ

تلمذ حسین

مولانا رومیؒ کی مثنوی شریف کے مطالعہ کا شوق اکثر دلوں میں پیدا ہوتا ہے مگر کم لوگ ہیں جو مثنوی شریف کے مطالعہ کا آغاز کریں اور اسے انجام تک پہنچائیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ مثنوی شریف کا مختص اسلوب بیان ہے۔ ہر دفتر کا آغاز تمہیدی اشعار سے ہوتا ہے، انہیں تمہیدی اشعار میں کہیں کوئی نکتہ ایسا نکل آتا ہے جس پر ایک تمثیلی حکایت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ پھر اس حکایت کے اندر دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں حکایت آتی رہتی ہے۔ یہ اسلوب بیان دا گرچہ بجائے خود ایک صحیح اُصول پر مبنی ہے مگر اکثر اشخاص کے لئے انجام تک پہنچنے میں مانع ہو جاتا ہے۔ یہ دشواری ہمیشہ سے محسوس ہوتی رہی ہے، مراۃ المثنوی نے اسی دشواری کو حل کیا ہے۔

یہ ترتیب حسب ذیل پانچ حصوں پر مشتمل ہے:۔

یواقیت القصص:۔ مثنوی شریف کی حکایتوں کے اشعار مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں اسطرح یکجا کر لیا گیا ہے کہ ہر ایک حکایت پوری طرح مسلسل ہو گئی ہے اور آخر میں وہ نتیجہ آ گیا ہے جو حکایت کا مقصود ہے۔

درر الحکم:۔ مثنوی شریف کے جن اشعار کا تعلق حقایق و معارف، مواعظ و نصایح سے ہے ان کے مفہوم کے اعتبار سے ان کیلئے عنوانات قائم کئے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت مناسب اشعار درج ہوئے ہیں۔ اس طرح کے گیارہ سو سے زاید عنوانات ہیں۔ ان عنوانات کو باعتبار تہجی ترتیب دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک فرہنگ مرتب ہو گیا ہے۔

جواہر القرآن:۔ مثنوی شریف کے جن اشعار میں کلام مجید کی کسی آیت کا اشارہ ہے ان سب کو یکجا کر کے اسی ترتیب سے رکھا گیا ہے جو کلام مجید کی ترتیب ہے، اول آیت شریفہ اس کے مقابل ترجمہ اور نیچے اشعار مولاناؒ۔ گویا مثنوی شریف سے فرقان حمید کی ایک تفسیر مدون کر دی گئی ہے۔

لآلی السنن:۔ اس میں مذکورہ بالا اصول پر احادیث نبویؐ اور ان سے متعلقہ اشعار جمع کئے گئے ہیں مگر ان کی ترتیب باعتبار لفظ اول حدیث شریف ہے،

مرجانۃ المدیح:۔ مولانا رومیؒ نے امرا و سلاطین کی مدح نہیں کی ہے مگر اپنے اصحاب کی مدح بہت دل کھولکر کی ہے، اس حصّے میں یہ تمام مدایح جمع کر دئیے گئے ہیں۔

مفصل فہرست، اشاریہ اور فرہنگ نے کتاب کے مطالعہ کو دلچسپ و آسان بنا دیا ہے۔

کتاب کا ایک دیباچہ حضرت برہان الدین ولد چلپی ادام اللہ

یورپ کے مشہور مستشرق اور مثنوی شریف کے خاص ماہر
ڈاکٹر نکلسن نے ارقام فرمایا ہے۔

کتاب کی اہمیت وافادیت کے متعلق حضرت برہان الدین ولد
چلپی دامت برکاتہ کے الفاظ ذیل اولین وآخرین سند ہیں:۔

"حقا کہ از کتاب مثنوی این چنین تالیف لطیف استنباط
کردن کار ہر مردان میدان کمال نیست۔"

قدردانی کی نسبت اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ

اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی شہنشاہ ایران خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

نے کتاب کو نظر پسندیدگی سے ملاحظہ فرمایا۔ پس

چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست
جس شخص کو مثنوی شریف سے کچھ بھی دلچسپی ہو اس کیلئے
یہ کتاب ناگزیر ہے۔

کتابت، طباعت، کاغذ، جلد بہترین
حجم ۱۲۰۰ صفحات۔ قیمت (عـ۱۰)

انجمن ادبی ایران

تائیداتہ
حیدرآباد دکن دامت

خدمت ذیشرافت عارف کامل ابوالفضائل آقائی قاضی تلمذ حسین مترجم جامعہ عثمانیہ

کتاب مستطاب مراۃ المثنوی بانجمن ادبی ایران واصل تشکر حاصل از مطالعہ آن کاملاً بہرہ مند گردیدیم رنج فراوانے راکہ دراین تجزیہ و تالیف بردہ اید موجب کمال تقدیر است الحق کتاب بے مانند مثنوی کہ تمام مطالب آں بیکدیگر پیوستہ و حکایات باآں وابستہ است از ہم گسیختن و درہم آمیختن واینگونہ درقالب ریختن کارے بزرگ و دشوار است و ایں لآلی شاہوار را بایں خوبی برشتہ کشیدن سابقہ نداشتہ است در حقیقت یکے از کتاب ہائے گرانبہا ئیست کہ درباب کتاب مستطاب مثنوی تالیف و پرداخت شدہ ۔ موفقیت جناب مستطاب عالی را در راہ علم و عرفان خواستار و ایں خدمت بزرگ را سپاسگذاریم ۔ امید واریم بترویج آن موفق گردیم ۔

شرحد ستخط شریف

افتخار نامہ حضرت مستطاب اجل اکرم والا شاہزادہ افسر نائب رئیس مجلس شورائے ملی و رئیس انجمن ادبی کل مملکت ایران دام اقبالہٗ

تاریخ ۶ اردی بہشت ۱۳۱۴

قونسلگری دولت شاہنشاہی ایران بمبئی

نمبر ۱۴۷۵

ضمیمہ

جناب آقای قاضی تلمذ حسین مترجم جامعۂ عثمانیہ و مدیر دائرة الادب

عریضہ و یک جلد کتاب مثنوی کہ بخاک پاے مبارک بندگان اعلیحضرت اقدس شاہنشاہِ رضا شاہ پہلوی ارواحنا فداہ تقدیم داشتہ بودید از شرف عرض لحاظ مبارک شاہانہ گذشتہ و موجب خرسندی و مسرت خاطر خطیر ہمایونی گردید اینک از دفتر مخصوص شاہنشاہ عظیم الشان و محبوب خودم مفتخراً ماموریت یافتہ ام کہ مراتب قدردانی و رضایت خاطر ملوکانہ را بہ جنابعالی ابلاغ نمایم۔ موقع را مغتنم شمردہ احترامات فائقہ را اظہار میدارم۔ قونسول دولت شاہنشاہی در بمبئی۔

شرح دستخط شریف

الطاف نامہ حضرت مستطاب اجل اکرم عالی آقای جنرال قونسول دولت

ل-۱۷۵

وزارت معارف واوقاف وصنایع مستظرفه
بتاریخ ۹/۰۰ ماه ۱۲ سنه ۱۳۲۴
اداره انطباعات . . . .
نمبر ۵۷۳۶۳ ضمیمه . . . . .
دایره . . . .
۶۸۷۴

جناب فاضل محترم آقای قاضی تلمذ حسین مترجم جامعه عثمانیه حیدرآباد دکن
باہنایت امتنان وصول مراسله شریفه وکتاب مثنوی مولانا جلال الدین
رومی راکه باوضع مرغوب ودلکش ترتیب آن اقدام فرموده اید اطلاع داده ولازم
میدانم مراتب سپاسگذاری خود ومعارف ایران راازیں خدمت ذیقیمت
که بادبیات فارسی انجام داده اید اظہار نمایم وایں موفقیت شایان تقدیر
راباآں فاضل محترم تبریک بگویم، ہمواره آرزومند ادامه توفیقات ادبی ومعنوی
جناب عالی می باشم۔

وزیر معارف واوقاف
شرح دستخط شریف

مہر وزارت

عنایت نامہ حضرت بندگان اجل اشرف عالی وزارت معارف واوقاف کل
ممالک محروسہ ایران دام اقبالہ۔

تاریخ ظفرہ

سنہ ۱۱۸۵ھ

مصنفہ

گردہاری لعل احقر

مرتبہ

تلمذ حسین

حیدرآباد کی یہ ایک نادر تاریخ ہے جو اب پہلی مرتبہ طبع ہوئی ہے۔ سال تصنیف سنہ ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱ء ہے۔ اس تاریخ کی تین خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ گولکنڈہ اور حیدرآباد کی بنا و ترقی کی پوری داستان اور تمام اہم عمارتوں کی مفصل کیفیت دی ہے جو کسی دوسری جگہ ملنا دشوار ہے۔ دوسرے یہ کہ متعدد معاہدات و فرامین بالفاظہا نقل کئے گئے ہیں۔ ابوالحسن تاناشاہ کے عہد کا ایک بجٹ بھی دبابتہ سنہ ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۵ء تمام و کمال دیا گیا ہے۔ تیسری یہ کہ عہد قطب شاہیہ سے سنہ تصنیف تک کے جملہ فرمانروایان حیدرآباد کے حالات مع واقعات عصریہ درج ہوئے ہیں۔

اور جن فرمانرواؤں کو شاعری کا ذوق تھا ان کے کچھ کچھ اشعار بھی منقول ہوئے ہیں لیکن تاریخی نقطہ نظر سے ان سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کا آخری حصہ ہمعصرانہ تاریخ ہے جس میں مصنف نے اپنے عہد کے حالات ذاتی معلومات کی بنا پر درج کئے ہیں، اور یہ حالات ایک ہندو مصنف کے قلم سے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسوقت تک ہندو مسلمانوں کے تعلقات کس قسم کے تھے اور شاہان مغلیہ و فرمانروایان حیدرآباد کی نسبت کیسے خیالات رائج تھے۔

جن اصحاب کو تاریخ کا ذوق ہو انکے لئے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے

دیباچہ مرتب ۲۶ صفحہ - اصل کتاب ۱۸۰ صفحہ قیمت (عـــہ/)

ریاض الانشاء

یہ کتاب سلطنت بہمنیہ دکن کے قابل ترین وزیر خواجہ محمود گاواں (م ۸۸۶ھ / ۱۴۸۱ء) کے اُن بے نظیر خطوط کا مجموعہ ہے جو خواجہ نے اپنے زمانہ کے مشہور سلاطین، وزرا، علما و فضلا کو تحریر کئے تھے۔ یہ خیالی "انشا" نہیں ہے۔ ان خطوط سے اس زمانہ کے کثیر التعداد تاریخی مہمات پر روشنی پڑتی ہے اور بہت سے نئے تاریخی حالات منکشف ہوتے ہیں۔ ابھی تک یہ کتاب کہیں طبع نہیں ہوئی ہے اور اب پہلی بار مفصل و مبسوط دیباچہ کے ساتھ اس کی طباعت عنقریب عمل میں آنے والی ہے۔

خمریاتِ ثلثہ

اسے ریاض رضوان کا تتمہ سمجھنا چاہیئے۔ اس میں ابونواس (دم ۱۹۵ھ / ۸۱۰ء) حافظ (دم ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء) اور ریاض (دم ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء) کے خمریات کے اشعار یکجا کئے گئے ہیں۔ اول خمریات پر مفصل بحث ہوئی ہے اس کے بعد ان ہر سہ شعرا کے کلام پر (تا حد خمریات) تبصرہ کیا گیا ہے۔ کلام ریاض کا تبصرہ زیادہ مفصل ہے۔ بعد ازاں اصل کلام ہے۔ ابونواس کے اشعار کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ آخر میں دو ضمیمے ہیں ضمیمۂ اول میں تقریباً ڈھائی سو ایسے اشعار مع اسمائے شعراء دیئے گئے ہیں جن میں شراب کے لئے اسمار صفاتی استعمال ہوئے ہیں۔ (مثلاً بکر، پرشور، شعلہ حل کردہ، لعل پالودہ، مست فیروز جنگ، یاقوت سیال)۔ یہ اشعار کہیں ایک جگہ سے دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ سالہا سال کے مطالعہ اور بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی کا نتیجہ ہیں۔ ضمیمہ دوم میں حضرت ریاض مرحوم کی مختصر سوانح عمری خود مرحوم کی لکھی ہوئی پیش کی گئی ہے۔ اس میں بہت سے ایسے حالات اور لطائف و ظرائف ہیں جو حضرت مرحوم کے سوا کوئی دوسرا نہیں لکھ سکتا تھا۔ صرف یہ ضمیمہ ہی اس کتاب کو قابل مطالعہ بنا دینے کیلئے کافی ہے۔

راہنمائے ترقی

یا

درپارہائے مفتون

مصنفہ

جناب آقا حاجی فتح اللہ مفتون یزدی

(مدرس فارسی، دارالعلوم حیدر آباد دکن)

یہ کتاب اخلاق میں ہے۔ اولاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلمات مبارک دئے گئے ہیں۔ ایک ایک ارشاد درج کرکے اُس کا ترجمہ دیا گیا ہے اور پھر اُسی مفہوم کو دو دو شعروں میں ادا کیا گیا ہے۔ بعد ازاں تحصیل علم اور اس کے لوازم پر مفصل گفتگو ہوئی ہے اور اس میں قدیم و جدید دونوں اُصول سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد بوستاں کے اخلاقی اشعار کو لفظ اول کے حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جدید ایران کے ایک فاضل کی نثر اور قدیم ایران کے ایک شاعر بے ہمتا کی نظم کا عجیب و دلکش مجموعہ ہے۔ کتاب قابل دید ہے۔

صفحات (۱۲۰) جلد معمولی
قیمت ایکروپیہ

۷۸۶

خلاصۃ المطالب

ریاض رضوان

ضمیمہ

۷۸۶

پیشکش

بحضور فیض گنجور

عالیجناب خان بہادر راجہ محمد امیر احمد خان بہادر دام اقبالہٗ

والئے ریاست عالیہ محمود آباد۔ اودھ

بہم سحر و معجز در آمیختہ　　کزینساں نگارے برانگیختہ
چنیں نازنہ پروری پیکرے　　سپردم بہ ہمچوں تو نیک اخترے
بشرطے کز آں چوں شوی بادہ نوش　　فراموشیت ناید از میفروش

گذرانندہ

سید نیاز احمد نیاز

قدر افزائی

از

ہز اکسلنسی راجایان راجہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر دام اقبالہ

یمین السلطنت

المتخلص بہ

شاد

ریاض احمد ریاض خیر آبادی ہندوستان کے مشہور شعرا میں تھے۔ یہ امیر مینائیؒ کے شاگرد تھے اور اپنے استاد سے خاص عقیدت رکھتے تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنے کلام میں جا بجا کیا ہے۔ ایک جگہ فخریہ کہا ہے

مست مینا ہوں پیا ہے میں نے جام امیر احمد مینائی کا

ان کا کلام ابتدا میں پنڈت رتن ناتھ سرشار (صاحب فسانۂ آزاد) کے ذریعے سے مجھ تک پہونچا تھا جو اپنی آخر عمر میں عرصہ تک میرے یہاں رہے۔ اسے تقریباً پینتالیس ۴۵ سال ہوئے۔ سرشار شاعری میں ریاض کے

برادرِ خواجہ تاش بھی تھے اور کلامِ ریاض کے دلدادہ بھی۔ ریاض کو مجھ سے خلوص تھا اور کبھی کبھی اُن کا خط بھی آتا تھا۔ ریاض الاخبار بھی عرصہ تک میرے پاس آتا رہا جس کو ریاض گورکھپور سے شائع کرتے تھے۔ اس اخبار میں اُن کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں اور دو[2] رسالے فتنہ اور عطرِ فتنہ بھی ریاض کے اہتمام سے بہت ہی مختصر تقطیع پر نکلتے تھے جن میں کلامِ ریاض کے علاوہ اور شعرا کا منتخب کلام ہوتا تھا۔ ان کے یہ دونوں چھوٹے رسالے سلیم مذاق رکھنے والوں میں خاصے مقبول تھے اور اُن کے دیکھنے سے ریاض کی ذہانت و خوش مذاقی کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ریاض بھی اس ذرا سے فتنے کی مقبولیت سے واقف تھے چنانچہ کہا ہے ؎

فتنے کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھ — چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

دیوانِ ریاض کے متعلق مدت سے سنا جاتا تھا کہ طبع ہونے والا ہے لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان کی زندگی میں اس کے طبع نہ ہو سکنے کے کیا اسباب ہوئے اب قاضی تلمذ حسین صاحب نے جو ایک قابل اور خوش صفات آدمی ہیں اس بلدۂ فرخندہ بنیاد میں کلامِ ریاض طبع کرایا ہے۔ اس میں علاوہ غزلوں کے قطعات اور تاریخیں وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جو مطبوعہ حصہ پیشِ نظر ہے اس کو جستہ جستہ دیکھا گیا۔ کوئی شک نہیں کہ ریاض بڑے خوشگو اور مشاق شاعر تھے۔ طبیعت خوب راہ دینے والی پائی تھی۔ خود بھی کہا ہے ؎

واہ کیا رنگ ہے کیا خوب طبیعت ہے ریاض — ہو زمیں کوئی تمہیں پھولتے پھلتے دیکھا

یوں تو ہر شاعر تعلی کے شعر بھی کہتا ہے لیکن ریاض کے کلام کو دیکھنے والے

اس امر کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ ریاض کے ایسے اشعار محض شاعرانہ تعلی پر مبنی نہیں ہیں۔ زبان کی چاشنی کے ساتھ اندازِ بیان کی بے تکلفی کے بکثرت نمونے اُن کے کلام میں ملتے ہیں ؎

ہم نے بھی ریاض آپ کے اشعار سُنے ہیں — یہ لطفِ بیاں لطفِ زباں ہو نہیں سکتا

یہ شعر بے تکلفانہ اندازِ بیان کے اچھے نمونے ہیں ؎

اپنی نگاہِ ناز سے برہم ہیں آپ کیوں — کہئے تو کیا ہوا کوئی ناوک خطا ہوا

مجکو تم کو غیر نے رسوا کیا — کہہ بھی دو اچھا کیا اچھا کیا

کیوں قفس سے ہاتھ میں صیاد پھر مجھ کو لیا — تیرے صدقے کیا کترنے سے کوئی پر رہ گیا

کس بے تکلفی اور خوبی کے ساتھ معشوق سے درخواست کی ہے ؎

لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں — جنازہ لئے دل کا ہم جا رہے ہیں

زبان کے بے تکلف استعمال کا یہ شعر عمدہ نمونہ ہے ؎

مزے لُوٹو کلیم اب بن پڑی ہے — بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

ریاض پر شباب کا رنگ ہمیشہ چھایا رہا۔ بڑھاپے میں بھی شباب کی باتیں کرتے گزری اور شاید اسی وجہ سے خود اپنے ہی قول کے مطابق وہ اکثر رونقِ محفل بنے رہے ؎

وہی شباب کی باتیں وہی شباب کا رنگ — تجھے ریاض بڑھاپے میں بھی جواں دیکھا

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آ گئی — کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا

خمریات اُن کا خاص حصّہ ہیں اور اس رنگ میں انہوں نے خوب خوب شعر کہے ہیں۔ کوئی غزل مے و مینا کے ذکر سے خالی نہیں ملتی۔ خمریاتِ ریاض کے

چند جرعے یہ ہیں ؂

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش
سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر
توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہوگا

وہ جانا مرا رُوٹھ کر میکدے سے
صُراحی کا مجکو وہ آواز دینا

تا صُبح میکدے سے رہی بوتلوں کی مانگ
برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات

خانقاہوں سے ہی پوشیدہ تعلق جنکا
راستے ایسے گئے ہیں کئی میخانے کو

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج تمہاری شباب کی

یہ سربمہر بوتلیں ہیں جو شراب کی
راتیں ہیں ان میں بند ہماری شباب کی

اسی سلسلے میں جناب شیخ اور واعظ سے بھی چھیڑ ہوتی جاتی ہے ؂

تجھے جانا بھی ہی جنت میں اے واعظ جواں ہو کر
جو آیا ہے تو دیکھے جا ذرا تاثیر میخانہ

چھیڑ میں شوخی بھی ضروری ہے ؂

جناب شیخ اُلجھتے ہیں کس تعلق سے
یہ دُختِ رز کے کوئی رشتہ دار بھی تو نہیں

ریاض نے حقائق اور واقعات کا اظہار بھی کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ یہ شعر حقیقت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ دُنیا کی بے ثباتی کا کتنا عبرت انگیز خاکہ ہے ؂

ہوئے پست ایسے انکی خاک بھی اُڑتے نہیں دیکھی
یہ ہے رہنے کو کتنے اس زمیں پر آسمان ہو کر

قفس کے مصائب سہنے کے بعد آزاد ہونے والے کے حالِ زار کا کیسا سچا نقشہ پیش کیا ہے ؂

کوئی سو بار اُڑے سو بار بیٹھے
قفس سے یوں ہم آئے آشیاں تک

یہ شعر تصوف کا رنگ لئے ہوئے ہے اور جاننے والوں سے پوشیدہ
نہیں کہ سراسر حقیقت پر مبنی ہے ؎

طریقِ عشق کے رہرو کبھی کبھی اب بھی — جنابِ خضرؑ کو رستہ بتائے جاتے ہیں

دلِ گم گشتہ کی یاد آنے پر اس کا ذکر کس یاس سے کیا ہے ؎

اب کیا ملے گا آنسوؤں میں دل نکل گیا — وہ قافلہ بھی تو کئی منزل نکل گیا

مگر جب غمِ یار کا خیال آتا ہے تو دل کی گمشدگی کی چنداں فکر نہیں رہتی۔ غمِ یار
زیادہ عزیز ہے ؎

کم بخت دل کی فکر کسے وہ گیا گیا — مجکو تو یہ پڑی ہے غمِ یار کیا ہوا

الغرض ریاض کے دیوان میں عمدہ اشعار کی کمی نہیں ہے۔ چند شعر بطورِ نمونہ
لکھے جاتے ہیں اور ان پر اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے ؎

نشے سی جھکی پڑتی تھیں یونہی تری آنکھیں — چھیڑوں سے مری اور بڑھا بوجھ حیا کا

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاض — زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

کوئی تو کوستا ہے اثر کو اٹھا کے ہاتھ — جاتا ہے آج نالۂ دل کچھ رکا ہوا

اثرِ اضطراب قیس نہ پوچھ — پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا

ضرور قصد کیا اُس نے بامِ لیلیٰ کا — بلند آج بہت قیس کا غبار گیا

ہنگامِ نزع گریہ یہاں بے کسی کا تھا — تم ہنس پڑے یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا

دے گیا میں بھی طرح سوچ کے کچھ حشر کے دن — وہ بھی کچھ اپنی جفاؤں سے پشیماں نکلا

ہیں لاکھ دستِ حنائی سے اہتمام — جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا

ریاض موت ہی اس شرط سے ہمیں منظور — زمیں ستائے نہ مرنے پر آسماں کی طرح

دامن میں پھول لے کے چلی تھی عدو کے گھر — حسرت پکار اُٹھی کہ ہمارے مزار پر
صبحِ پیری آنکھ جب اپنی کھُلی تو یوں کھُلی — جیسے کوئی چونک اُٹھے خوابِ پریشاں دیکھکر
بڑھی اس دل کی بیتابی یہاں تک — ہمیں ہم ہیں زمیں سے آسماں تک
بہت ہے جم کو اپنے جام پر ناز — ذرا لانا مرا ٹوٹا ہوا دل
عنادل میں صبا میں چل گئی تھی — اُڑا دی بات پھولوں نے ہنسی میں
کلیم جا کے جہاں ہوش اپنے کھو آئے — وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں
ہو کلیجا تو کرے غیر ہماری تقلید — لختِ دل آنکھ میں کچھ آنکھ کے آنسو دل میں
ذرا اُن سے یہ کہہ دو جو اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں — گلی میں رہنے والے وادیٔ ایمن کے بیٹھے ہیں
تیشہ بر دوش نظر آتی ہے شب کو اک شکل — روحِ فرہاد پھرا کرتی ہے کہساروں میں
بیٹھا ہے کوئی گیسوؤں کے بل نکال کے — عکس آئینے میں آئے ذرا دیکھ بھال کے
یہ اے صیاد رہ رہ کر چمکتی ہے کہاں بجلی — جہاں میرا نشیمن تھا وہیں معلوم ہوتی ہے

فقیر شاد یمین السلطنت

١٦ - جمادی الاول ١٣٥٧ھ

تقریظ مشتمل بر تاریخ

از

عالیجناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل

المخاطب بہ

نواب فصاحت جنگ بہادر

وہ ریاضِ سخنورِ ذی ہوش — مست و مستی طراز و مستی کوش
عندلیبِ ریاضِ گویائی — جرعہ نوشِ شرابِ مینائی
یوسفِ کاروانِ شعر و سخن — طوطیِ بوستانِ شعر و سخن
شوخیِ طبع جنکی فطرت تھی — مستیِ عشق جنکی طینت تھی
اُن کا دیوان چھپ کے نکلا ہے — میکدہ کا جواب گویا ہے
ایک مدت سے لوگ تھے مشتاق — دیدہ و دل کو انتظار تھا شاق
قاضیِ باکمال۔ فردِ انام — ہے تلمذ حسین جنکا نام
اُن کی سعیِ بلیغ کا احسان — ماننا چاہیے کہ یہ دیوان
چھپ کے پیشِ نگاہ آ ہی گیا — اوج پر مثلِ ماہ آ ہی گیا
حیدرآباد میں ہوا مطبوع — کوکبِ بخت کا جہاں ہی طلوع

خاک جس کی ہے کیمیا تاثیر ذرہ ذرّہ خزینۂ اکسیر
مژدہ مستانِ جامِ معنی کو مے پرستانِ رنگِ مینا کو
آئیں دیکھیں چھلکتے پیمانے خوب لوٹیں لٹائیں میخانے
شعرِ مستانہ امتیازِ ریاض مئے و میخانہ امتیازِ ریاض
خمریاتِ ریاض کے مخمور ایک دو کیا ہزاروں اہلِ شعور
مستِ مے کر دیا جہاں بھر کو خود لگایا نہ منھ سے ساغر کو
ہر غزل ایک میکدہ بردوش جس کا ایمایہ ہے بیاؤ بنوش
اس جگہ چاہئے رقم ہو جلیل کوئی تاریخ بھی بطرزِ جمیل
سال لکھ کر بڑھا دو نامِ ریاض کیف افزا ہے کیا کلامِ ریاض
۱۳۵۷ھ

پیش لفظ

از

عالیجناب مفتی لطیف احمد صاحب اختر مینائی

المخاطب بہ

نواب اختر یار جنگ بہادر

ہندوستان کے شعرا میں ریاض کا نام ایسی شہرت رکھتا ہے کہ تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ حضرت والد ماجد امیر مینائیؒ کے ممتاز اور نامور تلامذہ میں تھے طبیعت خاص رنگ کی پائی تھی۔ شوخ طبعی اور رندانہ مضمون اُن کے کلام کا طُرۂ امتیاز ہے اُن کے ابتدائی اشعار میں سے ایک یہ شعر ہے ؎

لمبی واڑھی ہے ہاتھ بھر کی
شرماؤ ریاض ہیکشی سے

ان کا اصلی وطن خیر آباد ہے جو مضافاتِ لکھنؤ میں ہے۔ زیادہ تر قیام ان کا لکھنؤ میں رہتا تھا۔ ابتدا میں ریاض مرحوم نے حضرت اسیر سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر کے شاگرد ہوئے۔ اُن کو اپنے اُستاد سے خاص عقیدت تھی اور وہ بھی بہت شفقت فرماتے تھے۔

ریاض، شرر (مولوی عبد الحلیم) اور سرشار (پنڈت رتن ناتھ) ساتھ ہی شاگرد ہوئے تھے اور ان میں باہم ایسی رفاقت تھی کہ اکثر ساتھ رہتے تھے۔

ریاض کی شاعری چونکہ بلند اور زور کی تھی اُن کے یہ دونوں رفیق شاعری میں اُن کا ساتھ نہ دے سکے، نثر نگاری کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس میں دونوں نے بڑا نام پیدا کیا۔
ریاض نے گورکھپور میں قیام کیا اور وہاں سے ریاض الاخبار نکالا جس میں وقتاً فوقتاً اُن کا کلام بھی طبع ہوتا تھا۔ اس اخبار کی وجہ سے ریاض کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ ریاض کی نثر بھی اُن کی شاعری سے کچھ کم دلکش نہ تھی۔ کئی ناول لکھے اور اخبار کے ساتھ شائع کئے۔ نظارہ، حرم سرا، تصویر اُنھیں کی شاخ قلم کی گلکاریاں ہیں اس کے ساتھ ہی شاعری کا سلسلہ بھی برابر قائم رہا۔ ریاض کی اچھی خاصی شہرت ہو چکی تھی اور ان کا کلام خاص رتبہ حاصل کر چکا تھا لیکن پھر بھی وہ بغیر اُستاد کو دکھائے اپنا کلام شائع نہ کرتے تھے اور جب تک حضرت امیر بقیدِ حیات رہے پابندی سے اپنا کلام بغرض اصلاح بھیجتے رہے۔ میں نے حضرتِ والد ماجدؒ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ "ریاض اصلاح کے قدرداں ہیں لہٰذا اُن کا کلام بہت توجہ سے دیکھنے کو جی چاہتا ہے"
ریاض کی طبیعت میں رنگینی اور شوخی کے ساتھ لا اُبالی پن بھی تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ بڑے مستغنی المزاج تھے اپنے کلام کو جمع کرنیکا کبھی خیال نہیں کیا اور لوگوں کو بہت سے شعر اور غزلیں کہہ کر دیدینے میں کبھی بُخل نہیں کرتے تھے۔
جب لوگوں نے دیوان طبع کرانے کے لئے تقاضا کیا تو اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا اُن کا کلام اخباروں، رسالوں اور احباب کی بیاضوں میں جابجا منتشر تھا۔ اُن کے احباب اُن کی شاعری کے بے حد گرویدہ اور قدردان تھے۔ ان لوگوں نے بڑی کوشش سے پراگندہ کلام جمع کر کے دیوان کی صورت قائم کردی اور اُس کو چھپوانے پر آمادہ اور مُصِر رہے لیکن اتفاق کہنا چاہیئے کہ ریاض کی زندگی میں دیوان طبع نہ ہو سکا

ان کے بعد بعض احباب متوجہ ہوئے اور اس کی طباعت کا آغاز بھی کیا مگر کام نہ چل سکا۔ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب رکن دار الترجمہ سرکار آصفیہ نے جو ریاض مرحوم کے محب صادق اور کلام ریاض کے شیدائی ہیں بڑی ہمت کی کہ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور الحمد للہ کہ اُن کی سعی سے حیدر آباد دکن میں دیوان ریاض مکمل طور سے طبع ہو گیا۔ قاضی صاحب کا یہ کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ ریاض کا کلام بہت کثیر اور دیوان ضخیم ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس میں بہت سے نایاب جواہر ہیں خصوصاً خمریاتِ ریاض اور یہ خاص گویائی ریاض کا حصّہ سمجھی جاتی ہے۔ آئے جاتے ہیں، سمجھائے جاتے ہیں کی طرح میں شعرا نے بہت طبع آزمائی کی ہے مگر ریاض کے اس شعر نے ایک کیف جُداگانہ پیدا کر دیا ہے ؎

کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہار میں
بادل کے ٹکڑے سر پہ مری چھائے جاتے ہیں

شوخی کے ساتھ نازک خیالی اور جدّت بھی اُن کے کلام میں ہے ؎

رخِ پُر نور میں جگہ تھی کہاں
رکھنے والے کو دیکھئے تِل کے

یہ تشبیہ کس قدر پیاری اور نازک ہے ؎

آ گیا ہے دمِ فریاد کلیجا مُنہ کو
پنکھڑی پھول کی منقارِ عنادل میں نہیں

ایک غزل کے یہ دو شعر کیسے لطیف اور برجستہ ہیں ؎

جوش مے اور سبزہ زاروں میں گھٹا چھائی ہوئی
بات ایسی ہے کہ توبہ بھی ہے للچائی ہوئی

ہائے کیا جھٹ پٹ قفس میں بال و پر پیدا کئے
جب سُنا ہم نے کہ جاتی ہے بہار آئی ہوئی

یہ رندانہ شعر ہزار شعروں کے برابر ہے ؎

اک ہمیں ہیں کہ بہک جاتے ہیں توبہ کی طرف
ورنہ رندوں میں بُرا چال چلن کس کا ہے

ایک غزل کے یہ دو شعر بھی قابل دید ہیں۔

کچھ بھی آیا نہ تجھے خاک اُڑانے کے سوا   مُنہ نہ کھلوا مرا اے بادِ صبا رہنے دے

خُم مے لے کے نہ اُڑ جائیگا اے پیرِ مغاں   ابرِ رحمت جو جُھکا ہے تو جُھکا رہنے دے

یہ مصرع جب دکن سے پہنچا۔ ع۔ یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے۔ تو ریاض نے خفیف سے تصرف کے ساتھ مصرع لگایا اور عجیب مضمون پیدا کیا۔

رہے سینہ تنا لنگر سے اس کے   یہ چوٹی اس لئے پیچھے پڑی ہے

اسی زمین کا ایک اور شعر بھی قابل داد ہے

میں رکھ لوں ریزۂ مینا کو دل میں   ارے کس پھول کی یہ پنکھڑی ہے

ان کے یہاں ہر زمین میں دو چار شعر ضرور رندانہ رنگ کے ہیں اور اُن میں یہ عجیب وصف تھا کہ کیسی ہی نامناسب اور خشک زمین کیوں نہ ہو وہ رندی اور مے و مینا کے شگفتہ مضامین اس میں پیدا کر لیتے تھے۔

مجکو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں   ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اُٹھا تو لا

یہ اشعار کس قدر بلند ہیں

بہار آتے ہی پھولوں نے چھاونی چھائی   کہ ڈھونڈتا ہوں مگر آشیاں نہیں ملتا

عالمِ ہُو میں اک آواز سی آجاتی ہے   چپکے چپکے کوئی کہتا ہے فسانا دل کا

نشیمن میں گزرے کئی موسم گل   قفس میں جو ٹوٹے تھے وہ پر نہ نکلے

یہی چراغِ لحد تھے یہی تھے قبر کے پھول   اب اُن کے نقشِ قدم بھی سر مزار نہیں

چمن میں ہم آئے جو چھٹکر قفس سے   مہینوں نشیمن سے باہر نہ نکلے

شیخ و واعظ سے چھیڑ بھی بڑے مزے کی ہوتی ہے

جناب شیخ نے جب پی تو مُنہ بنا کے کہا مزا بھی تلخ ہے کچھ بُو بھی خوشگوار نہیں

ریاض کے کلام میں بعض تشبیہیں بہت اچھوتی ملتی ہیں ؎

نازک کلائیوں میں حنا بستہ مٹھیاں شاخوں میں جیسے مُنہ بندھی کلیاں گلاب کی

غرض کہاں تک لکھا جائے اُن کا دیوان تو ایک باغ ہے گلہائے رنگا رنگ کا، اور ایک مرقع ہے عمدہ تصاویر کا۔ امید ہے کہ مُلک کے قدرداں اصحاب اُن کے دیوان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

ریاض مرحوم نہایت پاک نفس اور وریا دل انسان تھے۔ ان کی پاکیزہ نفسی اور استغنا کے بہت سے واقعات میرے علم میں ہیں۔ پُرگو بلا کے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ان کو ایک ہی طرح میں کئی کئی غزلیں کہنی پڑیں۔ ایک غزل کہی جس نے اُس کی تعریف کی اُس کو دیدی۔ اپنے لئے دوسری کہی وہ بھی کسی نے مانگ لی لیکن کیا مجال جو اُن کے تیور پر ذرا بھی میل آیا ہو۔ ہمیشہ یہی کہکر ٹال دیا کہ "اونہ کیا ہے اور کہہ لیں گے" ہم لوگوں سے اُن کو جو تعلق تھا وہ عزیزوں سے بڑھ کر حقیقی بھائیوں کا سا تھا اور اب تو حقیقی بھائیوں میں بھی ایسی محبت کم ہوتی ہے۔ اُن کی رحلت سے محبت وخلوص کا ایک مجسم پیکر اُٹھ گیا۔ وہ ہر ایک سے صاف دلی اور خلوص سے ملتے تھے۔ ان کی شرافتِ نفس ہمیشہ اس کی مقتضی رہی کہ جن لوگوں نے ان سے بے وفائی کی، اُن کو نقصان پہونچایا اُن کی قابلیتوں اور اُن کے نام سے فائدہ اُٹھایا مدریاض نے اُن کے نامناسب عمل سے ہمیشہ چشم پوشی کی اور اپنا قلم ہمیشہ اُن کی فرمائشوں کی تعمیل کے لئے رواں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے پاک نفس اور سچے مسلمان تھے۔ اُن کا

رندانہ رنگ اُن کی شاعری ہی کی حد تک تھا۔ ع

جو رنگ قال میں دیکھا وہ اُن کا حال نہ تھا

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُس دنیا میں بھی اُن کے درجے بلند کرے۔ فقط

۸۔ جولائی ۱۹۳۸ء

۷۸۶

حامداً ومصلیاً

تقریب

از

تلمذ حسین

اہلِ دکن کا دعوےٰ ہے کہ اُردو کی ابتدا دکن سے ہوئی، اس کے لسانی وتاریخی
شواہد جو کچھ بھی ہوں مگر اس کی ایک حکمیاتی شہادت کل شیٔ راجع الیٰ اصلہ
سے بھی مہیا ہو جاتی ہے۔ ولی دکن سے دہلی گئے۔ اُردو شاعری کی ابتدا ہوئی۔
نوابانِ اودھ کی مقناطیس زرّین نے دہلی کے نامی شعرا کو لکھنؤ میں کھینچ لیا۔ دہلی
اور لکھنؤ اُردو کے دو مرکز بن گئے۔ ۱۸۵۶ء میں شاہیٔ اودھ کا چراغ گل ہوا
اور ۱۸۵۸ء میں قلعہ معلےٰ میں اُلّو بولنے لگے۔ بعد چندے خلد آشیاں نواب
کلب علی خاں نے بزمِ سخن کو رونقِ تازہ بخشی۔ دہلی سے داغ اور لکھنؤ سے
امیر رامپور پہنچکر زینتِ بزم بنے۔ اس گلشن پر بھی خزاں آئی۔ داغ نے دکن کا
رُخ کیا اور یہیں کے ہو رہے۔ قضائے لاتدری نفس بایّ ارضٍ تموت
امیر مینائیؒ کو بھی کشاں کشاں یہاں لائی۔ اختر و جلیل دو نیّر تاباں جلو میں تھے

سرزمینِ دکن نے ان دونوں کے پاؤں پکڑ لئے۔ بالائی ہند میں قدیم طرزِ شاعری کا علم بلند رکھنے کے لئے صرف ریاض رہ گئے۔ شاعر کا حاصل زندگی اس کا کلام ہوتا ہے سو وہ آج دکن سے شائع ہو رہا ہے۔ چند نفوسِ قدسیہ باقی رہ گئے ہیں۔ خدا انہیں تادیر سلامت رکھے۔ ان کا کچھ بقیہ نقتیہ شائع ہوا تو ہوا ورنہ اسی دیوان پہ قدیم طرزِ شاعری کا خاتمہ ہے۔ زبان کی صحت، محاورے کی درستی، الفاظ کی بندش، معانی کی بلندی، خیال کی نزاکت، اور سب سے بڑھکر شاگردی و اُستادی کا سلسلہ یہ سب زمانۂ گذشتہ کی باتیں ہو جائینگی۔ اب اباحت ہے اور آزادہ روی۔ خوش مذاق اور بد مذاق ہر گروہ میں ہوتے ہیں، اخبارات و رسائل بھی اس سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ ان اخباروں اور رسالوں کو کلامِ غیر نثر کی بھی ضرورت رہا کرتی ہے جس کسی نے کوئی ایسا کلام بھیجدیا جو سطر میں دو ٹکڑے کر کے لکھا جائے، اسے باضافت "شاعر" کوئی خطاب عطا ہو گیا اور اگر وہ خود کسی رسالہ کا اڈیٹر ہے تو خطاب کے ساتھ کچھ القاب کا بھی اضافہ کر لیا، شاعری کا حق ادا ہو گیا، ہرمز کی روح وجد میں آگئی۔ دیوان ریاض کے حصۂ دوم میں ایک معتدبہ حصہ ایسے کلام کا موجود ہے جو آج کل موضوع شاعری قرار دیا جاتا ہے اور اس میں وہ تمام لوازم و شرائط پائے جاتے ہیں جو مسلمات شاعری ہیں۔ یہ ایک نمونہ بلکہ ثبوت اس امر کا ہے کہ اُصول صحیحہ کی پابندی کے ساتھ بھی وہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے جس کی آجکل ضرورت سمجھی جاتی ہے۔

اس دیوان کی طباعت کے مراحل ثلث صدی سے زاید سے درپیش ہیں مگر اس کے روبکار آنے میں ایک نہ ایک وجہ مانع ہوتی رہی کل شیٍ مرھونٌ باوقاتہٖ

حکم ناطق ہے، ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے مگر اسباب وعلل کی تحلیل کرنے والوں کیلئے
اس سوال کی گنجائش باقی رہجاتی ہے کہ وہ وقت وہی وقت خاص کیوں ہوا جس وقت
میں کوئی کام انجام پایا؟ یہ نکتہ شگرف دیوان ریاض کے متعلق بھی پیش ہوسکتا ہے اس کا
منطقیانہ، فلسفیانہ، محققانہ وعارفانہ جواب جو کچھ بھی ہو، میرے ذہن کی رسائی وہاں تک
نہیں ہے مگر ریاض کا پیالہ پیئے ہوں نے اس کا سرخوشانہ جواب یہ دیا ہے کہ قضا
وقدر کو معلوم تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب اہل زور کا زور ہوگا، تقدس یائی
کی نمایش کے لئے بعض شہر "خشک" کردئے جائینگے اور افتادگان ثریا مقام کے
نالہائے فلک شگاف

ویراں شود آں شہر کہ میخانہ ندارد

آسمانوں سے گزرجاینگے، اس وقت دیوان ریاض شائع ہوگا اور صلائے عام
ہوگی کہ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است

مئے و میخانہ با مہر ونشان است

اس پر مستزاد یہ کہ ابتدائی تجویز کے مطابق دیوان کو نومبر یا دسمبر ۱۹۳۷ء میں
شائع ہوجانا چاہیئے تھا مگر جاڑا گرمی گزر کر اشاعت ہوئی تو عین موسمِ برشگال میں
اور شکیبی کے استفسار کا جواب ارباب اقتدار کے ذمہ آپڑا:۔

نمی گویم کہ مے خوردن حلال است   چہ میگوئی تنسٹر؟ برشگال است!

[واقعاً یہ خم شکنی کوئی سودائے نو نہیں ہے۔ ابھی چند ہی برس گزرے کہ
امریکہ نے اپنا سارا ملک "خشک" کردیا تھا بلکہ مشرق ومغرب میں سمندروں کو بھی

تین تین میل تک "خشک" بنا دیا تھا مگر پھر سب "تر" ہو گئے اور حقیقت کھل گئی کہ ؎

در آں توبہ اُمیدِ بہبود نیست کہ چوں لعلِ ساقی مے آلود نیست

زمانۂ ماسبق میں بھی یہ صورت بارہا پیش آ چکی ہے۔ امیر مبازر الدین محمد بن مظفر (۷۱۳ھ/۱۳۱۴ء - ۷۵۹ھ/۱۳۵۷ء) نے اپنی مملکت کے اندر تمام میخانے بند کر دیے تھے، ظریفوں نے اس کا نام "محتسب" رکھا تھا۔ خود امیر کے فرزند شاہ شجاع نے ابراو کہا:۔

رنداں ہمہ ترکِ مے پرستی کردند جز "محتسبِ شہر" کہ بے مے مست است[۱]

اس وقت کے خشک مغز مستان مئے حکومت کا حال بھی بس کچھ ایسا ہی ہے ؎

از حسد امروز پنڈت منع ما از بادہ کرد ورنہ کے آں نامسلمان راغمِ فردائے ماست

مراحل طباعت کی طرح دیوان کے نام کا مسئلہ بھی بہت دنوں زیر بحث رہا۔ اپنی جگہ یہ بھی ایک نادر و بدیع مرحلہ ہے، حضرت مرحوم کی زندگی کا بیشتر

---

[۱] یہ شعر حافظ کے دیوان میں موجود ہے مگر بعض تاریخوں میں شاہ شجاع کے نام سے بھی منقول ہے۔ شاہ شجاع (۷۵۹ھ/۱۳۵۷ء - ۷۸۶ھ/۱۳۸۴ء) علمی قابلیت اور اوصاف فرمانروائی میں اپنے زمانہ میں فرد تھا، اس میں ملکہ شاعری بہت اچھا تھا، اس کے اشعار بکثرت تاریخوں میں پائے جاتے ہیں، حافظ نے بھی اپنی طور پر مبازر الدین پر چوٹ کی ہے ؎

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است
بہ بانگ چنگ مخور مے کہ "محتسب" تیز است

حصہ گورکھپور میں گزرا اور گورکھپور کے تمام ہندو مسلمان شرفا سے ان کے گہرے تعلقات رہے مگر جو اختصاص مولانا سبحان اللہ صاحب کے ساتھ رہا وہ شاید کسی دوسرے کے ساتھ نہیں رہا۔ مولانا نے بھی حضرت مرحوم کے کلام کی جیسی کچھ قدر کی اُس کی مثال روایات تاریخی میں تو مل سکتی ہے مگر اس دور ناشناسئے سخن میں اس کی نظیر کا ملنا دشوار ہے، حضرت مرحوم نے اپنا دیوان نذر فرزند مولانا کر کے اس کا عوض ایسا کردیا کہ شاید پلہ حضرت مرحوم ہی کی جانب جھکا رہے میخانہ، میکدہ، خمخانہ اس طرح کے بہت سے نام تجویز ہوئے مگر حضرت مرحوم نے آخری وقطعی فیصلہ یہ فرمادیا کہ دیوان کا نام "ریاض رضواں" ہوگا۔ تاریخی نام "آتش گل تر" قرار پایا اور حصہ اول (غزلیات) "آتش تر" اور حصہ دوم (دیگر اصناف سخن) "آتش گل" کے ناموں سے موسوم ہوئے اور مجموعۂ "خمریات ریاض" کا اتصاف بھی لازمی سمجھا گیا۔ سرورق پر یہ تینوں نام ایک ترتیب خاص سے آگئے ہیں۔

حضرت مرحوم نے تسمیہ دیوان کے متعلق مولوی رضوان اللہ صاحب کو جو خط لکھا تھا اُس کی عکسی نقل ممدوح کے حسبِ خواہش آخر میں شامل کردی گئی ہے۔ اس سے حضرت مرحوم کے احساس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولوی رضوان اللہ صاحب نے اپنی جگہ پر دیوان کی تسوید، تبئیض اور انصرام طباعت میں جو کاوشیں کیں انہیں کا نتیجہ ہے کہ دیوان اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے کہنا چاہئے کہ

جواں کردی زلیخائے سخن را　　　　اگر یوسف تو ہی این انجمن را

انتساب دیوان کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ خود حضرت مرحوم کے

منشاء کی تعمیل ہے۔ والیان ریاست محمود آباد کے ساتھ حضرت مرحوم کا تعلق قدیم ہے۔ سعید الملک راجہ سر امیر حسن خاں بہادر ممتاز جنگ المتخلص بہ سحر کے طبع دیوان کی تقریظ صفحہ ۵۵۶-۵۵۷ پر موجود ہے۔ مہاراجہ سر محمد علی خاں بہادر کے محامد اوصاف میں دیوان کے حصہ دوم کا تقریباً ایک ثلث وقف ہے۔ موجودہ والئے محمود آباد (خان بہادر راجہ امیر احمد خان بہادر دام اقبالہٗ کے جملہ تقریبات کے لئے دیوان کا حصہ دوم ایک تاریخ ہے۔ دوسری طرف

پدر بر پدر کارساز آمدہ   بخلق از خدا سرفراز آمدہ

اس خاندان عالی مقام نے تین پشتوں سے حضرت مرحوم کی جو قدر دانی کی وہ مستغنی عن التوصیف و ممتنع عن التشہیر ہے حق یہ ہے کہ ایک حد تک اسی قدر دانی کا اثر تھا جس نے حضرت مرحوم کے استغنائے طبعی میں ایک خاص استقامت پیدا کر دیا تھا۔ اندریں صورت دیوان کا انتساب اس سے زیادہ موزوں شخصیت کے ساتھ ہونا ممکن نہ تھا۔

دیوان کے شائع ہونے کے بعد اس کا جیسا کچھ خیر مقدم کیا جائے گا قیاساً اس کا تصور مرکوز فی الذہن ہے اور واقعاً اس کا ظہور وقت پر ہوگا مگر بحمد اللہ اس دیوان کو اشاعت کے قبل ہی وہ امتیاز حاصل ہو گیا جو کم کسی دیوان کو حاصل ہوا ہوگا اور جس نے اسے تمام دیگر تمجید و تبجیل سے مستغنی کر دیا۔

ہندوستان کو ایک امیر درویش گزیں اور درویش صدارت نشیں کی ذات ستودہ صفات پر فخر و ناز ہے یہ ذات ہز اکسلنسی راجایان راجہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت دام اقبالہٗ کی ذات جامع الکمالات ہے۔ انکسار کا یہ عالم ہے کہ

دستخط ہوتے ہیں "فقیر شاد"۔ اس فقر پر ہزار امارتیں قربان ہیں، اہلِ علم کی سرپرستی شیوۂ خاص ہے اور شعرا و ادبا کی قدردانی شعار مخصوص۔

پشتِ معنی قوی ز پہلویش
خامہ را فربہی ز بازویش

کیونکر ممکن تھا کہ ایسے محسن شعر و سخن کی جانب ریاض رجوع نہ ہوتے اور کیونکر جائز ہو سکتا تھا کہ ریاض کا ایسا سخن سنج نظر کیمیا اثر سے متواری رہجاتا۔ حضرت معز ریاض کے پرانے قدر شناس ہیں اور ریاض قدیم عقیدت مند۔ ریاض کی عقیدت مندی کا ثبوت علاوہ متعدد قطعات کے ان کے کثیر التعداد مقطعے ہیں جن میں "شاد" کا ذکر عجب نیاز مندی کے ساتھ ہوا ہے، انطباع دیوان ریاض خاص طور پر خوشنودی مزاج مبارک کا باعث ہوا اور بطور قدر افزائی جو کچھ ارشاد عالی ہوا وہ نہ صرف اس دیوان کے لئے بلکہ اُردو شاعری کے لئے مایۂ صد فخر و مباہات ہے اور رہے گا۔

حضرت جلیل (نواب فصاحت جنگ بہادر) جانشین حضرت امیر مینائی ہیں، ملک الشعرای کو ذات گرامی پر ناز ہے شیوۂ خوش بیانی و معانی آفرینی ذات سامی پر ختم ہے:۔

نظمش آبِ حیات را ماند
درروانی فرات را ماند

حضرت ریاض سے جناب ممدوح کے تعلقات بلا اظہار بھی ذہن میں آسکتے ہیں، طبع دیوان ریاض سے دلی مسرت کا ہونا ایک طبعی امر تھا، تقریظ

لکھی اور بے نظیر لکھی، دیوان پر مہر قبولیت ثبت فرما دی۔

نوشیق کی ضرورت تھی، وہ حضرت اختر مینائی دنواب اختر یار جنگ بہادر کے پیش لفظ سے پوری ہوگئی۔ نظم و نثر میں جناب ممدوح الشان کا جو پایہ ہے وہ اظہر من الشمس ہے، اور کیوں نہ ہو الولد سر لابیہ حضرت ریاض کے محترم اُستاد زادے ہیں، دیوان ریاض کے متعلق اکثر دریافت فرماتے رہتے تھے۔ جب سے طباعت کا آغاز ہوا ہے اس کی رفتار کار کے معلوم ہونے کا غایت شوق سے انتظار فرمایا کرتے تھے۔ نظم میں تقریظ تحریر فرماتے تو بانظم تقریظ کی حد سے متجاوز ہو جاتی یا خیالات کو روک دینا پڑتا، نثر میں "پیش لفظ" ارقام فرمایا مگر

نثر او نقش بال طاؤس است

اگر دلی جذبات کو اظہار کا پورا موقع دیتے تو "پیش لفظ" بھی اپنی حد سے متجاوز ہو جاتا، اختصار کو کام فرمایا مگر اس اختصار میں وہ سب کچھ آگیا جو آنا چاہیے تھا، خوش قسمت ہے وہ شاعر اور مایہ نازش ہے وہ دیوان جسے ایسا گرانمایہ پیش لفظ نصیب ہو۔

دیوان کا مقدمہ مولانا سید سبحان اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس مقدمے سے حضرت ریاض کے سوانح حیات بھی کسی قدر واضح ہو جاتے ہیں مگر اصل شے اس مقدمے کی خمریاتِ ریاض کے معتدبہ اشعار کی توضیح و تلویح ہے، مولانا ممدوح ریاض کے کلام کے عاشق ہیں جو کچھ لکھا ہے والہانہ انداز سے لکھا ہے اور ایک ایک شعر میں جو نازک معانی پیدا کئے ہیں اور ان معانی کو جس طرح درجہ معرفت تک پہنچایا ہے وہ آپ ہی کے ذہن رسا اور فکر بلند سے

ممکن تھا یقین ہے کہ اہل دل اس سے علیٰ قدر ذوق لطف اندوز ہونگے، لیکن ذرا گستاخی ہوتی ہے، طبائع مختلف ہوتے ہیں، ایک گروہ ہے جو آوازِ دولاب پرست ہو جاتا ہے[۱] اور ایک دوسرا گروہ ہے جو نغمات سماع سے بھی متاثر نہیں ہوتا، میری طبیعت بھی کچھ ایسی ہی بلید واقع ہوئی ہے، خیام ہوں یا حافظ، غالب ہوں یا ریاض، مجھے کسی کے مے و میکدے میں نہ عرفاں کی تجلی نظر آتی ہے نہ حقیقت کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، میں اس تمام مے کو وہی مے سمجھتا ہوں جس کی صفت قاآنی نے کی ہے ؎

ساقی بدہ رطلِ گراں زاں مے کہ دہقاں پرورد — اندہ برد، غم بشکرد، شادی دہد، جاں پرورد

درخمِ دلِ پیرِ مغاں، درجامِ مہرِ زرفشاں — در دستِ ساقی قوتِ جاں، رخسارِ جاناں پرورد

بہر حال، مولانا کی طبع وقاد نے یہ صورت پیدا کردی ہے کہ "حافظ کی مے" کی طرح "ریاض کی مے" میں بھی "مئے عرفاں" بن جانے کی قابلیت موجود ہے اور اگر ریاض کے خمریات کے ۳۶۶ اشعروں کی شرح اسی طرح مکمل ہوگئی تو "مئے ریاض" کی حقانیت مسلم ہو جائیگی۔ خدا ہمچنیں کناد۔

مولانا نیاز فتحپوری نے "اعترافات" میں ریاض کی سیرت، ان کی شاعری کی نوعیت اور ان کے کلام پر نقد و نظر سب کو اس اختصار کے ساتھ جمع کرلیا ہے کہ باید و شاید، اسے اگر ریاض کے سوانح حیات اور تبصرہ کلام کا لب لباب کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ آئندہ کے لئے لائحہ عمل ہے، خدا وہ دن لائے کہ حضرت ریاض مرحوم کے سوانح حیات مرتب ہوں اور مولانا کو پوری طرح کھل کر ان کے کلام پر تبصرہ کرنے کا موقع ملے۔ مولانا اگر مجھے معاف فرمائیں تو میں اتنی جسارت

---

[۱] گروہے کہ ایزد پرستی کنند — برآوازِ دولاب مستی کنند

کرتا ہوں کہ حضرت ریاض "الانسان الکامل" کا نمونہ مجسم تھے اور ان کے فرشتہ خصلت ہونے میں ہر کہ شک آرد شیطاں گرود مگر کسی انسان کو ملک مطلق کہنے میں خود شعر انے تعقید پیدا کردی ہے سہ

واعظِ شہر کہ مردم ملکش می خوانند قولِ ما نیز ہمین است کہ از آدم نیست

یہ تمام ملحقات دیوان سے قبل ہیں، آخر میں ایک ضمیمہ ہے اس میں سب سے پہلے حصہ دوم کے جمع و ترتیب کے متعلق اثیم صاحب کی لکھی ہوئی کیفیت ہے، جیسا کہ اثیم صاحب نے ظاہر فرمایا ہے یہ حصہ بہت ہی نامکمل ہے۔ جتنا کلام اس حصہ میں ہے، شاید اس سے زیادہ جمع ہونے سے رہگیا ہے، ماسوا ازیں اس حصہ میں کوئی خاص ترتیب بھی قائم نہیں رہی ہے، یہ اگرچہ ایک نقص ہے مگر چونکہ خود حضرت مرحوم کی حیات میں اسی طرح جمع ہونا شروع ہو چکا تھا اس لئے پہلے اڈیشن میں ردوبدل مناسب نہ سمجھا گیا، دوسرے اڈیشن میں انشاء اللہ اصناف کلام اور تقدم و تاخر زمان کے اعتبار سے ترتیب ہو جائے گی۔

اس کے بعد خود میری لکھی ہوئی "داستان دیوان ریاض" ہے یہ داستان الناظر (لکھنؤ) کے اکتوبر ۱۹۳۴ء کے پرچے میں شائع ہوئی تھی اور اسی زمانہ میں خلافت (بمبئی) اور منشور (دہلی) میں بھی درج ہوئی تھی، محترم مکرم سید نیاز احمد صاحب کے حکم مکرر پر میں نے اسے شامل دیوان کر دیا۔ کہیں کہیں میرے بیان اور دوسرے بیانات میں کچھ جزوی اختلافات ہیں مگر داستان دیوان ریاض زلفِ یار سے کم نہیں ہے، ابھی معلوم نہیں کتنے پیچ و خم نکلیں گے۔

اسی داستان کے شمول کی وجہ سے مجھے مجبور ہونا پڑا کہ مولوی

رضوان اللہ صاحب کی نوشتہ کیفیت کے عنوان "گزارش" کو بدل کر
آخریں مرحلہ طبع دیوان" کردوں اور اس کو اس داستان کے بعد ملحق کردوں
ورنہ اس کیفیت کو ابتدا میں آنا چاہئے تھا' امید ہے کہ موصوف اس تغیر کو جو
ضرورۃً ہوا ہے روا رکھینگے۔ اول بہ آخر نسبتے وارد۔

جو اصحاب دیوان ریاض کے مراحل جمع وترتیب وطباعت سے آگاہ ہیں
انہیں ان تمام اضافات وملحقات کے سلسلہ میں ایک نام کی کمی نظر آویگی' یہ
نام مولوی محمدؐ فاروق صاحب ایم۔ اس۔ سی کا ہے۔ حضرت ریاض اور اُن کے
سوانح حیات کے متعلق موصوف کے خیالات نہایت وسیع ہیں' دیوان بہت
گرانبار ہو چکا ہے' ممدوح کے خیالات سوانح حیات اور تبصرہ کلام میں نمایاں ہونگے۔
تبئیض' طباعت وتصحیح وغیرہ کے متعلق بھی چند الفاظ عرض کرنا ضروری
ہیں' حصہ اول (غزلیات) کا مبیضہ جناب حاجی جرٔبڑ شاہ صاحب وارثی (سجادہ نشین
خانقاہ حضرت مستقیمؒ شاہ صاحب' فتحپور۔ ضلع بارہ بنکی) نے اپنے دستِ مبارک سے
لکھا' چند غزلیں خود حضرت ریاض مرحوم کے دست خاص کی لکھی ہوئی بھی ہیں اور
جابجا ترمیمیں بھی ہیں' دو تین غزلیں حاشیے پر لکھی ہوئی ہیں جو غالباً اضافہ مابعد ہیں
حصہ دوم اثیم صاحب نے خوش خط وواضح تحریر فرمایا ہے۔ طباعت کا آغاز
۲۱ رفروری ۱۹۳۷ء کو گورکھپور میں ہوا۔ ۲۵ راگست ۱۹۳۷ء تک صرف
۲۰۷ صفحے طبع ہوئے' ممکن تھا کہ آئندہ رفتار ترقی کر جاتی مگر یقینی نہ تھا اس لئے
حیدرآباد میں منتقل کرنا پڑا۔ یہاں مراتب ابتدائی کے طے کرنے میں تقریباً دو ماہ گزر گئے
اواخر ستمبر سے طباعت شروع ہوئی اور وسط جولائی ۱۹۳۸ء میں ختم ہوئی

گورکھپور میں طباعت آسی پریس میں ہوئی اور حیدرآباد میں اعظم اسٹیم پریس میں اور قدر قلیل دوسرے دو مطابع میں۔ گورکھپور کے مطبوعہ ۷۲ صفحوں کی کتابت منشی دین محمد صاحب نے کی اور حیدرآباد میں جملہ کتابت منشی شفیع الدین صاحب نے کی۔ تصحیح بھی مختلف ہاتھوں سے ہوئی، گورکھپور میں جناب حکیم عارف صاحب (مدیر شاہکار) نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود تصحیح کا کام انجام دیا۔ حیدرآباد میں حامد حسن صاحب صدیقی (سابق مدیر مساوات الہ آباد و حال مقیم حیدرآباد) اور مولوی صبغۃ اللہ صاحب (مدرس دار العلوم) اور مولوی عبد القیوم صاحب (اہلکار صدر محاسبی سرکار عالی) نے اس کام کو انجام دیا۔ غلطنامہ حکیم محمد عبد اللطیف صاحب نے مرتب کیا۔ حکیم صاحب کی صحت نظر کی داد دینا چاہئے کہ غلطنامہ سے اسقام پوری طرح رفع ہو گئے۔ بیدل کا خمخانہ ہے جتنے ہی زیادہ اشخاص سیراب ہوں موجب سعادت ہے۔ ان جملہ اصحاب کی شکر گزاری مجھ پر لازم ہے۔

مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کام میں بہت سی خامیاں رہ گئیں، خاصکر صحت میں دو خرابیاں رفع نہ ہو سکیں۔ ایک خرابی تو ہمہ گیر ہے اس سے مفر نہیں یعنی کتاب میں کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور رہجائینگی مگر افسوس یہ ہے کہ چند غلطیاں ایسی رہگئیں جن سے شعر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ پڑھنے والوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ پوری کتاب کو غلطنامہ کے بموجب درست کر لینگے لاحاصل ہے مگر یہ استدعا ضرور ہے کہ جس شعر میں تردد ہو اس کو بحوالہ صفحہ و سطر غلطنامہ میں ضرور دیکھ لیں۔ دوسری خرابی املا کی ہے، سخت حیرانی ہے کہ اس بارے میں کیا کیا جائے، کاتب، مصحح، سنگساز سب اپنی اپنی جگہ پر یہ چاہتے ہیں کہ کتاب صحیح و درست طبع ہو،

کہیں جگہ منبر کے بجائے ممبر چھپ گیا ہے اور خوبی یہ ہے کہ اصل مسودہ میں بھی یہی ہے
ماسوا ازیں بعض الفاظ کا املا اب بدل گیا ہے، مثلاً تجہہ سے (تجھسے) مجہہ کو (مجکو)
پانوں (پاؤں) وغیرہ وغیرہ حرج کے بجائے ہرج، طیار کے بجائے تیار لکھنا تو
لازمی سا ہو گیا ہے، یہ غلط مبحث صرف اسی کتاب میں نہیں ہے بلکہ عام ہے اور
جب تک ہر شخص اپنے کو جہاں اُستاد اور ہر ادارہ اپنے کو حاوی الکل سمجھتا رہے گا
یہ غلط مبحث رفع نہیں ہوگا۔ چونکہ میں طبع دیوان کے متعلق حضرت مرحوم کے بلند
خیالات سے واقف ہوں اس لئے ندامت کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ
دیوان جس ہیئت میں پیش ہے وہ اس ہیئت سے بہت گری ہوئی ہے جس کا نقشہ
حضرت مرحوم کے ذہن میں تھا لیکن ان تمام کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود
اس دیوان کا شائع ہو جانا نہ شائع ہونے سے بہتر ہوا، آئندہ اصلاح و ترقی
کے راستے بند نہیں ہوے ہیں، خدا جسے توفیق دیگا وہ اسے بہتر صورت میں
شائع کریگا۔

ایک اہم غلطی یہ ہو گئی ہے کہ صفحہ ۷۴، ۷۵ پر ایک غزل درج ہو گئی ہے ؎

اے بامِ یار طور کی بھی تجھ میں شان ہے   اے بامِ یار عرش کا تجھ پر گمان ہے

یہ غزل تیرہ شعروں کی ہے، مگر صفحہ ۷۱، ۷۴، ۷۲ پر انیس شعروں کی ایک غزل آچکی ہے
جس میں ۱۲ اشعر غزل مابعد کے موجود ہیں۔ اصل مسودہ میں یوں ہی لکھا ہوا تھا، وقت پر
میری نظر نہ پڑی اور مصحح صاحب کو بھی خیال نہ رہا، تکرار واقع ہو گیا۔

صفحہ ۱۴۱ کے آخر میں چھ شعروں کی ایک غزل ہے، یہ غزل دراصل اکیس
شعروں کی ہے مگر اس میں کچھ شخصی اشارات ہیں، مسودے کے حاشیہ پر ہدایت درج

تھی کہ "یہ غزل محفوظ رہے گی شامل دیوان نہ ہوگی"۔ میں نے اس میں سے چھ شعر جو عام معانی میں تھے درج کردئے باقی اشعار کو چھوڑ دیا۔

آخر میں اتنا اضافہ نامناسب نہ ہوگا کہ ملحقات دیوان کی نظم و نثر میں اس ناچیز کا ذکر آگیا ہے مگر واقعاً میرا جو کچھ کام ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ میں نے "دیوان کو چھپوا دیا" ان تین لفظوں کو جس قدر چاہئے تنگ معنی میں لیجئے اور جس قدر چاہے وسیع معنی قرار دیدیجئے۔ پروفیسر گلکرسٹ نے اپنی کتاب "اصول علم السیاست" کا پہلا اڈیشن کلکتہ میں طبع کرایا تھا دیباچہ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں کسی کتاب کے چھپوانے کا مفہوم یہ ہے کہ حروف جوڑنے کے سوا کل کام صاحب کتاب ہی کو کرنا پڑے۔ پروفیسر صاحب کو ماشہ ماشہ بھر کے جستے کے حروف سے کام پڑا اور یہاں سوا سوا من کے پتھروں سے سابقہ رہا۔ حاصل آنکہ ؎

تہنیت گوئید مستاں را کہ سنگِ محتسب

برسرِ من آمد و ایں آفت از مینا گزشت

۲۰۔ جولائی ۱۹۳۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از
جناب مولانا سید سبحان اللہ صاحب
(رئیس گورکھپور)

انعامات الٰہی میں یہ بھی ایک بڑا انعام ہے کہ انسان کو اپنے ہی جیسے انسان کے حالات لکھنے پڑیں اور یہ ایسی بات ہے کہ پیغمبروں کے قصے لکھ کے خود قرآن نے اس کی تعلیم دی ہے۔

آج آٹھویں تاریخ اُس مہینے کی ہے جس سے بڑا اور متبرک مہینہ مسلمانوں کیلئے کوئی اور نہیں ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کے بیان کے مطابق خالق کُل نے معلم کامل بھیجکر ہم انسانوں کی دنیا اور دین دونوں مکمل کر دئے۔ جس ذات کا سراپا تعلیم۔ قولی تعلیم اور اس کے ذریعہ سے جو قانون بھیجا اس کی صداقت بے پناہ اور نہ صرف صداقت بلکہ اس کے آگے انسانی دماغ دنیا وی ارتقا میں سبقت لے ہی نہیں جاسکتا۔ اس ذات کے تشریف لائے ہوئے مہینے میں مجھ سراپا قصور کو یہ سعادت حاصل ہوتی ہے کہ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلےٰ اہل بیتہٖ وسلم کے جگر گوشے کی اولاد کے کچھ حالات لکھنے کا شرف

حاصل ہو رہا ہے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب متخلص بہ ریاض نسباً سید حسینی ہیں انکے آباؤ اجداد ہندوستان میں آنے سے پہلے ایران میں کرمان شاہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ان کے مورث علاؤ الدین غوری کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ علاؤ الدین غوری کی فوج میں کوئی عہدہ رکھتے تھے ان کی فوج کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ وہاں فتح حاصل کرنے کے بعد ان کی فوج کے اشخاص چند ٹکریوں میں بٹ گئے۔ ضلع بارہ بنکی اور سیتاپور کے مختلف مقامات پر آباد کر دئے گئے۔

منشی سید ریاض احمد کے اجداد کی ٹولی خیر آباد ضلع سیتاپور میں آ کے آباد ہوئی جس میں ایک زمانے تک علما ہوتے رہے اور ان کے ذمے عہدہ قضا ہوتا رہا۔ علوم و فنون خاندانی چیز تھی بزرگوں کے برابر نہ سہی تو بھی مسلمانوں کے انحطاط کے ساتھ کمی سے سہی مگر قائم تھے۔ سید ریاض احمد صاحب مرحوم و مغفور کے والد انگریزی گورنمنٹ کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ پہلے سید ریاض احمد صاحب مرحوم۔ دوسرے سید نیاز احمد صاحب نیاز حی القائم۔ تیسرے سید فیاض احمد صاحب مرحوم راز تھے۔ تینوں بھائی پولیس میں ملازم ہوئے۔ منشی ریاض احمد صاحب پولیس کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ دو بھائی آخر عمر تک ملازم رہے۔ سید نیاز احمد صاحب الحمداللہ زندہ اور قائم ہیں۔ بھوپال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی رہ چکے ہیں اور گورنمنٹ برطانیہ کے پنشنر ہیں۔

صاحبزادی کی شادی سید محمد عسکری صاحب وسیم خیر آبادی سے ہوئی جو بہت مشہور شاعر اور اہل فن تھے۔ ان کے شاگرد ان اطراف میں بکثرت موجود ہیں۔

منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض اوائل عمر ہی سے شاعرانہ انداز کے آدمی تھے۔ نثر کے بہترین انشاپرداز تھے اور آخر کار ان کی شہرت کے لئے خدا نے شاعری کو ذریعہ بنا دیا۔ اپنی زندگی کے سب سے بڑے حصہ میں ریاض الاخبار نکالا اور اس کے ایڈیٹر رہے اور آخر میں مالک ہو گئے۔ اخبار نکلنے کے زمانے میں ان کی انشاپردازی کا یہ شہرہ تھا کہ لوگ ریاض الاخبار صرف ان کا ایڈیٹوریل پڑھنے کے لئے خریدا کرتے تھے اور جو لوگ ان کی طرز انشاپردازی سے واقف ہو گئے تھے وہ لوگ ریاض الاخبار کی خبروں کے انتخاب کے ٹکڑوں میں بھی ان کے قلم کی جنبش تلاش کیا کرتے تھے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض دنیا میں اُسی طرح کے انسان تھے جس طرح کہ سب لوگ ہوتے ہیں۔ مگر قدرتی طور پر اُن کا سراپا شاعری بن گیا تھا اور شاعری میں شراب بن گیا تھا۔ شراب ہی نہیں کبھی ساغر۔ کبھی سبُو۔ کبھی خُم نظر آتا تھا۔ میں نے گھٹ کر کہا۔ میں نے تو ان کو میخانہ بنے۔ چلتے دیکھا ہے۔ کہیں آپ کو یہ شُبہہ نہ ہو جائے کہ جناب ریاض مرحوم شرابی تھے۔ لاحول ولا قوت الا باللہ۔ ہر جاننے والا اور پورا گورکھپور اور خیرآباد قرآن لیکر دن اور رات کی تمام عمر کی صحبتوں کی بابت قسم کھانے کو تیار ہے کہ ریاض مرحوم نے کبھی ایک بوند بھی شراب لب تک نہ آنے دی۔

حضرت ریاض کی شراب نوشی حافظ شیراز جیسی تھی کہ دیوان حافظ اُٹھا کر ایک طرف تو لسان الغیب والے اپنی خود غرضی سے فالِ نیک طلب فرماتے ہیں اور دوسری طرف اشعار کا مزہ لینے والے حلف لیکر حافظ شیراز کو شرابی کہتے ہیں۔ مجھے اس لکھنے کی ضرورت نہیں تھی مگر مرنیوالے کو یوں بھی اچھا کہا جاتا ہے اور عیب لگانے والوں کی اگر رخنہ بندی کر دیجائے تو مرنے والے کا بڑا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔

شعر تر میرے چھلکتے ہوئے ساغر ہیں ریاض
پھر بھی سب پوچھتے ہیں آپ نے مے پی کہ نہیں

ریاض الاخبار پہلے خیر آباد سے نکلا اور روزانہ بھی ہوا۔ اور گلکدۂ ریاض اسی پریس سے نکلا پھر ریاض الاخبار گورکھپور میں منتقل ہو گیا۔ اس کے ساتھ فتنہ اور عطر فتنہ بھی نکلے جو اپنے وقت میں بہت محبوب ہوئے اور قد کے اعتبار سے بھی فتنہ تھے۔

ریاض صاحب کی انشا پردازی کے تین دور گزرے ایک جب ریاض الاخبار سے اور اودھ پنچ لکھنو سے جس کے ایڈیٹر ہندوستان کے مشہور لکھنے والوں میں سجاد حسین صاحب مرحوم تھے۔ اُن سے معرکے رہے۔ دوسرا طوطی ہند میرٹھ سے جس کے ایڈیٹر اور لکھنے والے بھی مشہور ادیب تھے۔ اُن سے بھی مدت تک معرکے رہے۔ ان دونوں معرکوں نے سید ریاض احمد صاحب کی انشا پردازی کا سکہ ملک میں بٹھا دیا اور جو خصوصیت ان کی انشا پردازی میں تھی وہ یہ تھی کہ کبھی کسی پر ذاتی حملہ اُنہوں نے نہیں کیا

نہ کبھی عامیانہ اُردو لکھی اور ادبیت کے ایسے ایسے پہلو نمایاں کئے کہ لوگ باوجود اخبار کے ساتویں دن نکلنے کے اس کے مضامین پڑھنے کے لئے ایسے بیتاب ہوتے تھے جیسے آجکل روزانہ خبروں کے لئے بیتابی ہوتی ہے۔

منشی سید ریاض احمد صاحب نے دو ناول بھی لکھے حرم سرا۔ اور نظّارہ یہ دونوں بھی ان کی انشا پردازی کے معرکتہ الآرا ٹکڑے ہیں۔ جنہوں نے انہیں دیکھا ہوگا وہ ان کی لذّتوں سے واقف ہونگے۔ بیان میں وہ سب چیزیں نہیں آسکتیں جو لکھنے والے کی تحریر دیکھ کر دماغ میں آسکتی ہیں۔

تعلقات

سید ریاض احمد صاحب کے ذاتی تعلقات چند خاندانوں سے پیدا ہوئے اور آخر عمر تک قائم رہے۔ پہلا سید نیاز احمد صاحب رئیس خیرآباد اور اُن کے بیٹے سید نظام احمد مرحوم جو ان کے رشتہ دار بھی تھے۔ دوسرا عام طور پر گورکھپور کے معزز خاندانوں سے اور بالخصوص میرے اعزّا اور خود مجھ سے اور میرے چچا مولوی سید عطاءُ اللہ صاحب مرحوم سے۔ اس تعلق میں خصوصیت یہ تھی کہ سید ریاض احمد صاحب کے والد مرحوم گورکھپور میں سرکار انگریزی کے ملازم تھے۔ سید ریاض احمد صاحب کا بچپن گورکھپور کے شرفا کے لڑکوں کے ساتھ گذرا تھا اور اُن ہی شرفا کے لڑکوں میں مولوی سید عطاءُ اللہ صاحب مرحوم بھی تھے یہ دونوں منشی سید امیر احمد صاحب مینائی علیہ الرحمہ کے شاگرد ہوئے اور ایک ساتھ شاعری شروع کی پھر سید ریاض احمد صاحب گورکھپور ہی میں پولیس کے ملازم ہو گئے۔ ترک

ملازمت کے بعد جب ریاض الاخبار گورکھپور میں آیا تو اُن کا گھر گورکھپور میں ہو گیا۔ بچپن۔ پوری جوانی اور گویا کہ بڑھاپا گورکھپور میں گزرا جسکی بابت اُن کا ایک شعر اُن کے پورے جذبات کے بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

جوانی جن میں کھوئی ہے وہ گلیاں یاد آتی ہیں
بڑی حسرت سے لب پر ذکرِ گورکھپور آتا ہے

میرے ساتھ سید ریاض احمد مرحوم و مغفور کا تعلق مختلف عنوانات سے رہا۔ کبھی میں مالک روزانہ صُلح کُل تھا اور سب سے بڑا تعلق یہ تھا کہ مجھکو ایک چچا اور ایک دوست یکجا ایسا ملا جس کا نام منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض مرحوم تھا۔ وہ جب مجھے اپنا کوئی شعر سناتے تھے تو وہ اور میں ایک طرح سے بیتاب ہوتے تھے اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ تین تین دن تک ایک ہی شعر نے دونوں کو بیتاب رکھا ہے۔ اپنے اور سید ریاض احمد صاحب کے تعلق اور شاعری کے متعلق دونوں کے بیان کرنے میں مجھے تو ضرور لذت آئیگی لیکن پڑھنے والوں کے لئے کوئی زیادہ دلچسپ چیز نہیں ہے اس لئے اس کو میں ترک کرتا ہوں۔

تیسرا تعلق سید ریاض احمد صاحب کا اُن کے ولی نعمت و قدردان جناب مہاراجہ سر محمد علی محمد خان صاحب مرحوم والی ریاست محمود آباد اودھ سے تھا جو ان کی حیات میں ان کے قدردان اور کفیل تھے اور اُن کو اپنے پاس ہر صحبت میں موجود رہنے کے شائق رہے اگرچہ اُن کی

یہ آرزو منشی سید ریاض احمد صاحب کے استغنا کی وجہ سے کما حقہ پوری نہ ہو سکی چنانچہ ریاض الاخبار آخر میں مہاراجہ صاحب کے حکم سے ان کے خرچ پر لکھنو گیا۔ جس حالت کے بیان کے لئے ریاض صاحب کا یہ شعر کافی ہے۔

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشتِ شباب
جوان ہونے کو پیری میں لکھنو آئے

ریاض صاحب کا تعلق ریاست محمود آباد سے اور موجودہ رئیس سے بھی بعینہ وہی تھا اور ہے۔ جیسے میرے چچا کے بعد مجھ سے رہا۔ اور موجودہ رئیس راجہ خان بہادر محمد امیر احمد صاحب والی ریاست محمود آباد آج بھی سید مرحوم کے بچوں کی زندگی کے خدائے مجازی ہیں اور جب راجہ صاحب سے سید ریاض احمد صاحب مرحوم کا ذکر آتا ہے تو اُن کی محبت کا جذبہ اُن کے دیوان کے کُل اخراجات کے برداشت کا یا کسی طرح ریاض کے خاندان کی امداد کا تازہ ہو جاتا ہے اور یہ سب سید ریاض احمد صاحب مرحوم و مغفور کی خالص محبت اور بے لوث تعلق کا نتیجہ ہے۔

تعلقات کے ذکر میں ایک آخری تعلق بھی بیان کر دوں کہ ریاض صاحب مرحوم چاہتے تھے کہ اُن کا دیوان اولاً گورکھپور سے شائع ہو اور اگر کسی وجہ سے گورکھپور سے نہ شائع ہو تو راجہ صاحب محمود آباد شایع کریں۔ چنانچہ ان کی عمر کے بالکل آخری زمانے میں میں نے ان کو دیوان کی ترتیب پر مجبور کیا اور اس سلسلے میں چند مہینے گورکھپور سے باہر نکلنے نہیں دیا۔

انھوں نے آخر کار اہل گورکھپور کے اِصرار سے دیوان دو شخصوں کے حوالہ کیا جس میں ایک میرا لڑکا سید محمد رضوان اللہ ایڈوکیٹ ممبر اسمبلی صوبہ ہذا ہے اور دوسرے اُن کے اِنشا پردازی کے زمانے کے معتقد اور قدرداں قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے گورکھپوری رکن دار الترجمہ حیدر آباد ہیں۔ قاضی تلمذ حسین صاحب نے اُس دیوان کے طبع اور صحت وغیرہ کا اہتمام کلیتاً اپنے ذمہ لیا۔ کچھ حصّہ گورکھپور میں چھپوایا اور اب اُسے حیدر آباد لیجا کر مکمل کر دیا۔ باقی دیوان کے اور لوازم رضوان اللہ کے سپرد کیئے اور میں اور سید نیاز احمد صاحب نیاز برادر خورد سید ریاض احمد صاحب مرحوم و مغفوران کے کلام کے مختلف عنوانات اور جمیع امور کے طے کرنے کی کمیٹی کے ممبر تھے اور ہیں۔ خدا کرے کہ ہم چاروں دیوان کے جمیع مراتب کے مکمل کر دینے میں پورے کامیاب ہو جائیں۔ جو غالباً آخر جون تک ہو جاویگا۔

تعلقات کے سلسلہ میں یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ دیوان کا انتساب سید ریاض احمد صاحب مرحوم صرف راجہ صاحب محمود آبادہی سے چاہتے تھے۔

دو تعلق اور مخصوص تعلق اسی سلسلہ میں مجھے بیان کر دینا ریاض صاحب کی طرف سے ادائے شکر سے کم نہیں ہے ایک قاضی سر عزیز الدین احمد صاحب دیوان ریاست وتیا اور دوسرے ان کے بھائی قاضی خلیل الدین صاحب مرحوم قدیم دیوان ریاست پنّا وغیرہ

یہ دونوں حضرات ریاض صاحب کا دیوان شائع کرنے کے اصرار کے ساتھ ریاض صاحب کو مطمئن بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ جو اُن کی ذاتی محبت اور خلوص کا بیّن ثبوت ہے اور میں دونوں کا شکریہ بکمال خلوص ان کی طرف سے ادا کرتا ہوں۔

یہ عجب اتفاق ہے کہ آج جب میں ان کے حالات لکھنے بیٹھا تو ان کے خاص شاگرد سلطان احمد صاحب واقف موجود ہیں اور یہ دیباچہ انہیں سے لکھوا رہا ہوں۔ شاگرد کا خلوص کہوں یا مرحوم اُستاد کا تعلق کہوں جس نے بیساختہ بسوان ضلع سیتاپور سے خواہ مخواہ واقف صاحب کو بے موسم گورکھپور بھیجدیا۔ جی چاہتا ہے کہ یہی لکھا ہوا پریس کی کاپی پر اُتر آتا اور واقف صاحب کی خوشخطی کا بھی اس سے اعلان ہو جاتا۔

ریاض صاحب کے تعلقات کا ذکر آگیا تو مجھے اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ریاض مرحوم کس قدر بے لاگ اور بے طمع شخص تھے۔ منشی امیر احمد صاحب مینائی علیہ الرحمۃ جب رامپور میں نواب خلد آشیاں کلب علی خاں مرحوم مغفور کے پیشکار تھے اُسی زمانہ میں سید ریاض احمد صاحب کی شاعری جوان ہو رہی تھی۔ نواب کلب علی خاں مرحوم مغفور ان کو اپنے درباریوں میں شامل کرنا چاہتے تھے اور کئی بار سید ریاض احمد صاحب کو منشی امیر احمد صاحب مینائی نے رامپور بُلایا اور یہ کہا کہ نواب صاحب یہ چاہتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے رامپور سے چلے آئے۔

نواب حامد علی خاں مرحوم فرمانروائے رامپور ساری عمر ریاض صاحب کو

بلاتے رہے اور اپنے درباریوں میں شامل کرنے کے مشتاق رہے۔ کئی بار ہز ہائینس کے بلانے پر رامپور گئے۔ مگر کبھی مستقل قیام کرنا نہیں چاہا اور واپس چلے آئے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مرتبہ سلطان دکن میر محبوب علی خان غفران مکان نے بھی ریاض کے حیدر آباد میں رہنے کی خواہش کی تھی جس کو ریاض احمد صاحب ٹال گئے۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بالقابہ ریاض مرحوم سے خالص محبت اور خالص عقیدت رکھتے تھے اور بیحد خواہشمند تھے کہ ان کو جیب وگریباں بنا کے اپنے ساتھ رکھیں مگر ریاض مرحوم اتنے بے طمع اور قانع تھے کہ مہاراجہ صاحب محمود آباد کی اولش نوازی اپنے لئے کافی سے زیادہ سمجھتے رہے۔

رند قانع متواضع ہے خدا دیتا ہے
جب وہ پاتا ہے تو پیتا ہے پلا دیتا ہے

ریاض مرحوم کی شاعری اور شاعری میں زبان کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ریاض مرحوم کا پورا دیوان یا کل کلام دیکھ کر آپ مجبوراً یہ فیصلہ کرینگے کہ کسی ایک شعر میں بھی تنافر کا نام نہیں ہے۔ پورا کلام پڑھنے پر آپ کے ذہن پر یہ بار نہیں گزرے گا کہ میں نے کسی گنجلک ادیب کا ادبی کارنامہ پڑھا ہے۔ ان کی شاعری کی لطافت و نزاکت اس درجہ تھی کہ مجھے مجبوراً یہ سوے ادب کرنا پڑتا ہے کہ اُن کے اُستاد منشی امیر احمد صاحب مینائی

علیہ الرحمۃ کے کلام میں وہ لطافت ونزاکت اور روانی نہیں ہے۔ یا کم سے کم متقابلتہً نہیں ہے۔

ریاض نے اپنی شاعری اور شاعری کی زبان کو اس قدر لطیف بنایا ہے کہ بغیر ان کی دس پانچ غزلیں پڑھے ہوئے میرے بیان کی تصدیق میں آپ کو تامل ہوگا لیکن دس غزلیں پڑھنے کے بعد آپ مجھ سے زیادہ ان کے کلام کے دلدادہ نکلینگے۔

اُن کی نثر کا بھی یہی حال ہے گویا اُن کے قلم سے پھول جھڑتے ہیں۔ اور ادبیت کے پیچ وخم اس نزاکت سے دکھاتے تھے کہ بسا اوقات واہ اور آہ کے سوا الفاظ میں کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس وقت میرے سامنے اُن کا جو مجموعہ کلام ہے وہ صرف شراب کے اشعار پر مشتمل ہے۔ تیرہ سو چھیاسٹھ ۱۳۶۶ شراب کے پہلو ایسی نزاکتوں سے انہوں نے نظم کئے ہیں کہ اس پورے شراب کے اشعار کے مجموعہ کو ایک دفعہ دیکھنے کے بعد کسی شاعر کے لئے شراب کا کوئی نیا پہلو نکالنے میں بڑی دقت ہوگی میں ان کے نظم ونثر کے متعلق اور زیادہ اس لئے نہیں لکھنا چاہتا کہ خود اُن کا کلام موجود ہے آپ ملاحظہ کیجئے اور میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اُس کی تصدیق خود کر لیجئے اور اغلب ہے کہ آپ اس سے کچھ زیادہ ہی کہنے پر آمادہ ہونگے۔ ان کے کلام کے ساتھ میری دلچسپی اِس حد تک ہوتی تھی کہ ایک ایک شعر کم سے کم تین تین دن ورنہ ہفتوں ایسا مزہ دیتا تھا کہ جس کی لذت کا بیان قلم کی قدرت سے باہر ہے۔

ریاض کے کلام سے ادبی دنیا بیشک لطف اندوز ہوگی مگر میں اسکی
طرف خفیف سا اشارہ کرتا ہوں کہ زبان کی شستگی اور سبک بیانی اور
زوائد کے استعمال پر کافی توجہ رکھنا یعنی شاعر کوئی لفظ جب برائے بیت
استعمال کرتا ہے تو اس کو غور کرنا چاہیئے کہ اس زاید لفظ کی جگہ پر کوئی
باکار لفظ آجائے۔ یہ کاوش شاعر کو قادر بنادیگی اور جب شاعر کو ان باتوں پر
کافی توجہ ہوگی تو وہ ریاض کی صحیح قدر کرسکے گا۔

عام شاعری کے متعلق مجھے چند لفظ عرض کرنا ہے اگرچہ ۳۷ء و ۳۸ء
میں نظموں کا بہت رواج ہوگیا ہے۔ لیکن نظم اگر کلام بہ کسے کردن کا نام
نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ تغزل کو آپ کلام بہ معشوق کردن کہتے ہیں۔ قومی
نظمیں بہ قوم کلام کردن ہے صرف مخاطب کا رُخ بدلا ہے۔ شاعری
نہیں بدلی۔ شاعری کے نکات نہیں بدلے۔ شاعری کا فن نہیں بدلا۔
شعر پر شاعر کی قدرت نہیں بدلی۔ ساری چیزیں شاعری کی اپنی جگہ پر
ہیں۔ رُخ بدلنے کا نام شاعری بدلنا نہیں ہے۔ جتنی خوبیاں جتنے عیوب
غزل کہنے والوں کے لئے ہیں اُسی قدر خوبیاں اور شاعری کے اُتنے ہی
عیوب نظم کہنے والوں کے لئے بھی ہیں۔ قواعد شاعری نہیں بدلتے
اور اس لئے آج کل کے نظم گو شعرا جو پرانے شعرا پر الزام لگاتے ہیں
وہ الزام صرف شاعری کے رُخ یا بے رُخی پر ہو سکتے ہیں اصل فن کا اُس سے
کوئی تعلق نہیں۔ ریاض صاحب کی شاعری کی بابت سرسری بیان ہو چکا
اب بیساختہ جی چاہتا ہے کہ ان کے کچھ شعر سنیئے یہ اس لئے کہ جس طرح مجھے

اس وقت اُن کے شعر پڑھنے میں مزہ آرہا ہے۔ آپ کو بھی مزہ آئے۔

اللہ رے ادب مست مئے ہوش رُبا کا — کانپ اُٹھا قلم بھی جو لکھا نام خداؐ کا
ہاں اور بھی اِک جام مئے ہوش رُبا کا — اس وقت مجھے ہوش نہیں شکرِ خدا کا

بھوکا پیٹ بھرنے پر شکر کرے تو تعجب نہ کیجیئے۔ پیٹ بھرا اس قدر پائے کہ شکر کے بغیر اوسے چارہ نہ ہو شعر ملاحظہ ہو۔

آتی رہے پیہم ترے خُم سے مری ساقی — وہ مے لبِ زیرپہ جو بنے شکرِ خُدا کا

کیا نازک پہلو ہے۔

کیا تجھ سے ترے مست نے مانگا مری اللہ — ہر موجِ شراب اٹھ کے بنی ہاتھ دعا کا
نشّہ سے جھکی پڑتی ہیں یوں ہی تیری آنکھیں — چھیڑوں سے میری اور بڑھا بوجھ حیا کا

مسجد میں مرنے پر کوئی گور و کفن تک کا روادار نہیں ہوتا۔ لاوارثوں کی مدد سے یہ کام انجام پاتا ہے۔ اب شعر ملاحظہ ہو۔

رہنے دیگا نہ دمِ نزع کوئی حلق کو خشک — میکدے میں ہیں اتنا تو سہارا ہوگا
دیر ہو یا ہو خرابات کہیں بھی جاؤں — کعبہ دل ہیں میری آنکھوں میں مدینا ہوگا
آبِ زمزم کے سوا کچھ نہیں کعبے میں ریاض — میکدہ تم جسے سمجھے ہو مدینا ہوگا

قیامت میں بھی ای ساقی اُڑائی کاگ بوتل کے — ترے رندوں نے کیا میدان مارا ہی قیامت کا
بہت ایسے بھی ہم رندوں میں ہیں اللہ کے بندے — مزا جو لوٹتے ہیں میکدے میں باغ جنّت کا

بہت سے رند بھی دیکھے بہت سے زاہد بھی — اِنہیں تو پیر ہمیشہ اُنہیں جوان دیکھا

ریاضؔ خاکِ درِ میکدہ تھا جیتے جی　　فنا کے بعد اُسے خلد آشیاں دیکھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش　　سُنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

اہلِ حرم بھی آکے ہوئے تھے شریکِ دور　　کچھ اور رنگ آج مری میکشی کا تھا

پیغمبر آخر الزماں صلعم کا مدینے میں تشریف لانا مکّے والوں کا آ آ کے ایمان لانا۔

یہ کہہ کہ اس میں زہر بھی ہی کچھ ملا ہوا　　ساقی نے جب پلائی تو نشّہ سوا ہوا

ہم ہیں گدائے میکدہ ہم کو کمی نہیں　　سب کچھ ہمارے گھر ہے خدا کا دیا ہوا

تمام صحابہؓ کا یہی حال تھا۔ گھر کا سارا اثاثہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کے قدموں پر نثار کرنے کے بعد مجلس رسول صلعم سے اس شان سے نکلتے تھے کہ دنیا کا سب سے بڑا دولتمند اور بادشاہ ان کے استغنا کے ادنیٰ مرتبے کو نہیں پہونچتا تھا۔ آج مسلمان کا بچّہ مسلمان ہوتے ہوئے روٹی روٹی چلاّتا ہے۔ جس کی ضمانت اُس مسلمان بچے کی دین و ایمان والی کتاب کے ہر ورق میں موجود ہے۔

ٹپکا دے بوند بھر کوئی منہ میں ریاضؔ کے　　دم میکدے میں توڑ رہا ہی پڑا ہوا

اس شعر کے متعلق اگر کوئی آرٹسٹ ایک سینری بنا دے تو شعر کا اصلی جوہر کھل جائے اور میں کیا کہوں۔

محتسب آیا تو میں خُم پر گرا　　خُم گِرا مینا گِرا ساغر گِرا

اس شعر کے متعلق میں اس لئے کچھ نہیں کہونگا کہ ریاضؔ کے شراب کے

شعر کو بھٹی والی شراب تک لوگوں نے محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ ریاض نے بھٹی کیا و لایتی بھی کبھی نہیں پی۔ اس لئے بہزار معذرت اتنا سُن لیجئے کہ کسی روحانی مجلس میں روحانی اثر کا جس سے خدا رسیدگی مقصود ہو اُس مجلس کا ذکر ریاض اس شعر میں یوں کرتے ہیں کہ معرفت الٰہی کی شراب پی کر میں غرق شراب معرفت ہو گیا جو حاصل حیات انسانی ہے۔ قیامت بھی اُس مجلس میں آجائے تو مجھے قیامت سے کیا مطلب قیامت میں پہونچکر حاصل قیامت یہ کہا جاتا ہے کہ غرق انوار الٰہی ہو جانا یہ مجھے اسی وقت حاصل ہو گیا۔ کسی پیرِ معرفت کی مجلس میں یہ شعر پڑھ دیا تو کیا بُرا کیا۔

بزمِ محشر گر بنے ساقی کی بزم   میں نہ اُٹھونگا اگر پی کر گرا

توفیق الٰہی جو توبہ کو پائدار بنا دے اگر نہیں ہے تو اس وقت کا یہ شعر ہے۔

ہو گا جنہیں توبہ کا بھروسا مری مالک   وہ اور ہی ہونگے یہ گنہگار نہ ہو گا

اچھا اس شعر کا حال سُن لیجئے میں کہتا ہوں کہ شراب کا بہت نازک شعر ہے۔ میں اس کو بگاڑنا چاہتا ہوں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ خالق خالق نہیں ہو سکتا۔ جب تک مخلوق نہ ہو یعنی خالق نے اپنی عظمت قائم رکھنے کیلئے مخلوق پیدا کی۔ مخلوق سے کہا کہ میرے جلال کی جتنی صفتیں ہیں ان سب کا مزہ چکنا ہو گا۔ مفہوم بگڑ گیا ہو تو معاف کیجئے گا۔ بنگیا ہو تو تعریف نہ کیجئے گا اب شعر سُنئے۔

لبِ میگوں کا تقاضا ہے کہ جینا ہو گا   آنکھ کہتی ہے تجھے زہر بھی پینا ہو گا۔

اچھا روا روی سے کچھ اور شعر سنتے جایئے ایسا نہ ہو کہ آپ یہ کہیں کہ ریاض کا شعر کیا سنانے آئے لگے سبق پڑھانے۔

رمضان میں نہ پلانا نہ پینا ہو گا — کس طرح گذرے گی کیسا یہ مہینا ہو گا
حشر میں میکدے والو جو خدا نے چاہا — یہی جلسہ یہی ساغر یہی مینا ہو گا

بادل اُمڈے ہوئے تھے رات سر میخانہ پر — مہر خم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسی کیا کیا

میں الحمدللہ کہ مسلمان ہوں۔ شاعر بھی الحمدللہ مسلمان تھا کاتب اُس پر مستزاد، اگر ہم شراب کے شعر کو حرم کی کسی مجلس پر چسپاں کر دیں تو آپ خفا نہ ہوا کیجئے۔ ذیل کے شعر میں مکّے کا وہ وقت یاد دلانا چاہتا ہوں جب ۸ ھ میں مکّہ فتح ہو کر حرم میں بتوں کی جگہ خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش شروع ہوئی اس وقت کے کیسے لوگ تھے کہ شراب توحید حرم سے پی کر جو چلے تو اوس کا نشّہ چین میں جا کر اُترا۔ ہمارے وقت میں ہر سال کئی لاکھ زمزمی حرم سے بھر کر آتی ہے اور مردہ مسلمانوں کو نزع کے وقت پلائی جاتی ہے۔ ع۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔ شعر ملاحظہ ہو۔

اُڑتی تھی وہ شئے آتی تھیں جنّت کی ہوائیں — اب رندوں کا جمگھٹ سرِ زمزم نہیں ہوتا

اب جلدی جلدی دو چار شعر سُن لیجئے ایسا نہ ہو کہ میری بد مذاقی پھر آپ کو الجھا دے۔

اے جوئے سبیل ہمیں آئیں تو پئیں — ہم تک ابل کے حشر میں آیا نہ جائیگا

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُنکے پی گئے　　واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

ابر بنکر جو برس پڑنے کو آیا واعظ　　بے طرح ہم نے خمِ مے کو اُبلتے دیکھا

بنائی کیا بُری گت میکدے میں بادہ نوشوں نے　　ریاض آئے تھے کل جامہ پہنکر پارسائی کا

اللہ ہی جو شب کو بھی ہو شغلِ مے ریاض　　منہ صبح ہوتے دیکھ لیا روزہ دار کا
خُم دوش پر بغل میں صُراحی بروزِ حشر　　اُٹھنا مزار سے وہ کسی مے گُسار کا
اس لطف سے بہار آئی ہے ایکبار　　پانی میں بھی مزہ ہے مئے خوشگوار کا

اس شعر میں اعتبار کی پوری دنیا ہے۔

رکھنا پڑا ہمیں خُمِ دنیا کو سر بمُہر　　کوئی بھی آدمی نہ ملا اعتبار کا

کیا مُرصع شعر ہے۔

اب نو ریاض پھول اُڑاتے ہیں ان دِنوں　　جوبن یہ لوٹتے ہیں عروسِ بہار کا

اودھ کے تعلقدار یورپ اور امریکہ کے گھوڑ دوڑ والے ملاحظہ فرمائیں۔

جب تک ملیگی قرض پئے جائینگے ضرور　　ہم جانتے ہیں مفت ہی سودا اُدھار کا

آپ خفا نہ ہوں جس شعر میں مجھے جتنا مزہ آئے وہ مجھے مزہ لینے دیجئے میں کہتا ہوں کہ یہ شعر کس قدر سوندھا ہے یعنی اس شعر سے وہ بو آتی ہے جس بُو کی تعریف حدیثوں میں اہلِ صوم کے بوے دہن کے متعلق کی گئی ہے۔

مینا کا منہ ہی بند یہ ہے احترامِ صوم　　ساغر کا لب ہی ہونٹھ کسی روزہ دار کا

وضعدارانہ آئے ریش حنائی پر اے ریاض گو سن نہیں مگر ہے زمانہ بہار کا

پچھلے شعر جو میں نے لکھے ہیں اور اگلے شعر جو میں لکھ سکونگا ان میں کم سے کم یہ چیز تو ضرور ملاحظہ کیجئے کہ ریاض نے غزلوں کے دیوان میں تیرہ سو چھیاسٹھ[۱۳۶۶] شعر شراب کے لکھے ہیں جن میں تیرہ سو چھیاسٹھ[۱۳۶۶] پہلو شراب کے دکھائے ہیں اس کو ذرا شراب سے علحدہ کر کے ملاحظہ کیجئے۔ اور عرب میں بغداد کے دارالسلطنت میں پہونچ جائیے۔ ہارون رشید کے دربار کا شعر ابو نواس ہے اس کی روزمرہ کی زندگی ملاحظہ فرمائیے۔ دربار ہارون رشید میں کسی شعر پر ایک لاکھ دینار انعام پاتا ہے۔ گھر آتا ہے۔ صبح کو دربار میں جب پھر جاتا ہے تو بسا اوقات حاجب اس کو جانے نہیں دیتا۔ یعنی ایسے بوسیدہ کپڑوں میں جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے چھ مہینے کی فاقہ کشی کے بعد گھر سے نکلا ہے اور اشعار میں روزانہ کی تکالیف اور راحت شراب کے عنوان سے بیان کرتا ہے اسی طرح سے ریاض جیسے قلاش شاعر کے گھر کا وہ رونا ہے جو آپ کو شراب کے نام سے مست کرتا ہے۔ اب ذرا توجہ سے اشعار پر نظر فرمائیے اور دنیا میں مفلسی کی عیاشیوں کا مزہ لیجئے۔

جب تک ملیگی قرض پیے جائینگے ضرور ہم جانتے ہیں مفت ہی سودا ادھار کا

بوتل جب اس کے حجرے میں بھولے بھری ملی واعظ بھی آدمی ہے بڑے اعتبار کا

ہر ملک میں موسم بہار ایک خاص زمانے کا نام ہے مگر ریاض نے موسم بہار ایسا وسیع بنا دیا کہ جس کو جب جتنی دیر کے لئے یکسوئی ہو جائے وہی اس کا موسم بہار رہے۔

مے نوش جس کو کہتے ہیں موسم بہار کا — اک وقت ہے وہ دخترِ رز کے نکھار کا
اڈا ہوا جہاں وہ میدان حشر میں — چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا
کہتے ہیں جس کو پنبہ مینائے شب فروز — ہم میکشوں میں نام ہے صبح بہار کا
واعظ نہ آپ بزم میں چھلکائیں جام خلد — کھلوائیں منہ جناب نہ مجھ بادہ خوار کا
چوری گئی شراب تو کیا وزدِ مے وہ ہے — جو نام لے ریاض سے پرہیزگار کا
کتنی ہی مجھ سے توبہ ملے ٹوٹ ٹوٹ کر — اس سے نبہے گا ساتھ نہ مجھ بادہ خوار کا
توبہ کا یہ اثر ہے لبِ جو کہ جام مے — بتخالہ بنگیا ہے لبِ جوے بار کا
پی پی کے اس نے سجدے کیے ہیں تمام رات — اللہ رے شغل زاہدِ شب زندہ دار کا

اہل ہوس اور صاحب قناعت کا تقابل کیا ہے۔

خُم سے نہ ہو وہ سیر میں چلو میں سیر ہوں — یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا

باتیں معشوقوں کی کانوں میں نظر بن نکلیں — نشۂ بادۂ گلنار ترا کیا کہنا

کوثر کا حوض حشر میں سر پر لیے پھروں — چلاے شیخ یہ بھی تمہارا سبو ہوا

شعر سنئے چاہے اس کا نام ہونٹ ہی کہئے مگر ہیرے کی کنی کی طرح دل میں نہ چبھے تو اٹھا کے پھینک دیجئے۔

نشہ میں گر کے ہاتھ سے مینا ہوا جو چُور — ہر ریزہ جا کے سبزہ لبِ آب جو ہوا

ہم جامِ مے کے بھی لبِ تر چوستے رہے — چسکا پڑا ہوا ہے تمہاری زبان کا

توبہ کرکے آج پھر پی لی ریاضؔ کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

دستِ شفقت اس طرح اِک رند نے پھیرا ریاضؔ بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

جناب حاجی وارث علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا فوٹو کھینچ دیا ہے۔ ذیل کا شعر بھی اسی رنگ کا ہے۔

ریاضؔ اور ہی رنگ میں مست ہیں اب سنا ہے پیالہ پیا ہے کسی کا

شیخ نے عہد توڑا، توبہ توڑی۔ دنیا کی بنوٹ سے دستکشی کی اس کے بعد کیا ہوا۔ شعر سنئے

شاخ میں جبتک یہ ہے انگور ہے شیخ نے توڑا کہ مینا ہوگیا
آئیگا پینے پلانے کا مزہ پارسا اب بادہ پیما ہوگیا
ہے یہ بہت نشہ ذرا ہوگیا مل گئی تھوڑی سی بھلا ہوگیا
جھومتے ہیں بیٹھے حرم میں ریاضؔ آکے یہاں نشہ سوا ہوگیا

ایک صاحب خانقاہ جن کا نام مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ ہے۔ جب ان کے پاس علامہ عبدالوہاب بہاری علیہ الرحمہ بیعت کے لئے جاتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ بابا اللہ جمیلٌ ویحبُ الجمال یہ جو تم نے داڑھی بڑھائی کہ جس پر یہ پھبتی صادق آتی ہے کہ یہ کوئی جھاڑی ہے جس میں بچہ دہد خرگوشے۔ جب میری آنکھوں کو ستا رہی ہے تو جس کے دربار میں جانا چاہتے ہو اور میرے ذریعہ سے جانا چاہتے ہو تو وہ تمہاری اس صورت سے کہاں تک خوش ہوگا جاؤ ذرا پر قینچ ہو کر آؤ کہ آدمی جیسی

صورت معلوم ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ حضرت مخدوم سلطان نظام الدین الاولیا علیہ الرحمہ کے سات سو قوالوں کے معلم اتم تھے اس رنگینی کی کوئی حد ہے۔ شیخ حرم شریعت کا درّہ لیے جبہ و دستار سنبھالے پوری عظمت و شان سے ہیں۔ اِدھر سرشاران محبت اپنی محبت کی اداؤں اور سرمستیوں میں غرق۔ اہل حرم ان کے رموز کیا جانیں مگر دونوں قابلِ احترام۔ فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں۔ اب شعر سنئے۔

جب لوگوں میں دونوں کی بزرگی ہے مُسلّم کیا شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

یعنی شیخِ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا انہیں معنوں میں اس شعر کو بھی ملاحظہ کیجئے پہلو بدلا ہے مگر لاجواب ہے۔

مجھکو ہے لبِ جامِ شکستہ بھی مہِ عید ساقی یہ ہلالِ رمضاں ہو نہیں سکتا

ساقی کی گڑی آنکھ ہے کیوں کعبۂ دل پر یہ بادہ فروشوں کی دوکاں ہو نہیں سکتا

کس مایوسی سے ساقی ہو یا پیرِ مغاں دونوں سے شراب مانگتا ہے۔

کچھ خشک سا ہے تربتِ میخوار کا سبزہ کیا ابرِ بہار اشک فشاں ہو نہیں سکتا

دھوکا ہوا۔ زاہدوں کی عید تیس دِن کے بعد۔ شرابیوں کی عید تیس دن برابر

ہر شام نہ جس کی سحرِ عید ہو واعظ میخانے میں ایسا رمضان ہو نہیں سکتا

ریاض کے شراب کے پورے اشعار کا جواب صرف ایک شعر میں ہے۔

ملتی ہے درِ ساقیِ کوثر سے یہ خدمت اس طرح کوئی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

مَے چرانے میں ہیں ہے یدِ طولیٰ کیسا ہم اُڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

ایک پہلو ملاحظہ ہو۔

سایۂ تاک میں واعظ کو جگہ دی ہم نے　　　آج شیشے میں اُسے ہم نے اوتارا کیسا

۱۹۱۴ء والی جنگ میں ہندوستان سے غلہ ریلی برادرس لیگیا۔ یہ ریلی برادرس قبل جنگ بھی منڈیوں سے غلہ لیتا تھا۔ مگر اس کمپنی کی بود و باش برطانیہ کے کسی ملک میں تھی۔ جنگِ عظیم والا برادرس بعد کو جرمن کمپنی نکلی۔ شعر اگر دنیا کے حالات کے مطابق ہو جائے تو آپ خفا نہ ہوا کیجیے۔ شاعر نے اس قسم کے فریبوں کو عجیب لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید　　　مَے فروشوں کا ہے زاہد سے تقاضا کیسا

سلامت کنجِ تنہائی سلامت یہ خم و ساغر　　　بہار آئے نہ آئے مجھکو سودا ہو نہیں سکتا

مذہب کی تعلیم میں جب تک روحانیت کا جزو اعظم شامل نہ ہو جسم بے روح ہو کر رہ جاتا ہے۔

حرم والو ریاض آکر حرم میں پڑ رہیں کیونکر　　　گذران کا کہیں بے جام و مینا ہو نہیں سکتا

تم محض نماز پڑھاؤ گے۔ حرم کا طواف کراؤ گے اس کو بے جلوۂ الٰہی دیکھے کسی چیز میں مزہ نہ آئیگا۔ تعمیل حکم اور ہے۔ کسی حکم کی تعمیل میں مزہ آنا اور بات ہے۔

شباب کا اور بھرپور شباب کا ایسا بھرپور شعر کہا ہے کہ تصویر کھڑی کر دی ہے۔

بھرے ساغر میں ہی بھرپور رنگ انکی جوانی کا　　　غضب ہے بے پئے نشے میں میرا چور ہو جانا

ساقی اور پیر مغاں ان کو نیا آدمی سمجھکر ذرا زیادہ توجہ فرمائیں۔ سمٹے سمٹائے دامن چرائے مودب بیٹھے تھے کہ مغبچے نے چوٹ کی۔

پارسا بنکے ریاض آئی ہیں میخانے میں — آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئی دامن کیسا

اک رُخ یہ بھی ملاحظہ ہو۔

مقصود ہے کوئی نہ پئے وہ حریص ہوں — واعظ ہوا ہیں رندِ قدح خوار کیا ہوا

کوئی زاہد خشک آجائے اور اہلِ نسبت کی محفل میں بیٹھے تو اہل نسبت کو بھی عجب مزا آتا ہے کہ ذرا اس خشک لکڑی میں آگ لگا دی جائے۔ اگر کسی نے ایک چنگاری چھوڑ دی تو سب اس ہیزمِ خشک کے انداز دیکھ کے خاص مزے لیتے ہیں۔ ریاض فرماتے ہیں۔

ہمیں پینے پلانے کا مزہ ابتک نہیں آتا — کہ بزمِ مے میں کوئی پارسا ابتک نہیں آتا

آفتاب حشر کب چمکا ریاض — داغ مے دامن سے جب میں دھو چکا

یہ مے توحید کی جھلک ہے جو پتھر پہ سر رگڑنے سے نہیں آتی۔

پی کر بھی جھلک نور کی منہ پر نہیں آتی — ہم رندوں میں جو صاحب ایمان نہیں ہوتا

اس نازک انداز کو کس نازک طرح پر بیان کیا ہے۔

اس کے آغاز جوانی کا کہوں کیا عالم — کچھ اُسے نشہ سا تھا نشے میں وہ چور نہ تھا

قوموں کے عروج کے وقت یہ شعر پڑھنے کا ہے یعنی بغداد و اندلس کا عروج سوچئے۔

بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں مجھکو — کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گل بداماں تھا

اہلِ نظر نے پہچانا۔

نماز عید ہوئی میکدے میں دھوم سی آج　　ریاض بادہ کشوں نے ہمیں امام کیا

بزرگوں کی فاتحہ جب کی جاتی ہے تو اس میں بعض صاحب عصمت لوگوں کے خیال سے کچھ حصے ڈھک دئے جاتے ہیں جو ان لوگوں کو دئے جاتے ہیں جو اہلِ حاجت تو ہوں مگر قریب بہ معصومیت ہوں۔

اچھوتے جام ہیں منت کے کچھ الگ رکھے　　کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا

ہندوستان کا حساب لگا لگا کے گھریلو دولت نذر یورپ ہوگئی۔ جو رگوں میں خون باقی ہے وہ تپِ دق کے کیڑوں کی طرح کچھ تجارتی نقطے جسم پر جگہ جگہ بجلی کے تاروں جیسے جھٹکے دے رہے ہیں۔ کانگریس ہندو راج چلا رہی ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

ریاض توبہ کرو دن خزاں کے آئے ہیں　　تم آئے پینے کو جاتی ہوئی بہار میں کیا

معرفت کا راز پہاڑ کی چوٹی پر۔

بیٹھکر چوری سے پینا پسِ خم　　راز ہے گوشۂ تنہائی کا

شعر نہیں ہے معشوق ہے۔

خم قد ہے خم مینا سوئے جام　　موج مے ہاتھ ہے انگڑائی کا

مست مینا ہوں پیا ہے میں نے　　جام امیر احمدِ مینائی کا

چن چن کے آج شیخ نے انگور کھالئے　　اب کیا کھینچیگی تاک کا حاصل نکل گیا

ہاتھ سے بوجھ گناہوں کا اٹھے گا کیونکر　　رعشہ ایسا ہے کہ ساغر بھی نہ ہم سے اُٹھا

توڑے ٹکرا کے سبو ہم نے بھی اوسکے سر سے　　چپ ہی واعظ کہ یہی حاصل تقریر بھی تھا

مالک کی جس طرح عدل ایک صفت ہے اوسی طرح عفو بھی ایک صفت ہے اب بتائیے کہ عدل کے ہوتے عفو کیونکر جاری ہو۔ عدل کا تو یہ حال ہے کہ سیدھی سیدھی بات ہے۔ جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ عفو میں بڑا مزہ ہے کہ ادبدا کے آپ کے خلاف کروں تاکہ آپ معاف کیجئے شفاعت میں جو مزہ ہے وہ معصومیت میں نہیں ہے معصومیت فرشتوں کے واسطے ہے۔ بے کئے بخشے ہوئے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ زمین سے اُٹھا لئے گئے جس وقت وہ نبی تھے نبوت کی صفتوں میں یہ بات بھی تھی کہ وہ معصوم تھے یعنی ان میں گناہ کی صلاحیت نہ تھی۔ ابکے جو آسمان سے تشریف لائینگے تو نبی ہوکر نہ آئینگے بلکہ نبیٔ آخرالزماں کے اُمتی بنکر آئینگے۔ اب اُنمیں گناہ کی صلاحیت ہوگئی تاکہ شفاعت محیط ٹھہرے۔ دنیا میں انسانوں کا آنا مختلف مصالح کے سلسلے میں ہے عفو کے ظاہر کرنے کی بھی ایک مصلحت ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

دِل لاکھ پاک صاف ہی دامن کو کیا کروں　　جا جا کے میکدے میں یہ دھبا لگا لیا

جاتے ہی میکدہ مجھے اجمیر ہوگیا　　اتنی مِلی کہ پینے سے جی سیر ہوگیا

جاتے تھے سوئے میکدہ نکلے حرم میں ہم	کیا جانے آج راہ میں کیا پھیر ہو گیا

اچھا شعر ملاحظہ فرمائیے یعنی شعر سے پہلے میری بکواس سن لیجیے شاعر کو تشبیہہ کا حق ہے۔ کیا مجھے نہیں ہے۔ کسی بزرگ کی خانقاہ میں گئے ان کا سامنا ہوا صورت شکل فرشتے کی کرم کی نظر جو مجھ پر پڑی میرا دل محبت الٰہی کی لذت سے لبریز ہو گیا۔ ان کی آنکھ کو میں خم، سبو۔ صراحی۔ میکدہ یعنی سب کچھ سمجھا، نظر کو شراب و مینا سمجھا، ابرو کی کجی کو طاق ابرو کہا۔ اس محراب میں بیٹھکر مئے توحید پی۔ ریاض کا شعر رٹتا ہوا چلا آیا۔ یہ بات ناپسند ہو تو شعر یاد رکھیئے گا۔ میری بکواس بھول جائیے گا۔

خانقہ میں جو کبھی طاق سے مینا اترا	ہم یہ سمجھے کوئی رحمت کا فرشتا اترا

عجب رخ ہے۔

سنتے چھوٹے جو سرِ راہ عماما اترا	سر سے ان بادہ فروشوں کا تقاضا اترا

ملاحظہ ہو شراب نوشی کا ایک رخ یہ بھی ہے مگر شاعر سکھاتا ہے کہ میری شراب کو ہمیشہ بھٹی والی نہ سمجھا کیجئے ذرا وسیع النظری سے کام لیا کیجئے تو آپ کو شراب کے پردے میں دنیا نظر آنے لگے۔ چنانچہ یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

بری کیا تھی فاقہ مستی بڑی لطف سے گذرتی	لئے کچھ مے کی تلخی غمِ روزگار ہوتا

شاعر گناہوں سے ندامت سکھاتا ہے۔

میری حلق سے اتر کر مے صاف اشک بنتی	ابھی میں گناہ کرتا ابھی اشکبار ہوتا

اس تعلیم کو ملاحظہ کیجیے کہ جن کو پارسائی کا دعویٰ ہے۔ ان کو ادب کی

تعلیم دیتا ہے شعر ملاحظہ ہو۔

تری آگے سر اُٹھاتا کوئی پارسا نہ ساقی　　جو ریاض پارسا ہی کہیں بادہ خوار ہوتا

لگے ہاتھوں یہ شعر بھی سُن لیجئے۔

تری رحمتوں کے بادل خُمِ دوش جھک کے بنتے　　لئے حشر میں خُمِ مے یہ سیاہ کار ہوتا

مولا علی کرم اللہ وجہہ سے لیکر اس وقت تک جتنے حقیقی اولیا گذرے ہیں اُن کے حلقۂ درس سے معرفت توحید کا تصور فرمائیے اور یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ہے میکدے کا خاص مقامات میں شمار　　جو مغبچہ مِلا مجھے پیرِ مغاں ملا

تہجد کی نماز پڑھنے والوں کے لئے کعبے اور مدینے میں جو اذان دی جاتی ہے اُس کا نام تحریم ہے گویا یادِ خدا کرنے کے بہتر وقت سے اعلانات شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ صبح صادق جوں ہی شروع ہوتی ہے اذان صبح ہوتی ہے۔ گویا ظاہری شریعت پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ساتھ روحانی مراتب حاصل کرنے والے بھی اپنے کاروبار میں مصروف ہوجاتے ہیں ان روحانی کاروبار والوں کا نام ریاض نے اس شعر میں قلقل مینا سے تعبیر کیا ہے۔ اب شعر ملاحظہ ہو۔

آئی آوازِ اذانِ صبح اُٹھو بھی ریاض　　میکدے میں بھی تو شور قلقلِ مینا ہوا

پورب کے ایک شاعر مولانا آسی علیہ الرحمہ گذرے ہیں اُن کا ایک شعر سُناتا ہوں تاکہ ریاض کا شعر اپنی رنگینی زیادہ نمایاں کردے۔ از حضرت آسی رح

جنہیں چرچا نہ کچھ تمہارا ہو　　ایسے احباب ایسی صحبت کیا

ریاض :-

ہم رند سمجھتے ہیں اُسے انجمنِ وعظ　　جس بزم میں ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا

میخانے کی عظمت ملاحظہ کیجئے۔ ایک میخانۂ وحدت جہاں سرشارانِ محبتِ الٰہی ہوتے ہیں۔ ایک دنیا کا شراب خانہ جہاں گناہ کرنیوالا شرابی یقیناً ندامت سے پُر شراب پیتا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے معافی مانگتا جاتا ہے۔ دوسری طرف ظاہر پرستان دنیا نماز کی ڈیوٹی مسجد میں ادا کرنے کے بعد ایسے اکڑتے ہوئے نکلتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ پر کوئی احسان کرکے جارہے ہیں۔ شعر ملاحظہ ہو۔

میخانے میں کیوں یادِ خدا تعالیٰ ہوتی ہے اکثر　　مسجد میں تو ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا

انگریزی حکومت کے سائے میں کانگریسی وضع بنائے اور یہ شعر پڑھے۔

وضع رندانہ رہے ریش رہے صاف ریاض　　خوف کی چیز ہے اس وقت مسلماں ہونا

میں کہتا ہوں کہ قفقاز کی پری بتیس ابرن سولہ سنگھار کئے ہوئے پورے شباب میں سامنے کیا آئی کہ ریاض کا یہ شعر سامنے آیا۔

آیے ہمارے آگے وہ ساغر شراب کا　　ساقی نے جس میں رنگ بھرا ہو شباب کا

یہ شعر بے مزہ ہوگا اگر دوسرا نہ سنئے گا۔

بدمست دل ہے آنکھ ہے ساغر شراب کا　　ساقی کا میکدہ ہے زمانہ شباب کا

عورت کا پورا شباب اور شباب کے آثار کی نمود کے تصور کے ساتھ اگر یہ شعر آپ نے نہ سُنا تو میں کا غذ پٹک دونگا۔

پیری میں سر بمہر رہے یوں ہی اے ریاض　　ہے بوتلوں میں بند زمانہ شباب کا

کچھ ایسے شعر سنئے جس پر میرے نوٹ اگر بے تکے ہو جائیں تو آپ خفا

نہ ہو جئے۔ ان شعروں نے مجھے ایسا خود رفتہ کر دیا ہے کہ پوری بات شاید نہ کہہ سکوں۔ میں اس غزل کو اپنی کم فہمی کی بناء پر نعت میں لیجا رہا ہوں آپ اس سمجھنے کے پابند نہیں مگر جو میں سمجھتا ہوں مجھے سمجھنے دیجئے۔ جس وقت کعبہ میں بت پرستی ہو رہی تھی اور پیغمبر آخر الزماں صلعم جامِ توحید پلا رہے تھے اور کعبے میں علانیہ اذاں ہو سکتی تھی نہ توحید والے علے الا علان عبادت کر سکتے تھے۔ اس وقت کا یہ شعر ہے ملاحظہ ہو۔

کوئی مست میکدہ آ گیا مئے بیخودی وہ پلا گیا　　نہ صدائے نغمۂ دیر اُٹھی نہ حرم سی شورِ اذاں اُٹھا

جس وقت مجلس رسول صلعم کی طرف عرب غول در غول ایمان لانے کے لئے چل پڑے تھے اور جو صحابہؓ راہ میں ملتے تھے وہ مجلس رسول صلعم کی طرف جانے کا راستہ بتا کے کنارے ہو جاتے تھے شعر ملاحظہ ہو۔

گئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ کوئی ملا نہ لئے قدم
نہ تو خُم بڑھا نہ سبُو جھکا جو اُٹھا تو پیرِ مغاں اُٹھا

کعبے اور مدینے کا فرق ملاحظہ ہو۔

تجھے مَے فروش خبر بھی ہے کہ مقام کون ہے کیا ہے شے　　یہ رہِ حرم میں دکانِ مَے تو یہاں سی اپنی دکان اُٹھا

یہ شعر بغیر لکھے آگے نہیں بڑھوں گا۔ جناب ریاضؔ کا چلبلاپن داد چاہتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہے زاہدِ مرتاض ریاضؔ　　رند کہتے ہیں اُسے چور ہے میخانے کا

ریاضؔ بہشت میں یہ شعر پڑھکر ٹہلتے ہونگے۔

جوانی اے ریاضؔ اب لوٹتا ہے دخترِ رز کی　　بڑھاپا کہہ رہا ہے تو نئے سر سے جواں ہو گا

چند شعر اور جلدی جلدی سُن لیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ میری نوٹ بازی سے خفا ہو جائیں اور یہ کہیں کہ ریاض کے شعر تو سُناتا نہیں اپنی لفاظی کی داد چاہتا ہے۔

دنیا سے الگ ہم نے میخانے کا در دیکھا ۔۔۔ میخانے کا در دیکھا اللہ کا گھر دیکھا
دونوں کے مزے لوٹے دونوں کا اثر دیکھا ۔۔۔ اللہ کا گھر دیکھا میخانے کا در دیکھا
کعبے میں نظر آئے جو صبح اذاں دیتے ۔۔۔ میخانے میں راتوں کو اُنکا بھی گذر دیکھا
کچھ کام نہیں مجھ سے گو عشق ہے اس شے سے ۔۔۔ ہیں رند ریاض ایسے دامن بھی نہ تر دیکھا

اس وقت میں ریاض کے خمریات کے دو سو شعروں کا انتخاب لکھ سکا گیارہ سو چھیاسٹھ شعر ابھی باقی ہیں اگر ان کا بھی انتخاب لکھوں اور اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر کہیں کہیں کچھ نوٹ بھی اضافہ کروں تو دو ہفتوں سے کم صرف نہیں ہونگے اور جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے حال مقیم دار الترجمہ حیدر آباد کا تقاضا ہے کہ دیوان چھپ چکا ہے۔ دیباچہ جلد سے جلد بھیجو۔ اب میں باقی گیارہ سو چھیاسٹھ ۱۱۶۶ شراب کے شعروں کا انتخاب اپنے نوٹ کے ساتھ گورکھپور کے ادبی پرچہ شاہکار میں جس کے ایڈیٹر اور مالک جناب حکیم عارف صاحب ہیں دیتا رہونگا جن صاحبوں کے پاس ریاض کا دیوان اس دیباچہ کے ساتھ موجود ہوگا وہ اگر اس سلسلہ کو مکمل کرنا چاہینگے تو اگر دیباچہ میں نہیں تو دیوان کے آخر میں اس کا اضافہ کر لینگے۔ اب میں دو شعر لکھ کر اس دیباچہ کو ختم کرتا ہوں۔

پہلا شعر

میں نے کسی تذکرہ میں یہ پڑھا تھا کہ غالب مرحوم کے پاس کچھ لوگ اُن کا کلام سُننے کے شوق میں حاضر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ غالب مرحوم کے پاس اُن کا کلام سُننے آئے ہونگے انہوں نے اپنے آپ کو غالب کے کلام کے سمجھنے کا اہل سمجھا ہوگا۔ چنانچہ غالب مرحوم سے اُنہوں نے یہ عرض کیا کہ آپ کے منہ سے آپ کا کلام سُن لینگے تو عمر بھر فخر کرینگے اس لئے کچھ سنائیے۔ غالب مرحوم نے ایک غزل پڑھی اور جب مقطع پر پہونچے تو سامعین سے کہا کہ سمجھے؟ سامعین نے سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو سب نے ایک زباں ہو کر کہا کہ نہیں سمجھے۔ غالب مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک نہیں سمجھے ہونگے! اتنا واقعہ میں نے کسی تذکرہ میں پڑھا تھا غالب مرحوم نے اُس مقطع کا کیا مطلب سمجھا اس میں درج نہ تھا۔ مگر مقطع درج تھا چنانچہ میں بھی اُسے لکھے دیتا ہوں۔ میں نے بھی کوشش کی ہے کہ اس مقطع کو سمجھوں اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوا ہوں مگر اس کے بیان کا یہ محل نہیں ہے۔ اس وجہ سے اُسے چھوڑتا ہوں وہ مقطع یہ ہے۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے　　کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

اب واقعہ سنئے کہ ریاض مرحوم گورکھپور میں تشریف فرما ہیں ایک روز اُن سے میں نے فرمائش کی کہ اپنا کوئی شعر سنائیے انہوں نے ایک

شعر سنایا میں نے اُن سے کہا کہ آپ سمجھے۔ اُنہوں نے کہا نہیں سمجھے میں نے کہا بیشک نہیں سمجھے ہونگے۔ انہوں نے کہا سمجھائیے۔ میں نے کہا سنئے۔ آپ کو شراب کا مضمون باندھنے کی مشق میں الفاظ مناسب ملے، نگینے کی طرح صحیح جگہوں پر جڑ دیئے۔ شعر ہو گیا۔ آپ سمجھے نہیں کہ آپ نے کیا کہا۔ سُنئے زمین کی شراب بناتے بناتے آپ کوثر کی شراب دنیا میں بنانے لگے۔ کوثر والی یہاں بنے کیسے۔ جب تک نسخہ نہ ملے۔ نسخہ ملے تو کہاں سے۔ پرانی بیاضوں میں حکماء علماء تجربہ کے نسخے لکھ دیا کرتے تھے۔ تلاش ہوئی کہ کوثر والے کی بیاض ملے تو نسخہ تلاش کیا جائے۔ کوثر والا کون جو دعویٰ کرتا ہے و سقٰھم ربھم شراباً طھوراً، ان کے رب نے ان کو شراب طہور پلائی۔ معلوم ہوا کہ رب کی بیاض چاہیئے۔ رب کی بیاض قرآن۔ قرآن جو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ قرآن والے نے حوض کوثر کا مالک و مختار پیغمبر آخرالزمان صلعم کو قرار دیا۔ اور انا اعطینٰک الکوثر کہکر واضح کر دیا۔ معلوم ہوا مالک کوثر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی بیاض کی تلاش ہوئی معلوم ہوا کہ ان کی بیاض کا نام ان کی حدیثیں ہیں۔ شراب کوثر کے نسخے کی دو کتابیں ملیں، قرآن اور حدیث ان دونوں کی شرحیں جو علماء نے کیں ہیں ان میں یہ بات واضح کی ہے کہ قیامت کے دن شراب کوثر تقسیم کرنے والی جماعت کے سرگروہ مولا علی کرم اللہ وجہہ ہونگے۔ سوچا کہ ان کو بھی شراب کوثر کا نسخہ معلوم ہو گا۔ ان کی بھی بیاض تلاش کرنا چاہیئے

ان کی بیاض کتابِ معرفت۔ ان تینوں بیاضوں میں سے اسی دنیا میں نسخۂ شرابِ کوثر ملا۔ شبلی وجنید رضی اللہ تعالیٰ عنہما، خواجہ اجمیری اور سلطان الاولیاؒ اور دنیا کے جملہ اولیا نے پلانا شروع کیا شعرِ ریاض کی شاعری تک نہیں رہا واقعی اور وقوعی ہو گیا۔ اب شعر ملاحظہ فرمائیے۔

نسخہ بیاض ساقیٔ کوثر سے ملگیا　　گھر بیٹھے اب تو بادۂ کوثر بنائینگے

دوسرا شعر

اس شعر کا قصہ یوں ہے کہ منشی سید ریاض احمد صاحب ریاض نے ایک شعر مصحفی کے اُس شعر کے جواب میں کہا۔ مصحفی کا شعر۔

دعویٰ کیا تھا گل نے کل اُس سے رنگ و بو کا　　ماری صبا نے دھولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا

اس کے مقابلہ میں ریاض نے جو شعر کہا اس میں منہ میں تھوکا نظم کیا۔ ظاہر ہے کہ منہ پر تھوکنا آسانی سے ہو سکتا ہے یا محاورے کے تحت میں آتا ہے۔ منہ میں تھوکنا اہتمام چاہتا ہے کہ منہ کھولا جائے تو کس عنوان سے کھولا جائے اور منہ میں تھوکنا اگر محاورہ نہیں ہے تو محاورے سے چنداں الگ بھی نہیں اور اگر منہ کھولنے کا عنوان بہترین ثابت ہو سکے تو مصحفی کے محاورہ باندھنے کی خوبی کے سوا یہ شعر منہ میں تھوکنے والا اُس سے بلند ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ ریاض کا شعر اس سے بلند ہوا۔ نواب حامد علی خاں والیٔ رامپور کے کان تک شدہ شدہ یہ بات پہونچی کہ ریاض نے مصحفی سے بڑھ کر مطلع کہا ہے۔ مگر خود سُنانے کی شرط ایک ہزار روپیہ ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ نواب صاحب مرحوم نے اُن کا یہ مطلع انہیں سے سُنا۔

ہزار روپئے اُن کو دئے یا نہیں اس کا علم مجھکو نہیں۔ اس موقع پر ریاض والا مطلع سُن لیجئے۔

منہ زیر تاک کھولا واعظ بہت ہی چوکا — بیلوں نے ڈاڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

مجھے یہ ہوس خام ہوئی کہ ریاض مرحوم کے کلام کا میں بڑا شائق ہوں کاش مجھے کوئی ایسا ہی موقع نصیب ہوتا۔ میرے دل کو یہ بات لگی ہوئی تھی، اب واقعہ سنئے۔ مجھ سے اور ریاض صاحب سے یہ معاہدہ تھا کہ جب وہ مجھے کوئی خط لکھینگے تو اس کے ابتدا میں اور آخر میں ایک ایک نیا شعر لکھا کرینگے چنانچہ ایک روز ڈاک سے اُن کا خط مجھے ملا۔ شروع ہی میں اُن کا شعر نظر کے سامنے آیا۔ اُن کا خط میں نے نہیں پڑھا۔ شعر کا مضمون اُن سے کہنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔ اُسی وقت تار گھر گیا وہ اُس وقت خیر آباد میں تھے اُن کو تار دیا اور بیتابی سے دوسرے روز تک آنے کا انتظار کرتا رہا دوسرے روز صبح کو میں خود اسٹیشن لینے گیا اور اُن کو اپنی گاڑی پر سوار کیا اور شعر کی لذّت لیتے ہوئے گھر چلا ۸ بجے صبح کو گورکھپور میں خیر آباد کی گاڑی پہونچتی ہے۔ اُس وقت سے دوسرے دن ۸ بجے صبح تک مسلسل اس شعر کا تذکرہ رہا۔ میں اب ناظرین کو یہ بتانے سے معذور ہوں کہ میں نے اس شعر کے معنی اپنے خیال کے مطابق چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں کتنے بیان کئے اور سید ریاض احمد ریاض سے اسی شعر فہمی کے سلسلہ میں میں نے اپنی دیرینہ دل کی لگی کا اظہار کیا کہ میں بھی ایسے ہی موقع کا متلاشی تھا جیسا کہ نواب رام پور کو ملا تھا میری ناقص سمجھ میں آپ کا یہ شعر اسی قدردانی کا مستحق ہے۔

چنانچہ میرے اصرار پر ریاض صاحب نے میری خواہش پوری کی۔ اب وہ شعر آپ کو سُناتا ہوں، میں نے اس شعر کو اپنے خیال میں نعت کا شعر سمجھا اور اُسی لحاظ سے میں اس کی وضاحت کرونگا۔ ناظرین کو اختیار ہے کہ وہ کسی اور پہلو سے اس شعر کو ملاحظہ فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ میرا اس شعر کو نعت میں سمجھنا اس شعر کے معنی کی وسعت پر کوئی مہر ثبت کرنا نہیں ہے۔ اپنا اپنا مذاق ہے شعر ملاحظہ ہو۔

گُل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے　　　شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

باغ میں پھول کھلے ہیں آپ جس کو نیچر کہتے ہیں میں اُس کو خدا کہتا ہوں۔ خُدا جس نے پھول کھلائے ہیں وہ یقیناً پھول سے نازک تر ہے۔ پھول چاہتا ہے کہ جس خُدا نے مجھے کھلایا ہے اور یہ رنگ وروپ دیا ہے میں اُس کے شکرئے میں ایسا نازک اور لطیف ہو جاؤں کہ خُدا میں جذب ہو سکوں چنانچہ گل زمین سے درخت کے ذریعہ سے اُبھرا اُبھرتے اُبھرتے پتیاں اور شاخ بنا اور شاخ کے نازک تر حصے میں اپنے آپ کو لطیف تر کرتا ہوا نمایاں کیا تو گویا اُس نے اپنے پیدا کرنے والے کا رنگ وروپ اختیار کرنا چاہا پیدا کرنے والا گُل کی نظر میں گُل کا معشوق تھا اور گُل عاشق۔ عاشق نے اپنے آپ کو معشوق بنانا چاہا تا کہ معشوق سے قریب تر ہو سکے تو عاشق اپنے جذبے کے لحاظ سے تو عاشق ہے کہ پتی پتی اس کی الگ الگ اور چاک داماں ہے۔ جو عاشق کی خصوصیات میں سے ہے۔ مگر رنگ وبو سے معشوقیت پیدا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گُل ایک رُخ سے عاشق ہے اور دوسرے

دوسرے رُخ سے معشوق ہے اور ایسا معشوق ہے کہ دنیا کے حسین وجمیل جو پرتو الٰہی کے مظاہر ہیں ان کے دامنوں اور سروں تک پہونچنا کیا گلے کا ہار ہو جاتا ہے۔ اپنی چاکدامانی کی وجہ سے خشک ہو کر خاک میں ملجانے کے لحاظ سے پورا پورا عاشق ہے۔ رنگ وبو اور نزاکت کی وجہ سے دنیاوی معشوقوں کا معشوق بنگیا۔ باغ کے درختوں کے تمام پھول جو مختلف رنگ وشکل کے ہیں یہ پورا مرقع اللہ تعالیٰ کے عشاق کا مُرقع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاشق کا مرتبہ یہ ہے کہ ساری دنیا کا معشوق ہو جائے چنانچہ ہو گیا۔ پورے کا پورا تختہ گُل عشاق الٰہی کا مرقع ہے اور خود دنیا کے حسین ترین انسانوں کے معشوقوں کا مرقع ہے۔ شعر ایک دفعہ پھر سنئے۔

گُل مُرقع ہیں تری چاک گریبانوں کے   شکل معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

پھر سنئے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق خدا کے جتنے عشاق ہونگے وہ عشق کے کسی مرتبے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتے جب تک اس وقت کے پیغمبرؑ کے شیدائی اور کلمہ گو نہ ہوں چنانچہ اس وقت جس پیغمبرؑ کا دور دورہ ہے اور قیامت تک رہیگا وہ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ کسی باغ کے ایسے تختے میں چلئے جس میں سو دو سو چار سو طرح کے پھول ہوں اُن میں سے کسی پھول کو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خراب ہے کوئی نہ کوئی ادا ہر پھول میں موجود ملیگی اس کو اسلام کے جملہ اولیا سے مناسبت دیجئے۔ ایسا صوفی اور ولی جو انتہائی نازک مزاج ہو وہاں سے چلئے یعنی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہٗ سے چلئے اور اُس ولی تک

پہونچیے کہ جس کو ہم مجذوب کہتے ہیں جو ننگے رہتے ہیں نالیوں میں پڑے
رہتے ہیں مختلف غلیظ حرکتیں کرتے ہیں مگر یہ سمجھکر کہ ان کی زبان سے
جو لفظ ہماری بھلائی کے لئے نکل جائیگا وہ درجہ قبولیت تک پہونچے بغیر
نہ رہے گا۔ اہل غرض ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرتے ہیں جس طرح عشاق اپنے
معشوق کی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ ہاتھ چومتے ہیں، قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں
دست بستہ ان کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر
حرکت کرتے ہیں چنانچہ وہ سب کچھ کرتے ہیں جو ایک دنیا کا عاشق اپنے
دنیاوی معشوق کے ساتھ برتتا ہے اس اعتبار سے وہ معشوق بنے۔ اس
اعتبار سے کہ وہ خود محبت رسول اور اس کے ذریعہ سے محبت الٰہی میں غرق
ہیں عاشق ہیں چنانچہ اب میں آپ کے سامنے ایک سماں کھینچتا ہوں اور
اس شعر کے متعلق اتنا ہی اس وقت کہونگا بعد کو اس کی بابت اور جو کچھ لکھونگا وہ
شاہکار میں ملاحظہ کیجیئے گا۔ سماں یہ ہے کہ ایک تختۂ گل ہے اور اُس تختہ کے
بیچوں بیچ میں قبر نما ایک کیاری بنا دیگئی ہے اور اس میں تمام پھولوں میں سے
ایک ایک وہ پھول نصب کر دئے گئے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس قبر نما
کیاری میں تمام پھولوں کا عطر مجموعہ ہے۔ یہ تو قبر رسول ہوئی پورے تختہ میں
جتنے پھول اور جس جس طرح کے پھول ہیں ان میں سے ہر پھول کو ایک ایک
ولی تصور کیجیئے اُس ولی میں پوری عاشقانہ خصوصیتیں ہیں وہ تمام جذبات
اس میں مکمل طور پر موجود ہیں جو ایک والہ و عاشق میں ہونا چاہئے اور دوسرے
رُخ سے ہر ہر ولی پورا پورا معشوق ہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ قبر رسول کے

گروتمام عالم کے اولیا جمع ہیں۔ ہر طرح کے سالک اور مجذوب وغیرہ اور وغیرہ اور وغیرہ اب میں پھر یہ شعر پڑھتا ہوں اگر مطابق ہو تو داد دیجئے گا ورنہ دیباچہ تو ختم ہی ہے۔

گل مُرقع ہیں ترے چاک گریبانوں کے — شکلِ معشوق کی انداز ہیں دیوانوں کے

آخر میں اتنا اور عرض کرونگا کہ ناظرین میری فروگذاشتوں کو اور بدمذاقی کو قطعاً معاف کرینگے۔ اور خدا سے اس معافی کا ثواب لینگے۔

یکم جون ۱۹۳۶ء

اعترافات

از
جناب نیاز صاحب
(مدیر نگار، لکھنؤ)

یوں تو ہر وہ شخص جس کو شاعری سے کچھ بھی لگاؤ ہے نہ حضرت ریاض کے نام سے ناواقف ہو سکتا ہے اور نہ اُن کے رنگِ کلام سے بیخبر، لیکن خود ریاض کیا چیز تھے۔ اس کے جاننے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو اس "رندِ پاکباز" سے ملنے اور بار بار ملنے کا فخر حاصل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کا شاعر، جیسا کہ اس سے قبل میں بارہا ظاہر کر چکا ہوں، بہ حیثیت انسان ہونے کے ایک ایسی جنس فرومایہ ہے کہ مشکل ہی سے کسی کو اُس کے پیش کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر واقعی کوئی انسان اس گروہ میں نکل آیا تو پھر اُس کا جواب اِس "عالمِ آب و گل" کیا معنی "ملائکہ مقربین" اور "کروبیانِ مقدسین" کی جماعت میں بھی نہیں مل سکتا۔

اس حقیقت کی طرف اول اول میرا خیال اُس وقت منتقل ہوا جب غالباً ۱۹۲۵ء میں سب سے پہلے ریاض کی زیارت کا شرف بھوپال میں مجھے حاصل ہوا اور پھر اس حقیقت کے مدارج رفتہ رفتہ مجھ پر اُس وقت واضح ہوئے جب میں لکھنؤ آگیا اور زیادہ قرب کے ساتھ، بار بار، رات دن کے مختلف

حصول اور متنوع کیفیات رکھنے والی صحبتوں میں ریاض کے مطالعہ کی فرصت نصیب ہوئی۔

ریاض کیا چیز تھے؟ اگر میں تفصیل سے کام لوں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر ناکافی ہیں، لیکن اختصار و اجمال کے ساتھ اگر کوئی دریافت کرے تو میں اس کے جواب میں وہی کہہ سکتا ہوں جو یوسفؑ کی خصوصیات معلوم کرنے کے بعد بعض زبانوں سے بے اختیار نکل گیا تھا کہ:۔

ان ھذا الا ملک کریم

اور اس کے بعد بھی عرفی کا یہ مصرعہ پڑھونگا کہ:۔

مرغِ اوصافِ تو از اوجِ بیاں اند اختہ

کیونکہ یوسفؑ تو خیر، پیغمبر پیدا ہوئے، پیغمبر زندہ رہے اور پیغمبر مرے، اور ان کے لئے "ملک کریم" ہو جانا کوئی امتیاز نہ تھا، لیکن ریاض تو بقول شخصے اس "تیرہ خاکدان ہند" میں ایک گنہگار انسانی خاندان میں پیدا ہوئے جوانی کا معصیت کوش زمانہ اس فضا میں بسر کیا جہاں "حسن" کا مفہوم "استغنا" نہ تھا اور ضعیفی ان حالات کے تحت گزاری جب "ممنوعات و محرمات" کا سوال شرعاً و قانوناً دونوں طرح اٹھ جاتا ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ریاض اپنی زندگی کی کسی منزل میں، اپنی حیات کے کسی مشغلہ میں اور اپنی عمر کے کسی موسم میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس جادۂ انسانیت و اخلاق سے ہٹے ہوئے نظر آئے جو کبھی کبھی گنہگاروں کو تو مل جاتا ہے لیکن "زاہدان مرتاض" کے حصہ میں کبھی نہیں آتا اس لئے اگر ان کو ملک کریم کہنے کے بعد بھی عرفی کی طرح اعترافِ قصور

کیا جاوے تو غالباً نادرست نہ ہوگا۔ ریاض اُس عہد کی یادگار تھے جب اودھ اور مضافاتِ اودھ کے اکثر مقامات میں زندگی کا مفہوم باوجود انتزاعِ سلطنت کے بدستور خندہ و قہقہہ چلا آرہا تھا اور ہر صحبت اُس احساس حسن و شباب کا مکمل نمونہ ہوتی تھی، جسے شعر و موسیقی کا خلاّق کہنا چاہئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر اجتماع ہنگامہ نائے و نوش تھا اور ہر منظر بساط گلفروش۔ بیفکریاں تھیں اور عیش کوشیاں، عیش کوشیاں تھیں اور ان اسباب کے ساتھ جن کا ایک ادنیٰ منظر صاحب رسائل طغرا کی زبان میں "بھری بنا گوش مطرباً جلاجل نعل در آتش" کے تیور لئے ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایسے مدہوش اور مدہوش کن زمانہ میں جوانی آئے اور شخص بھی کون؟ ریاض ایسا غیر معمولی طبع رنگین رکھنے والا، وہ جس قدر داد معصیت دیتا کم تھا، لیکن اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہوگا کہ یہ ساری عمر خمریات کی شاعری میں مبتلا رہکر ذوق بادہ سے ناآشنا رہنے والا شاعر، یہ زندگی کی تمام شگفتہ سامانیوں کے ساتھ حسن و شباب کے ہجوم میں بہترین ایام حیات گزارتے ہوے جادۂ اخلاق سے کبھی ایک لمحہ کے لئے نہ ہٹنے والا شخص، جس طرح ایک انسان پیدا ہوا تھا، بدستور اسی طرح انسان رہا۔ اُس زمانہ میں بھی جبکہ گناہ سے پہلے "عذر گناہ" پیدا کرلیا جاتا ہے، سِن کے وقت کا کیا ذکر کہ اس وقت تو ریاض حقیقی معنوں میں رضوان تھے۔

ریاض کو میں نے اُس زمانہ میں دیکھا جب وہ ضعف و کہولت کے دور سے گزر رہے تھے، لیکن باوجود اس کے کہ زمانہ موافق نہ تھا، حالات نے سخت دلگیر بنا رکھا تھا، ہجوم افکار نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، لیکن ریاض باوجود سراپا غم و الم ہونیکے دوسروں کے لئے

یکسر بہار و شگفتگی تھے۔ آپ خواہ کتنے ہی مغموم و ملول کیوں نہ ہوں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ ریاض آپ کو مل جائیں اور تھوڑی دیر کے لئے آپ کسی اور عالم میں نہ پہونچ جائیں، اُن کی دلکش و دلنشیں گفتگو، اُن کا اندازِ بیان، اُن کی لطیف بذلہ سنجیاں اور پھر سب سے بڑھکر اُن کا خلوص۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان کسی ایسی فضا میں پہونچ گیا ہے جہاں فردوس کی ہوا ہے۔ کوثر و سلسبیل کی روانی ہے اور طوبےٰ کے طیور کا ترنم! بچوں کے لئے اُن کا وجود گہوارہ استراحت، جوانوں کے لئے اُن کی ہستی داستان حسن و عشق اور ضعیفوں کے لئے اُن کی ذات ایک برادرانہ آغوش تھی۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص ریاض سے ملے اور اپنے ذوق کو اُن کے پاس سے "نا آسودہ" واپس لائے۔

ریاض نے اس زمانہ میں ہوش سنبھالا جب لکھنوی شاعری شباب پر تھی اور داغ نے بھی دلی کے رنگِ سخن کو چمکا رکھا تھا، ہر صحبت، صحبتِ شعر و سخن تھی اور ہر بزم دائرۂ شمع ولگن۔ رام پور میں خلد آشیاں نواب کلب علی خاں کے دربار میں ملک کے تمام اکابر شعراء کا ہجوم تھا، ہر محفل لطائف ادبیہ اور نکاتِ شعریہ کا مرکز بنی ہوئی تھی اور ریاض بھی ان گلدستوں میں ایک گلِ نو دمیدہ کی حیثیت سے کہیں نہ کہیں ضرور پائے جاتے تھے، اس لئے ریاض کے شاعر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا لیکن اختلاف اس امر پر ہوسکتا ہے کہ ان کو کس رنگ کا شاعر قرار دیا جائے۔ اگر رنگ کی اس بڑی تفریق پر نظر ڈالی جائے جس کا تعلق دہلی و لکھنؤ سے ہے، تو یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ریاض لکھنوی شاعر تھے اور اُن کے کلام میں قدرتاً وہی رنگ ہونا چاہیئے جو اساتذۂ لکھنؤ کا تھا، لیکن

اگر اس کی تحتی تقسیمیں بھی ہوسکتی ہیں یعنی اگر لکھنؤ کی فضائے شاعری صرف ایک ہی لحن کی حکمران نہیں رہی تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاض کی نغمہ سنجیاں کن کیفیات سے متعلق سمجھی جائیں گی۔

ظاہر ہے کہ دہلی کی شاعری یکسر جذبات کی زبان و گفتگو ہے اور جذبات بھی وہی جن کا تعلق زیادہ تر یاس، حرمان، مہجوری و ناکامی سے ہے، اس لئے یوں تو جذبات کی وسعت کے لحاظ سے اس کو بھی بہت وسیع ہونا چاہئے لیکن اس سے رنگ میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا اور اس کا تنوع ثابت کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی راگنی کو مختلف سازوں کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ برخلاف لکھنؤ کے کہ وہاں کی شاعری کا تعلق جذبات سے کم اور معاملات سے زیادہ ہے اور معاملات کی دنیا چونکہ بے پایاں چیز ہے اس لئے لکھنؤ میں مختلف رنگ کے شعرا نظر آتے ہیں اور شوخی و بیباکی، محاکات و معاملہ بندی رندی و آزادی، جوش و سرمستی وغیرہ بہت سی وہ باتیں جن کا تعلق عشق کی مادّی دنیا سے ہے، یہاں کثرت سے نظر آتی ہیں، جنہوں نے مختلف اسلوب بیان کے تحت نہ صرف تشبیہات و استعارات کی فضا کو بہت زیادہ وسیع کر دیا، بلکہ زبان کو بہ حیثیت زبان ہونے کے بھی بہت ترقی دی جس کو "رعایت لفظی" کے روشن پہلو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لکھنؤ دہلی کی شاعری میں یہ فرق کیوں پیدا ہوا؟ اس کا کھلا ہوا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کی شاعری کا کمال سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ ہوا اور لکھنؤ کی شاعری نے آنکھ کھولی تو اودھ کی حکومت شباب پر تھی

پھر چونکہ انسان کا خیال جذبات کا آئینہ ہے اور جذبات پیدا ہوتے ہیں ماحول سے اس لئے دہلی کی شاعری میں سوز و گداز، حسرت و یاس کا پیدا ہونا ضروری تھا اور لکھنؤ کی شاعری میں بیان نشاط، وقت کا اقتضا۔

دہلی کا شاعر، ایک ایسا عاشق تھا جس نے سوائے مہجوری کے کچھ نہ دیکھا تھا، جس کو لذت کامیابی، بہت کم حاصل ہوئی تھی، جو غریب تھا، بیکس تھا، مجبور و ناچار تھا، اس لئے وہ سوائے اس کے کہ رات دن روتا، ہائے ہائے کرتا، اور کر ہی کیا سکتا تھا، برخلاف لکھنؤ کی شاعر کے کہ وہ ایک عاشق تھا وصل نصیب، نا آشنائے ہجوری اس لئے وہ شراب پیتا تھا، جوانی کے لطف اٹھاتا تھا اور چھیڑ چھاڑ اس کا رات دن کا مشغلہ تھا۔

پھر چونکہ غم کی صرف ایک زبان ہے، اس لئے دہلی کی شاعری نے عمیق جذبات اور روحانیت کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی ترقی کی ہو لیکن رہ اگئی وہی ایک تھی اور لکھنؤ کی شاعری نے انسانی زندگی کی کیسی ہی عام سطح کیوں نمایاں کی ہو لیکن چونکہ نشاط کی زبانیں کثیر ہیں اس لئے اس میں تنوع، رنگینی، لطف زبان، حسن بیان کا پیدا ہونا ضروری تھا۔

یہ صحیح ہے کہ ہر شخص فطرت کی طرف سے ایک خاص ذوق لیکر آتا ہے۔ اور اسی ذوق کے تحت وہ ترقی کرسکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سوائے اس مخصوص میلان کے وہ اپنے دیگر داعیات نفس سے کام نہیں لے سکتا، بعض اوقات ایسی ہمہ گیر ہستیاں بھی رونما ہو جاتی ہیں جن کے لئے ہر چیز مخصوص ہوتی ہے اور وہ ہر چیز پر حکمراں نظر آتی ہیں لیکن بہت کم۔ اور یہی

سبب ہے کہ لکھنؤ کے شعراء میں ایسے بہت کم نفوس آپ کو ملیں گے جنہوں نے
محفل نشاط کے بھی تمام مناظر کو اپنی حدود شاعری کے اندر لے لیا ہو چہ جائیکہ بزم عزا
اور اسی لئے جب ہم ایک لکھنوی شاعر کے کلام کو دیکھتے ہیں تو خصوصیت کے ساتھ
ہم کو یہ محسوس کرنا پڑتا ہے کہ اس کا فطری ذوق یہ ہے اور فلاں فلاں جذبات
اس کے ذوق سے خارج ہیں۔ جن کو اس نے صرف اکتساباً اپنے ذہن کی
مدد سے حاصل کرنے میں ایک ناقص کامیابی حاصل کی ہے۔ اس لئے ضروری
ہے کہ جب ہم کسی شاعر کے متعلق تنقید کریں تو پہلے یہ فیصلہ کریں کہ اس کا صحیح
رنگ کیا ہے اور فطرت کی طرف سے وہ کن جذبات کی پرورش کے لیے آیا ہے
انتقاد کی ایک عام غلطی جس میں تقریباً ہر شخص مبتلا نظر آتا ہے یہ ہے کہ
نقاد سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ لکھنے والے نے اس کے ذوق کی رعایت
کس حد تک کی ہے اور اس کے نقطۂ خیال سے کون کونسا حصہ ایک تصنیف کا
مکمل کہا جاسکتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک قطعی حکم لگا دیتا ہے کہ فلاں جزو ایک
کتاب کا اچھا اور فلاں خراب ہے۔ میرے نزدیک یہ اصولی غلطی ہے۔ اگر
ایک شخص کا دماغ زندگی کے مختلف شعبوں کارگاہ حیات کے کثیر الانواع
مناظر، جذبات انسانی کے مختلف کوائف، تکمیل فن کی متعدد اشکال اور
فطرت کے بوقلموں مظاہر سے علیحدہ علیحدہ لطف اندوز ہونے کی اہلیت نہیں
رکھتا تو اس کو انتقادی ذمہ داریاں اپنے سر نہ لینا چاہیے کیونکہ اس کے لئے
ایسے دماغ کی ضرورت ہے جو ہمہ گیر ہو اور ہر چیز کی جداگانہ حیثیت و امتیاز کو
سمجھ کر اس کے نقائص و محاسن کا درک کر سکے لیکن چونکہ یہ صفت شاذ و نادر

کسی میں پائی جاتی ہے، اس لئے حقیقی معنی میں نقاد کا وجود بھی بہت کم نظر آتا ہے اور عام طور پر انتقادی مقالے تنقیصی جرح سے زیادہ کوئی اور حیثیت اختیار نہیں کر سکتے۔

فرض کیجئے کہ ایک نقاد فطرت کی طرف سے یہ ذوق لیکر آیا ہے کہ جذبات سوز و گداز کو پسند کرتا ہے اور یہ پسندیدگی اس قدر غلو کی حد تک پہونچ گئی ہے کہ کوئی اور جذبہ اس کو پسند نہیں آتا تو اس کو یقیناً نقد کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ نقد وہی شخص کر سکتا ہے جو اگر ایک طرف میر کے اس شعر پر سر دھن سکتا ہے:۔

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جانا سمیت
تیر تو نکلا مرے سینہ سے لیکن جان سمیت

تو دوسری طرف داغ کا یہ شعر بھی اسے بیچین بنا دیتا ہو:۔

یہ سیر ہے کہ دوپٹہ اڑا رہی ہے ہوا
چھپاتے ہیں جو وہ سینہ کمر نہیں چھپتی

الغرض نقاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی طبیعت اپنی اپنی جگہ ہر رنگ کا لطف اٹھا سکتی ہو اور وہ ہر کتاب کا مطالعہ صرف اس کے موضوع اور مصنف کے میلانِ طبع کے لحاظ سے کر سکتا ہو۔ شاعری حقیقتاً ایک نوع کی مصوری ہے، پھر جس طرح مصوروں میں بعض صرف مناظر کی تصویر اچھی کھینچ سکتے ہیں۔ بعض صرف جاندار اشیاء کو صفحۂ کاغذ پر زیادہ خوبی کے ساتھ نمایاں کر سکتے ہیں، بعض کا قلم صرف جذبات ہی کے اظہار میں اچھا کام کرتا ہے۔ اسی طرح شعرا کا حال ہے کہ بعض صرف تشبیہات و استعارات کے دلدادہ ہیں بعض فقط

رعایت لفظی کے پابند ہیں، بعض کو معاملات حسن وعشق کی رنگینی پسند ہے اور بعض کو سوز وگداز۔ پھر جس طرح ہم ہر مصور کی تصویر کا صرف اس کی فطری ذوق کی بنا پر مطالعہ کرکے اُس کے نقائص ومحاسن کو دیکھتے ہیں، اسی طرح ایک شاعر کے کلام پر اُس کے مخصوص ذوق کے لحاظ سے نقد کرنا چاہیئے" ورنہ وہ صرف اپنے معیار کی رعایت ہوگی جو یقیناً فن نقد کے لحاظ سے سخت ناروا جسارت ہے۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ اس وقت تک ریاض کے کلام پر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یا آیندہ لکھا جائے، اس کو اِسی اصول سے دیکھنا چاہیئے جو میں نے ابھی عرض کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ریاض کا حقیقی رنگ کیا ہے، اس میں کلام نہیں کہ ریاض کی شاعری یکسر رندانہ ہے اور اس مخصوص رنگ کے لئے جس قدر شوخی کی ضرورت ہے وہ ان میں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے۔ پھر چونکہ رندانہ کلام کا لطف خمریات ہی میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے اس لئے ریاض اپنے خمریات کے لحاظ سے زیادہ مشہور ہوئے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شوخی کا جس حد تک تعلق ہے وہ خمریات وغیر خمریات ہر جگہ کامیاب نظر آتے ہیں اور حسن وعشق کی کامیاب زندگی اور مادیات محبت کی نشاط آفرینیوں میں مشکل سے کوئی دوسرا اُن کا ہم سر پیش کیا جاسکتا ہے۔

ریاض کے کلام میں کہیں کہیں ایسے شعر بھی نظر آتے ہیں۔

نکل گئے ہیں بہت دور جستجو سے ہم ... ہمیں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

کبھی حرف محبت تا بہ لب آیا تھا چپکے سے ... اُسی نے رفتہ رفتہ طول کھینچا داستاں ہوکر

نہ روکے طور تو ہم جائیں عرش سے اونچے　　ہماری راہ سے پتھر ذرا ہٹا دینا

ہوا ہے جو اس دل میں ہنگامہ آرا　　وہی بزم آرائے محشر نہ نکلے

ہم اُڑ کر بھی نہ پہنچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا　　مبارک شاخِ گل کو شاخِ نخلِ طور ہو جانا

کلیم آئے تو کھل کے جلوہ دکھایا　　ہم آئے تو پردے سے باہر نہ نکلے

لیکن یہ اُن کا مخصوص رنگ نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی کیفیات کے تغیر سے ایسے شعر بھی کہہ گئے ہیں اُن کا صحیح رنگ جس میں وہ اپنی جگہ بالکل تنہا نظر آتے ہیں، شوخی بیان ہے جس کو علاوہ خمریات کے میں نے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) وہ جس میں زیادہ تر اسلوب بیان سے شوخی پیدا کی گئی ہے اور ایک حد تک جذبات بھی وابستہ ہیں، لیکن وہی جذبات جو عریاں معاملات حسن و عشق سے متعلق نہیں ہیں، مثلاً

دبی زبان سے میرا بھی ذکر کہہ دینا　　کلیم طور پر اُن سے جو گفتگو آئے
اُترنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے　　تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آئے

تم اپنے بام سے فریاد کی اجازت دو　　یہاں سے تو نہیں سنتا ہی آسمان میری
تمہارے کوچہ میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں　　ذرا تم آکے لب بام مسکرا دینا

روشن کئے چراغِ لحد لالہ زار نے　　اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے

جو ساتھ دے تو یہ دینا سواہی جنت ہے　　مزے کی چیز الٰہی شباب ہوتا ہے
خراب ہی سہی رہ جائیں دن جوانی کے　　سُنا تو ہے یہ زمانہ خراب ہوتا ہے

اٹھا ہوں خوفزدہ میں لحد سے قبل از وقت　　کہ سب سے پہلے مری حشر میں پکار نہ ہو

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں　　اس دغا باز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

یہ وہ رنگ ہے جس پر کسی کو اعتراض ہو ہی نہیں سکتا اور جو لکھنؤ دہلی دونوں جگہ کے شعراء کے درمیان مشترک ہے۔

(۲) وہ جس میں شوخی کے خط و خال زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، اور کہیں کہیں محاکات بھی ہے مثلاً:۔

آتے آتے تری لب تک وہ تبسم بن جائے　　اس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو پیماں کوئی

چپ سے ہیں کچھ مری آغوش میں وہ حشر کے دن　　یہ وہی ہیں جنہیں پیمانِ وفا یاد نہیں

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی　　تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

چھیڑ کیسی بات کہتے روٹھ جاتے ہیں ریاض　　اک حسیں ہر وقت ہو ان کے منانے کے لئے

اُن کے آنچل میں ادا بنکر قیامت چھپ چلی　　وہ مری جانی ہوئی وہ میری پہچانی ہوئی

ریاض کا یہ رنگ بھی کسی کے نزدیک قابل اعتراض و گرفت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بعض بعض شعر تو اس قیامت کے نظر آتے ہیں کہ اگر وہ رنگ اختیار نہ کرتے تو اُردو شاعری پر ظلم کرنے والے کہلاتے۔

شباب کو شراب کہنا، اور صاحبِ شباب کو مینائے شراب سے تعبیر کرنا کوئی نئی بات نہیں لیکن ریاض نے جس انداز سے شباب کی تصویر کھینچی ہے کہ

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی

اسلوب ادا اور محاکات کی ایسی دلکش مثال ہے کہ ریاض کی قادرالکلامی پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے۔

(۳) وہ جس میں شوخی بالکل برافگندہ نقاب یکسر عریاں اور سراپا بے باکی بنکر رونما ہوتی ہے مثلاً:۔

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر　　شکن رہ جائیگی یونہیں جبیں پر

یہ آدھی رات کو اُن کا پیام آیا ہے　　ہم آج آ نہیں سکتے اب انتظار نہ ہو

آڑی ہیکل کو چوم لے گی　　وہ چیز جو کچھ اُٹھی اُٹھی ہے

یا پھر ان سب سے زیادہ قیامت یہ شعر :-

اس طرح کہ گھنگرو کوئی چھاگل کا نہ بولے　　جب چھم سے چلیں گود میں چپکی سی اٹھالے

یہ وہ قسم ہے جس پر ہر سنجیدگی پسند شخص کو اعتراض ہو سکتا ہے لیکن صرف اس قدر کہ ناواجب شوخی ہے، بتذل کہنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ اگر اپنے اوپر پہلے وہ حال طاری کر لیا جائے جس کے ماتحت ریاض نے یہ شعر کہے ہیں تو یہ اشعار نہ صرف بہت زیادہ پر لطف معلوم ہوں گے بلکہ اُن کی اس مقناطیسیت کی بھی داد دینا پڑے گی جو تھوڑی دیر کے لئے ضعیف سے ضعیف انسان کو بھی ایک بار جوان بنا دیتی ہے اور تمام جدید ترین کیمیائی ذرائع سے بھی زیادہ قوی و زود اثر ہے۔

جس طرح ریاض کے عام کلام کی شوخی تین درجوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے اسی طرح اُن کے خمریات کی بھی تین تقسیمیں ہو سکتی ہیں :-

ایک وہ جس میں انھوں نے بادہ کشی کے مضمون کو نہایت جوش و مستی کے ساتھ لیکن بلند خیالات کے ماتحت پیش کیا ہے مثلاً :-

یہ محشر ہے یہاں اب ہوش میں دیوانہ آتا ہے　　خداوندا مرے لب پر مرا افسانہ آتا ہے

بنائے کعبہ پڑتی ہی جہاں ہم خشتِ خم رکھدیں　　جہاں ساغر پٹکدیں چشمۂ زمزم نکلتا ہے

شررِ طور ہے جو موج ہے پیمانے میں　　بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

ایک ہی چلّو کے ہیں کوثر و تسنیم ریاضؔ
خاک اُڑتی جو لبِ خشک مرا تر ہوتا

ارے واعظ کہاں کا لامکاں عرشِ بریں کیسا
چڑھی ہوتی جو کچھ تو ہم خدا جانے کہاں ہوتے

یہ رنگ ریاضؔ کی خمریات کا تو بے مثل ہے۔ اور اس کی داد دینے میں شاید شیخ و زاہد کو بھی تامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن خمریات کی وہ دوسری تقسیم بھی جس کا تعلق حقیقتاً صحنِ میخانہ ہی سے نظر آتا ہے۔ کم پر لطف نہیں۔ مثلاً:۔

فرشتے عرصہ گاہِ حشر میں ہم کو سنبھالے ہیں
ہمیں بھی آج لطفِ لغزشِ مستانہ آتا ہے

مر گئے پھر بھی تعلق ہے جو میخانے سے
میرے حصّے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

توبہ سے ہماری بوتل اچھی
جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی
ہم رندسن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

نا اہل ضرور ہیں وہ میکش
جن پر یہ حرام ہو گئی ہے

بعد اک عمر کے میخانہ میں آئے ہیں ریاضؔ
آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

ڈھلتی ہے ساتھ خضرؑ کے سبزہ کے فرش پر
جمتے ہیں وہ بھی آ کے لبِ جو کبھی کبھی

شراب پیتے ہی مسجد میں ہم کو گرنا تھا یہ شغل بیٹھ کے اچھا تھا قبلہ رو کرتے

جام مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

تیسری قسم کی مثالیں جس میں وہ بہت زیادہ کھل کھیلے ہیں بہت کم نظر آتی ہیں مثلاً:-

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی قرض پی آئے اک دکاں سے آج

خم مسجد میں مئے ناب بھر کے چاڑوں میں ٹھنڈی پانی سے وضو کر کے ٹھٹھرنے والے

کلامِ ریاض کی ایک اور خصوصیت جس میں سوائے امیر اور جلال کے ان کے دور کا کوئی شاعر ان کا ہمسر نہیں، اس کا بے عیب ہونا ہے۔ آپ ریاض کا پورا کلیات چھان ڈالئے، لیکن آپ کو زبان یا فن کی غلطی کوئی نہ ملے گی۔ اس لئے کلامِ ریاض علاوہ اور خوبیوں کے ایک معلمانہ حیثیت بھی رکھتا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے کہ ناسخ ایسا غیر فطری شاعر بھی اسی کے بدولت آج اساتذہ فن میں شمار کیا جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ تنگی وقت کی وجہ سے نہ میں کلیات کا استقصا کر سکا اور نہ ان کے دیگر اصنافِ سخن پر روشنی ڈال سکا، لیکن جانتا ہوں کہ

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

میں نہ بھی کہوں تو کیا، ریاض کی خوبیاں ایسی نہیں جو چھپ سکیں۔

من گویم و بعد از من گویند بدستانہا

۱۰ر جون ۱۹۳۸ء

ریاض رضوان

فهرست

۴۸۶
۴۹۲

حِصّہ اوّل

آتش تر

ذ

و

حصہ دوم

آتش گل

(رباعیات و قطعات وغیرہ)

تتمہ

حصہ اول

آتش تر

ھُوالوارث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ذوقِ ادب مستِ مئے ہوش رُبا کا
لغزش ہے قلم کو جو لکھا نام خدا کا

ہاں اور بھی اک گھونٹ مئے ہوش رُبا کا
اس وقت مجھے ہوش نہیں شکرِ خدا کا

آتی رہے پیہم ترے خُم سے مرے ساقی
وہ مے لبِ تر پر جو بنے شکر خدا کا

میخانے کو ناکام پھرا طور سے تو کیا
نظّارہ رہا موجِ مئے ہوش رُبا کا

جنت کی ذرا اہلِ جہنم کو بھی ہو قدر
جھونکا ادھر آجائے کوئی سرد ہوا کا

مالک مرے میں کیا ہوں جو انکار کروں گا
ہے میرے فرشتوں کو بھی اقرار خطا کا

جائے یہ چمن کو جو کھلانا ہیں نئے گل
میرے قفسِ تنگ میں کیا کام صبا کا

کیا تجھ سے ترے مست نے مانگا مرے اللہ
ہر موجِ شراب اُٹھ کے بنی ہاتھ دُعا کا

جو کچھ ہو مرا حشر میں دیوانہ ہوں تیرا
محشر میں مجھے ہوش جزا کا نہ سزا کا

میں خواب میں ہوں اور کھلی ہیں مری آنکھیں
اب دل میں اُتر آئے جو پُتلا ہو حیا کا

جانا تھا کہ آنا تھا جوانی کا، الٰہی
سیلاب کی تھی موج کہ جھونکا تھا ہوا کا

کچھ شوخیِ رفتار میں بھی کم ہے قیامت
کچھ قد بھی نکلتا ہے بُتِ شوخ ادا کا

نشّے سے جُھکی پڑتی ہیں یوں ہی تری آنکھیں
چھیڑوں سے مری اور بڑھا بوجھ حیا کا

ہاں لطف ستم سے نہ انھیں قدر ستم ہے
اب نام نہ لیں آپ کبھی اہل وفا کا

پریوں کے عوض گھر میں بلاؤں کا ہی جمگھٹ
ہم نے کبھی دیکھا نہ اثر اپنی دعا کا

دل چھینتی ہیں اور جھکی جاتی ہیں آنکھیں
شوخی میں بھی جاتا نہیں انداز حیا کا

ارمان عدو کا سمجھے، ہوتے ہوئے میرے
ہوتے ہوئے تیرے مجھے ارمان قضا کا

ایسے ہی تو ہیں ہاتھ میں لیں گے مرے دل کو
یہ وہ ہیں کہ ہے بار انھیں رنگ حنا کا

صدقے ترے آیا نہ سنبھل کر تجھے چلنا
نکلا ہے بہت نام تری لغزش پا کا

جور ان کے سلامت یہ جفا کار سلامت
مٹتا ہے مرے ساتھ، مٹے نام وفا کا

کس لطف سے اللہ نے بخشی ہیں خطائیں
منھ دیکھتے ہیں حشر میں سب اہل خطا کا

صدقے ترے صیاد قفس ہے کہ لحد ہے
جھونکا کوئی سن سے کبھی آیا نہ ہوا کا

معشوق ریاضؔ اٹھ گئے اس بزم سے کیا کیا
جاتی ہوئی دنیا ہے، رہے نام خدا کا

کل قیامت ہے قیامت کے سوا کیا ہوگا
اے میں قربان، وفا وعدۂ فردا ہوگا

حشر کے روز بھی کیا خون تمنا ہوگا
سامنے آئیں گے یا آج بھی پردا ہوگا

ہم نہیں جانتے ہیں حشر میں کیا کیا ہوگا
یہ خوشی ہے کہ وفا وعدۂ فردا ہوگا

تو بتا دے ہمیں صدقے ترے اے شان کرم
ہم گنہگار ہیں کیا حشر ہمارا ہوگا

لاکھ پردوں میں کوئی اے نگہ شوق رہے
دیکھ لے گا جو کوئی دیکھنے والا ہوگا

ایسی لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ
ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

سعی ہر کام میں کی ہے یہ سمجھ کر ہم نے
وہی ہوگا جو مشیت کا تقاضا ہوگا

پی کے آیا عرق شرم جبیں پر جو کبھی
چہرے پر بادہ کشو نور برستا ہوگا

رہنے دے گا نہ دمِ ذبح کوئی حلق کو خشک — میکدے ہیں ہیں اتنا تو سہارا ہوگا
مجھے کیا ڈر ہے کہ ہونگے مرے سرکار شفیع — مجھے کیا ڈر ہے کہ تو بخشنے والا ہوگا
شرمِ عصیاں سے نہیں اُٹھتی ہیں پلکیں ورنہ — ہم گنہگاروں سے کیا حشر میں پردا ہوگا

کعبہ سُنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

تو جدھر جائے گا فتنہ کوئی برپا ہوگا — دلِ ناداں ترے چلتے ابھی کیا کیا ہوگا
میرے دل سے کوئی اُمیدِ وفا کیوں رکھے — نہ ہوا ہے یہ کسی کا نہ کسی کا ہوگا
جمع ہو جائیں گے مینوش قیامت میں جہاں — حشر کا شور وہاں قلقلِ مینا ہوگا
کیا تڑاقے کی صدا اٹھی سرِ ناصح کی قسم — کسی میکش نے سبو کوئی اُچھالا ہوگا
پانوں میں منہدی لگائی ہے تو کیا آئیں گے — ہے یہی رنگ تو اب خونِ تمنا ہوگا
دوڑ کر اُس کو قیامت نے لیا گود میں یوں — تیری رفتار کا شاید کوئی فتنا ہوگا
دیر ہو یا ہو خرابات کہیں بھی جاؤں — کعبۂ دل مری آنکھوں میں مدینا ہوگا
میں کہیں جاؤں وہ محشر ہو کہ ہو محفلِ وعظ — دوش پر میرے سبو ہاتھ میں مینا ہوگا

آبِ زمزم کے سوا کچھ نہیں کعبے میں ریاضؔ
میکدہ تم جسے سمجھے ہو مدینا ہوگا

رہے زاہد کے سر پر چتر خورشیدِ قیامت کا — مبارک ہو سیہ کاروں کو سایہ ابرِ رحمت کا
اثر بڑھ جائے یارب اس قدر سوزِ محبت کا — جہنم کے ہر انگارے کو سمجھوں پھول جنت کا
خلش کو خار مل جائے کوئی صحرائے الفت کا — ارے واعظ کبھی جو نام لوں میں تیری جنت کا
نیا جلوہ نیا پردہ عیاں بھی اور پنہاں بھی — عجب عالم ہے کثرت کا عجب عالم ہے وحدت کا

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے
وہ عالم آشنا ہے پردہ دار اپنی حقیقت کا

شہیدِ ناز خوابِ مرگ سے گھبرا کے اُٹھ بیٹھے
تری ٹھوکر بھی اُن سے چل گئی فقرہ قیامت کا

قیامت میں بھی اے ساقی اُڑائے کاگ بوتل کے
ترے رندوں نے کیا میدان مارا ہے قیامت کا

ترس آ جائے رحمت کو مری صورت کچھ ایسی ہو
اُٹھوں تربت سے پتلا بن کے میں شرم و ندامت کا

یہ ہنستے اُٹھیں تربت سے یہ ہنستے جائیں محشر میں
بہت نازک ہے دل اُس کے گنہگارانِ اُمت کا

بہت ایسے بھی ہم رندوں میں ہیں اللہ کے بندے
مزا جو لوٹتے ہیں میکدے میں باغِ جنت کا

مدد فرمائی وقتِ نزع صدقے پیر مرشد کے
ریاضؔ آیا مزا اب حضرت **وارث**ؒ سے بیعت کا

مکاں دیکھے مکیں دیکھے، لامکاں دیکھا
کہاں کہاں تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں دیکھا

ذرا جو ہم نے اُنھیں آج مہرباں دیکھا
نہ ہم سے پوچھئے کیا رنگ آسماں دیکھا

نہ پہونچے بامِ قفس تک کبھی مرے نالے
وہ برق ہو گی جسے گردِ آشیاں دیکھا

جھکا جھکا ہے تو ہاں گر پڑے مرے سر پہ
یہی نہ پاس سے تھا سوئے آسماں دیکھا

بہت سے رند بھی دیکھے بہت سے زاہد بھی
انھیں تو پیر ہمیشہ اُنھیں جواں دیکھا

اب آرزوئیں بر آئیں کہ خاک میں مل جائیں
خدا نے دن یہ دکھایا اُنھیں جواں دیکھا

یہ جانتے ہیں کہ دل خاک ہو گیا جل کر
نہ آگ دیکھی نہ اُٹھتے ہوئے دُھواں دیکھا

بہت ہی روئے گلے مل کے ایک ایک سے ہم
لٹا ہوا جو کوئی ہم نے کارواں دیکھا

قفس میں رہ کے ستم تیرے دیکھ لیں صیاد
چمن میں رہ کے بہت لطفِ باغباں دیکھا

ریاضؔ خاکِ درِ میکدہ تھا جیتے جی
فنا کے بعد اُسے خلد آشیاں دیکھا

اُجاڑتے ہوئے سو بار آشیاں دیکھا
چمن میں رہ کے تجھے خوب باغباں دیکھا

نہ سجدہ گہ نہ کوئی جلوہ گہ بچی ہم سے
وہ دل میں تھے انھیں ہم نے کہاں کہاں دیکھا

سوئے چمن جو چلے لوٹنے بہار کا لطف
تو ہم نے دو قدم آگے تجھے خزاں دیکھا

وہ دل مرا ہو کہ دل کی ہو آہ کوئی ہو
بجھی سی آگ کا اُٹھتے ہوئے دھواں دیکھا

گلی میں اُن کی مجھے رات میں نظر آیا
ضرور خواب کوئی تو نے پاسباں دیکھا

کسی کی یاد جو آئی تو اُلٹے پاؤں پھری
نہ دل کی طرح بھی ویراں کوئی مکاں دیکھا

یہ بھول ہے کہ عنادل چلے چمن سے کہاں
ضرور میری لحد کا کہیں نشاں دیکھا

قفس میں ہم ہیں قفس پر تہیں غلاف کی ہیں
زمیں دیکھی نہ صیاد آسماں دیکھا

ضرور کوئی بلا ہے پری بھی شیشے کی
بغل میں تھی نہ کبھی پیر و نوجواں دیکھا

ملی نجات قفس میں چمن کے دھڑکوں سے
نہ مڑ کے ہم نے کبھی سوئے آشیاں دیکھا

وہی شباب کی باتیں وہی شباب کا رنگ
تجھے ریاضؔ بڑھاپے میں بھی جواں دیکھا

ہنگامِ نزع گریہ یہاں بے کسی کا تھا
تم ہنس پڑے یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا

اُٹھا نہ میری گور سے دشمن بھی بیٹھ کر
کیا عالم آج ہائے! مری بیکسی کا تھا

چھایا ہے آسماں کی طرح قبرِ غیر پر
دل میں مرے غبار بھرا جو کبھی کا تھا

دل نے مجھے خراب کیا کوئے یار میں
دشمن پہ اعتبار مجھے دوستی کا تھا

صحرا میں پھر رہے تھے سلیماں بنے ہوئے
جس کو جنون کہتے ہیں سایہ پری کا تھا

دُکھ جائے گا دِل اس لئے جاری ہوئے نہ اشک
دیکھو تو پاس نزع میں کتنا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مے فروش
سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

جس انجمن میں بیٹھ گیا رونق آگئی
کچھ آدمی ریاضؔ عجب دل لگی کا تھا

اُن پر بھی یہ اثر مری دیوانگی کا تھا / وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ سایہ پری کا تھا
وہ کیوں ٹھہرتے نزع میں بالینِ غیر پر / کوئی معاملہ یہ گھڑی دو گھڑی کا تھا
جا جا کے بزمِ وعظ میں سو بار ہم نے پی / چوری کسی کی تھی نہ ہمیں ڈر کسی کا تھا
ظالم کے شوقِ دید نے بیتاب کر دیا / ہوتی مقابل اُس کے یہ مُنھ آرسی کا تھا
آیا تھا حشر بن کے جو میرے مزار پر / فتنہ کوئی ضرور کسی کی گلی کا تھا
حسرت سے کوئی سوئے فلک دیکھتا تھا آج / لب پر گلہ کسی کا نہ شکوہ کسی کا تھا
اہلِ حرم بھی آ کے ہوئے تھے شریکِ دور / کچھ اور رنگ آج مری مے کشی کا تھا
تھی آج ہاتھ پاؤں میں منہدی لگی ہوئی / موقع بہت بُرا یہ تری بے بسی کا تھا
لوٹے مزے حیا کے اُٹھائے ادا کے لطف / پہروں سے مجھ کو آج تصور کسی کا تھا
گیسوئے پُر شکن نے گلا گھونٹ ہی دیا / دعویٰ ہمارے دل کو بہت دوستی کا تھا
زاہد تمام عمر فرشتہ بنا رہا / اُس نے کیا جو کام یہ کام آدمی کا تھا
دلوائی یاد وعدۂ فردا کی روزِ حشر / مقصود دن سے وقت مگر رات ہی کا تھا

آتا ہے یاد اب دلِ مرحوم اے ریاضؔ
بدخواہ وہ کسی کا نہ دشمن کسی کا تھا

یہ کہہ کے اس میں زہر بھی ہے کچھ ملا ہوا / ساقی نے جب پلائی تو نشہ سوا ہوا
یہ میرے بعد حالِ غم و یاس کیا ہوا / جاتا ہو جیسے قافلہ کوئی لُٹا ہوا
جب حالِ دل کہا تو یہ سُننا پڑا ہمیں / تم تو سُنا رہے ہو فسانہ سُنا ہوا

یہ کون پھوٹ پھوٹ کے رویا سرِ لحد
مدت کے بعد سبزۂ تربت ہرا ہوا

جمگھٹ وہ گلرخوں کے وہ چھیڑیں وہ شوخیاں
میں کیا بتاؤں حشر کے دن کیا مزا ہوا

وہ بھی تو مٹ گیا مری تربت کے ساتھ ہی
میرا شریکِ حال ترا نقشِ پا ہوا

وعدے کی آئے شب تو کسی کو لئے ہوئے
میرے گھر آئے کوئی مجھے کوستا ہوا

آ آ کے شکل دیکھتے ہیں اس میں بار بار
اچھے وہ آئے دل نہ ہوا آئنا ہوا

تیرا یہ رنگ روپ، یہ جوبن شباب کا
جیسے چمن بہار میں پھولا پھلا ہوا

ہم ہیں گدائے میکدہ، ہم کو کمی نہیں
سب کچھ ہمارے گھر ہے خدا کا دیا ہوا

نکلے تھے منہ چھپائے ہوئے گھر سے غیر کے
تصویر بن گئے جو مرا سامنا ہوا

کوئی تو کوستا ہے اثر کو اٹھا کے ہاتھ
جاتا ہے آج نالۂ دل کچھ رکا ہوا

اپنی نگاہِ ناز سے برہم ہیں آپ کیوں
کہئے تو کیا ہوا کوئی ناوک خطا ہوا

چاہی تھی ہم نے داورِ محشر سے دادِ ظلم
کچھ کہہ گئے وہ آ کے چلو فیصلا ہوا

جھجکے دمِ خرام وہ یوں کس کو دیکھ کر
سایا ہے یا ہے سایے میں کوئی چھپا ہوا

واعظ تجھے بھی قلقلِ مینا سنائیں گے
طوطا ہم آج لائے ہیں کیا بولتا ہوا

پھرتا تھا اس گلی میں عجب وضع سے ریاضؔ
اک پشتِ خار ہاتھ میں تھی سر گھٹا ہوا

موت آئے مجھ کو، کیوں اسے چھیڑا، یہ کیا ہوا
پہلو سے اٹھ گیا ہے کوئی کوستا ہوا

ہو جائے کھل کے حشر کے دن آئیں تو سہی
وہ بھی کہیں کسی سے مرا سامنا ہوا

مر کر کسی کا جلوہ ہمارے کفن میں ہے
جاتا ہے رازِ ہستیِ عالم چھپا ہوا

جمگھٹ وہ گلرخوں کے الٰہی کہاں گئے
کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا

توبہ نکل کے منہ سے جو حسنِ قبول پائے
چلائے مجھ سا رند کہ میں پارسا ہوا

کٹ جاتی بات چیت میں تاریک غم کی رات
دل بھی ملا نصیب سے ہم کو بجھا ہوا

توبہ کی جان خشک ہے بجلی کے خوف سے
قبلے سے آج ابرِ کرم ہے اٹھا ہوا

وہ جانتے ہیں ٹوٹ پڑا اُس پہ آسماں
مجھ پر ستم کچھ اور بھی اس سے سوا ہوا

صیاد لے چلا ہے جو خوش خوش سوئے چمن
آثار تو یہی ہیں کہ میں اب رہا ہوا

نازک سا دل کسی کا جو بے چین ہو گیا
میری نگاہِ یاس کا سب سے گلا ہوا

مجھ کو اُٹھانے آئی تھی اٹھتی نہیں ہے خود
میری لحد پر آ کے قیامت کو کیا ہوا

ٹپکا دے بوند بھر کوئی منہ میں ریاضؔ کے
دم میکدے میں توڑ رہا ہے پڑا ہوا

رہ گیا پردہ ترے چاک گریبانوں کا
حشر میں کوئی بھی پرساں نہیں دیوانوں کا

راہ چلتے ہوئی ہے دولتِ دیدار نصیب
اس میں احسان نہیں آپ کے دربانوں کا

یاد آتی ہیں جنوں خیز ہوائیں اُن کی
اب نہ وہ ہم ہیں نہ عالم وہ بیابانوں کا

اے دیوانے ذرا چل کے انھیں دیکھ تو لے
میکدوں میں ہے مرا شیخ پری خانوں کا

بُت خدا ہوں کہ نہ ہوں ماہ ہے مگر اتنی توقیر
بتکدہ آج بھی کعبہ ہے مسلمانوں کا

چشمِ ساقی کی طرح ہے اثر انداز اے شیخ
بعد توبہ کے چھلکنا بھرے پیمانوں کا

چٹکیاں آپ لیں مہندی لگے ہاتھوں سے
کام دیں گے نہ یہ ناخن کبھی پیکانوں کا

قحط جائے بھی مگر یہ نہیں جانے کے ریاضؔ
کہ مرے گھر ہے اجارہ مرے مہمانوں کا

محتسب آیا تو میں خم پر گرا
خم گرا، مینا گرا، ساغر گرا

اے نگاہِ یاس سمجھوں گا تجھے — دستِ قاتل سے اگر خنجر گرا

آرزو پوری ہوئی مقتل میں آج — پانوں پر قاتل کے میرا سر گرا

تھا یہ مطلب وہ سنگھائیں بوئے زلف — کھا کے غش کوئی سرِ بستر گرا

میرے ہی ہاتھوں سے میرے پاؤں پر — ٹکڑے ہو کر دامنِ محشر گرا

بے ستوں جانے کا رستہ رک گیا — میرے آگے آ کے اک پتھر گرا

ہے عجب اُفتاد اے قیدِ قفس — پھر نہ نکلا ٹوٹ کر جو پر گرا

روئے اس بارش میں ہم کیا کیا ریاضؔ
پہلے کوٹھی گر گئی پھر گھر گرا

کوہِ غم بھی بارہا مجھ پر گرا — آسماں بھی ٹوٹ کر اکثر گرا

دل تو اُترا ہی تھا اُن کی آنکھ سے — اب نظر سے فتنۂ محشر گرا

کیا وہی آنسو ہے جو میں پی گیا — میرے دل پر آ کے اک پتھر گرا

تھی وہ حالت جیسے متوالا کوئی — جب اُٹھا اُس در سے میں اُٹھ کر گرا

یہ نگاہِ یاس ہے قاتل سنبھل — دیکھ دستِ ناز سے خنجر گرا

جب چلا میں دو قدم تو ضعف سے — کھا کے اپنے سایے کی ٹھوکر گرا

بزمِ محشر گو بنے ساقی کی بزم — میں نہ اُٹھوں گا اگر پی کر گرا

اُف ری شوخی ہاتھ بھی مارا تو یوں — کچھ الگ قدموں سے اُن کے سر گرا

دل گرا اندھے کنوئیں میں عشق کے — ساتھ اپنے مجھ کو بھی لے کر گرا

سچ تھا وعدہ، قاتل اس کو کیا کرے — ہاتھ چھوٹا ہو گیا خنجر گرا

اُف وہ روزِ حشر خوف اُس کا ریاضؔ — زندہ ہو کر میں اُٹھا مر کر گرا

مے شب کو چرائیں کوئی بیدار نہ ہوگا
میخانے میں ہشیار بھی ہشیار نہ ہوگا

پہلو میں دل اے لذتِ آزار نہ ہوگا
ہم بھی تو نہ ہوں گے جو غمِ یار نہ ہوگا

کہتے ہیں کہ ہم ہاتھ اٹھاتے ہیں ستم سے
کیا چرخ بھی اب درپئے آزار نہ ہوگا

واعظ کے جنازے کو شتاب جس نے بتایا
ہوگا وہ فرشتہ کوئی مے خوار نہ ہوگا

اب دستِ تمنا میں نہیں خون کی گردش
یہ ہاتھ گلے کا ترے اب ہار نہ ہوگا

جب کالی گھٹا گھر کے جھکے گی مرے گھر پہ
کیا صحن کا سبزہ سرِ دیوار نہ ہوگا

ساغر میں یہ افشردۂ انگور ہے اے شیخ
اس چیز سے حضرت کو بھی انکار نہ ہوگا

وحشت بھی ہے نفرت بھی اسے اُن کی گلی میں
ہم جائیں گے تو سایۂ دیوار نہ ہوگا

گلشن میں بہار آئی یہ کہتی ہوئی ہم سے
دامن میں تمہارے کبھی اب خار نہ ہوگا

شاید وہ بنے ہیں کبھی اقرار کے سچے
بھولے سے بھی اب وصل کا اقرار نہ ہوگا

توبہ سے ڈرایا مجھے ساقی نے یہ کہہ کر
توبہ شکنی کے لئے اصرار نہ ہوگا

میری نگہِ شوق سے شرمائے کچھ ایسے
تیغِ نگہِ ناز کا اب وار نہ ہوگا

میخواروں کو پی پی کے بہت کوس رہا ہے
واعظ تجھے یہ وعظ سزاوار نہ ہوگا

ہو جائے گی رسوا تری مژگاں کی درازی
یہ تیر کلیجے سے اگر پار نہ ہوگا

ایسا ہے تو اُس دن کے لئے ہم کو نہ رکھنا
کیا کھل کے قیامت میں بھی دیدار نہ ہوگا

جانا ہے عدالت میں ریاضؔ آپ کو ہر روز
قسمت کا کبھی آپ کے اتوار نہ ہوگا

واعظ جو نہ ہوگا تو مجھے عار نہ ہوگا
ورنہ سرِ تسنیم یہ مے خوار نہ ہوگا

تو زہر بھی دے گا تو پیوں گا پسِ توبہ
تجھ سے مرے ساقی مجھے انکار نہ ہوگا

رہ جائے گی چبھ کر نگہِ ناز تمھاری ۔۔۔ یہ تیر کلیجے سے کبھی پار نہ ہوگا
بالفرض اثر ٹوٹ پڑے چرخ کو ٹے کر ۔۔۔ نالہ تو مرا جب بھی گرانبار نہ ہوگا
ہوگا جنھیں توبہ کا بھروسا مرے ناک ۔۔۔ وہ اور ہی ہوں گے یہ گنہگار نہ ہوگا
اُچھلا جو یہ بوتل سے تو بن آئے گی اے شیخ ۔۔۔ اس کاگ سے اچھا گُلِ دستار نہ ہوگا
وہ کہہ گئے آنے کو اجل آئے کہ نیند آئے ۔۔۔ اب بند مرا دیدۂ بیدار نہ ہوگا
رستے کی طرح ہم کو کھلائے گا وہ ٹھوکر ۔۔۔ دربان تمھارا کبھی ہموار نہ ہوگا
جب تاک دو مرے ہاتھوں سے مجبور نہ ہوں گے ۔۔۔ وعدے کا انھیں حشر میں اقرار نہ ہوگا
چھپتا ہے مرے ساتھ مرا داغ زمیں میں ۔۔۔ اب ڈوب گئے یہ چاند نمودار نہ ہوگا
کس ناز سے کہتے ہیں وہ اللہ رے شوخی ۔۔۔ تجھ سے نہ ہوا وصل کا اقرار نہ ہوگا
سر پہ مرے آ رہنے کو دیوار تو ہو گی ۔۔۔ کیا ہوگا اگر سایۂ دیوار نہ ہوگا

رکھنا نہ ریاضؔ اس دلِ بدخو سے توقع
یہ آپ کا دشمن ہے، کبھی یار نہ ہوگا

ایک خط ہلکا سا گردن پر پڑا ۔۔۔ کس قدر اوچھا ترا خنجر پڑا
اور زیور سادگی کو بار تھا ۔۔۔ کان میں آویزۂ گوہر پڑا
مجھ کو درباں نے نکالا اس طرح ۔۔۔ اُن کے در پر رہ گیا بستر پڑا
دو فرشتے ہیں لئے محشر میں ساتھ ۔۔۔ بارِ عصیاں آج اُنھیں کے سر پڑا
کوئی پوچھے رہ گئی واعظ کی کیا ۔۔۔ آج تو سر پر سرِ ممبر پڑا
میکدے جاتے ہوئے رستے میں آج ۔۔۔ مل گیا جمشید کا ساغر پڑا
کھُل کے لوٹی حسن کی دولت ریاضؔ ۔۔۔ آج تو ڈاکا سرِ محشر پڑا

سایۂ پُرخم زلف کا مجھ پر پڑا | یہ بُرا دورانِ سراب سر پڑا
بیخودی میری تری درباں ہوئی | پانوں جب اندر دھرا باہر پڑا
دل لُٹا مژگاں نے جھاڑو پھیر دی | یہ بڑا ڈاکا ہمارے گھر پڑا
لی خبر درباں نے میں کھویا گیا | صحن در سے دور سے بستر پڑا
کھینچ مارا میں نے واعظ کے وہی | مُنھ پر اُس کے آج کیا ساغر پڑا
میں لحد سے اُٹھ کے جانے کا نہیں | مجھ کو کیا چینا کرے محشر پڑا
آشیاں تک ڈھیر تھا گلزار میں | آج پتھر سا یہاں پتھر پڑا
میں تو سمجھا پنکھڑی ہے پھول کی | کس قدر ہلکا ترا خنجر پڑا
ہم گرے جب لڑکھڑا کر بزم میں | سر سُبو پر، ہاتھ ساغر پر پڑا
دل کی خو، بو کچھ نہیں اے طفلِ اشک | کچھ نہیں معلوم تو کس پر پڑا
روگ تھی تیمار داری بھی مری | میں تو میں بیمار گھر کا گھر پڑا
جنسِ رُسوائی کے ہم گاہک نہ تھے | یہ بُرا سودا ہمارے سر پڑا

اُن کے در سے کب اُٹھا بستر ریاضؔ
میں گیا تو رہ گیا بستر پڑا

لبِ میگوں کا تقاضا ہے کہ جینا ہوگا | آنکھ کہتی ہے تجھے زہر بھی پینا ہوگا
رمضاں میں نہ پلانا نہ یہ پینا ہوگا | کس طرح گزرے گی کیسا یہ مہینا ہوگا
حشر میں سرو قدوں سے ہمیں کچھ کام نہیں | گوشۂ حشر میں ہم ہوں گے یہ مینا ہوگا
کیجیے کیا اسے ہے موت بھی اُنکے بس کی | زہر ہم کھائیں گے تو بھی ہمیں جینا ہوگا
ہے سحر ایک شبِ گور کی دشمن باقی | حشر کے روز ابھی پھر ہمیں جینا ہوگا

اُن کا ہنسنا کسی دیوانے کا اُن سے کہنا
آپ کو چاکِ گریباں ابھی سینا ہوگا

نعرے مستوں کے دبا دیں گے یوں ہی حشر کا غل
شور تیرا ابھی تو اے قلقلِ مینا ہوگا

وصل میں پچھلے کو یاں صبح کا ہونا کیسا
چاکِ دامانِ سحر آپ کو سینا ہوگا

جامِ کوثر کو نہ روکو لبِ کوثر اے شیخ
کسی میکش نے ترے ہاتھ سے چھینا ہوگا

حشر میں میکدے والو! جو خدا نے چاہا
یہی جلسہ، یہی ساغر، یہی مینا ہوگا

طور کیا، عرش سے اونچا ہے ترا بام بلند
عرش بھی کوئی ترے بام کا زینا ہوگا

مے کوثر میں یہ بو باس کہاں تھی زاہد
کچھ نہیں یہ کسی میکش کا پسینا ہوگا

بے طرح ڈوب رہا ہے دلِ غمگیں میرا
آج کیا غرق اُمیدوں کا سفینا ہوگا

دُور سے خانۂ کعبہ کو بھی کریں گے سلام
زندگانی ہے تو ہم ہوں گے مدینا ہوگا

چکھئے دو چار برس نزع کی تلخی کا مزا
اے ریاضؔ اور ابھی آپ کو جینا ہوگا

گزرے معشوق حسیں میری نظر سے کیا کیا
فتنے اُٹھتے رہے اس راہگزر سے کیا کیا

حسرتیں ٹپکی ہیں اس دیدۂ تر سے کیا کیا
رو کے نکلی ہے تباہی مرے گھر سے کیا کیا

بزم تھی غیر کی، وہ صحبتِ خلوت تو نہ تھی
راز افشا ہوئے دزدیدہ نظر سے کیا کیا

آہ بھی شوخ ہے کتنی کہ نہ آئی لب تک
ہم پشیماں ہوئے تکلیفِ اثر سے کیا کیا

تیغ نے کاہے کو خونِ شہدا دیکھا تھا
ڈر کے لپٹی ہے وہ قاتل کی کمر سے کیا کیا

تم تو تم، مجھ سے شبِ وصل بھی شرماتی ہے
مُنھ چھپاتی ہے وہ دامانِ سحر سے کیا کیا

ہو گیا ہے اُسے دامن کا چھڑانا مشکل
آہ اُلجھی ہے سرِ عرش اثر سے کیا کیا

بادل اُمڈے ہوئے تھے رات سے میخانے پر
مُہرِ خم ٹوٹتے ہی ٹوٹ کے برسے کیا کیا

اے جوانی! ترے دن رات ٹھہرتے ہی نہیں — جی اُلجھتا ہے مرا شام و سحر سے کیا کیا
آسماں بھی نہ رہا گھر کی زمیں کا کیا ذکر — آج طوفان اُٹھے دیدۂ تر سے کیا کیا
نہ گیا سوئے نشیمن کبھی اُڑ کر افسوس — تھیں اُمیدیں مجھے ٹوٹے ہوئے پر سے کیا کیا
کبھی آنچل اُڑے اُن کے کبھی زلفیں بکھریں — وہ پریشان ہوئے بادِ سحر سے کیا کیا

اے ریاضؔ آنکھ لڑاتے ہوئے جی ڈرتا ہے
زخم پہونچے ہیں حسینوں کی نظر سے کیا کیا

ہاتھ کمبخت شبِ وصل بھی تر سے کیا کیا — لطف رکھتی ہے نزاکت بھی کمر سے کیا کیا
حشر بھی، حشر کے معشوق حسیں بھی سب گرد — فتنے اُٹھتے ہیں تری راہگذر سے کیا کیا
بے طرح کچھ یہ بھری تھی کہ نکل کر دل سے — میری فریاد لڑی جا کے اثر سے کیا کیا
چاہتی ہے کہ ہر اک بات میں بڑھ چڑھ کے رہے — بل کی لیتی ہے تری زلف کمر سے کیا کیا
ابر کے آتے ہی سنتے حضرتِ ناصح کچھ اور — گرجے کیا کیا ہی ہم پر یہی برسے کیا کیا
ڈرتے ہیں پار نہ ہو جائے کہیں دل کی طرح — بچتے ہیں آئنے بھی تیری نظر سے کیا کیا
نبھ سکے یہ، تو عجب چیز ہے خودداریِ عشق — ہم کھنچے ہیں تو لگاوٹ ہے اُدھر سے کیا کیا
ٹھوکریں کھا کے پہنچ تو گئے تقدیر سے ہم — نعمتیں ملتی ہیں اب آپ کے در سے کیا کیا
حشر برپا اُٹھا ہے ابھی سے کے وعدۂ شبِ وصل — اُس نے اقرار کئے رات کو ڈر سے کیا کیا
صبح کو آکے کسی دن یہ تماشا دیکھو — کہ نکلتی ہیں بلائیں مرے گھر سے کیا کیا
سامنے آتے ہیں وہ دل کو بنا کر پتھر — ڈرتے ہیں آئنے بھی تیری نظر سے کیا کیا
آڑے آئی یہی کمبخت شبِ وصل دن کے — اس نزاکت کو لگاوٹ ہے کمر سے کیا کیا
مرگِ غربت نہ کہیں مجھ کو لئے جاتی ہو — دم اُلجھتا ہے مرا عزمِ سفر سے کیا کیا

آنکھ سے دیکھ لیا خونِ تمنا سو بار　　دیکھئے پھر بھی ٹپکتا ہے نظر سے کیا کیا

ہوگیا مجھ کو جنونِ صبحِ شبِ وصل ریاضؔ
ہاتھ اُلجھے مرے دامانِ سحر سے کیا کیا

آپ آئے تو خیالِ دلِ ناشاد آیا　　آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا
عرش سے آج اثر تا لبِ فریاد آیا　　ایک ہی آہ میں کافر کو خدا یاد آیا
جور کے ساتھ ترا لطف بھی کچھ یاد آیا　　ہونٹ پر بن کے ہنسی شکوۂ بیداد آیا
آج شب میں کوئی سو بار تو بجلی چمکی　　آج دن میں کوئی سو بار تو صیاد آیا
میرے دل میں عجب انداز سے آیا ناوک　　میں یہ سمجھا کوئی معشوق پریزاد آیا
کیا کہا پھر تو کہو، بھول گئے ہم کس کو　　صدقے اُس کے جو تمھیں بھول گئے یوں یاد آیا
فتنۂ حشر نے بھی اُٹھ کے بلائیں لے لیں　　عجب انداز سے میرا ستم ایجاد آیا
سن سے جھونکا کوئی آیا جو ترا بادِ بہار　　چونک اُٹھے مرغِ چمن ناوکِ صیاد آیا
ارے قاتل ابھی بہہ جائے گا پانی ہو کر　　سامنے میرے اگر خنجرِ فولاد آیا
یہی گلشن کی ہوا ہے یہی گلشن کی بہا　　کبھی صیاد کبھی ناوکِ بیداد آیا
نظر آتی ہیں کہیں ایسی بھی کافر شکلیں　　دیکھ کر حسنِ خداداد خدا یاد آیا
پاس سے نیم نگہ دور سے مژگانِ دراز　　چبھنے والے نئے نشتر لئے فصاد آیا
نہ سنا ہم نے کبھی باغ میں آئی ہے بہار　　جو سنا بھی تو سنا ہم نے کہ صیاد آیا
کیوں نگاہیں یہ گڑی ہیں شکنِ دامن پر　　صدقے اندازِ حیا کے تجھے دل یاد آیا
آشیاں برق کو سونپا مجھے آئی جو ترنگ　　اور میں اُڑ کے اِدھر تا کفِ صیاد آیا
اثر آیا بھی تو جیسے کوئی فریادی ہو　　ہاتھ میں تھامے ہوئے دامنِ فریاد آیا

دستِ ماتم لئے بیٹھی رہی شیریں اپنے — تیشہ اچھا کہ ترے کام تو فرہاد آیا
ایسی ضد ہی تو انھیں کون منائے یارب — وہ یہ مچلے ہیں کہ کوئی مجھے کیوں یاد آیا
لئے خنجر کی روانی تھی ہر اک موجِ خرام — آج مقتل میں نئی شان سے جلاد آیا
میں جو پہونچا تو لئے اُٹھ کے بگولوں نے قدم — نجد میں دھوم مچی قیس کا اُستاد آیا
بڑھ کے لے حلقۂ آغوش میں اے دستِ جنوں — بیڑیاں کاٹنے کس لطف سے حدّاد آیا
ڈر کے صحرا سے بلا سے جو پکارا میں نے — قیس نے دی مجھے آواز کہ فرہاد آیا
صدقے ہونٹوں کے جنھیں نازِ مسیحائی ہو — صدقے باتوں کے جنھیں شیوۂ جلاد آیا
دے اُٹھیں خون رگیں نام جو نشتر کا لیا — رنگ ایسا مری تصویر میں بہزاد آیا

طفلِ اشک آ کے مری گود میں مچلے جو ریاضؔ
دلِ مرحوم مجھے آج بہت یاد آیا

وہ کون ہے دُنیا میں جسے غم نہیں ہوتا — کس گھر میں خوشی ہوتی ہے ماتم نہیں ہوتا
ایسے بھی ہیں دُنیا میں جنھیں غم نہیں ہوتا — اک غم ہے ہمارا جو کبھی کم نہیں ہوتا
تم جا کے چمن میں گل و بلبل کو تو دیکھو — کیا لطف تہِ چادرِ شبنم نہیں ہوتا
کیا سُرمہ بھری آنکھوں سے آنسو نہیں گرتے — کیا مہندی لگے ہاتھوں سے ماتم نہیں ہوتا
اُڑتی تھی وہ شے آتی تھیں جنت کی ہوائیں — اب رندوں کا جمگھٹ سرِ زمزم نہیں ہوتا
یہ جان کے کیوں روئے گا کوئی سرِ تربت — سبزے سے جدا قطرۂ شبنم نہیں ہوتا
یہ شانِ گدا لائے درِ میخانہ ہے ساقی — بھولے سے وہ ہم بزم کے و جم نہیں ہوتا
مایوس اثرِ اشکِ عنادل نہیں ہوتے — مانوس اثرِ گریۂ شبنم نہیں ہوتا
کچھ اور ہی ہوتی ہیں بگڑنے کی ادائیں — بننے میں سنورنے میں یہ عالم نہیں ہوتا

سوئے ہیتے ہو روتے نہیں تم جان کو اُس کی ۔۔۔ اب غیر کے گھر رات کو ماتم نہیں ہوتا
گھٹتی نہیں تربت میں بھی فرقت کی اذیت ۔۔۔ یہ درد وہ ہے مر کے بھی جو کم نہیں ہوتا
تسکین تو ہو جائے جو تو پھوٹ کے بہہ جائے ۔۔۔ یہ تجھ سے بھی اے دیدۂ پرنم نہیں ہوتا
سبزہ مری تربت کا رگِ گل نہیں بلبل ۔۔۔ ان آنسوؤں سے تیرے تو یہ نم نہیں ہوتا
مٹتے ہوئے دیکھی ہے عجب حسن کی تصویر ۔۔۔ اب کوئی مرے مجھ کو ذرا غم نہیں ہوتا
وہ بھی تو مٹے جانِ جہاں نام تھا جن کا ۔۔۔ یہ نظمِ جہاں پھر بھی تو برہم نہیں ہوتا

کچھ بھی ہو ریاضؔ آنکھ میں آتے نہیں آنسو
مجھ کو تو کسی بات کا اب غم نہیں ہوتا

اندازِ تبسم نہ ہو غماز کسی کا ۔۔۔ ڈرتا ہوں نہ کھل جائے کہیں راز کسی کا
اثباتِ دہن پر نہ اٹھے ناز کسی کا ۔۔۔ ہنسنے میں نہ کھل جائے کہیں راز کسی کا
کیا مجھ سے چھپے گا کوئی آغوشِ عدو میں ۔۔۔ لاکھوں میں تو چھپتا نہیں انداز کسی کا
اگرتی ہے بھری بزم میں ہر تان سے بجلی ۔۔۔ چمکا ہے بہت شعلۂ آواز کسی کا
بن کر نگہِ ناز مرے دل میں چبھا ہے ۔۔۔ ناوک ہے کہ چبھتا ہوا انداز کسی کا
شرمائیں بجھے حشر میں جھوٹے ترے وعدے ۔۔۔ بن جائے اگر کام خدا ساز کسی کا
دربان سے مرا ساز مرے دل سے انھیں ساز ۔۔۔ بگڑے نہ کسی سے کوئی ہمراز کسی کا
آگے تو رقیبوں کی اٹھا لیتے تھے سختی ۔۔۔ یہ ضعف ہے اٹھتا نہیں اب ناز کسی کا
دھوکے میں پڑے کوئی نہ امیدِ وفا پر ۔۔۔ ہوگا نہ ہوا ہے وہ دغا باز کسی کا
یہ حال ابھی سے ہے کہ خم ہوتے ہیں خالی ۔۔۔ اچھا نہیں میخانے میں آغاز کسی کا
ہم ناز اٹھانے کا اجارہ نہیں لیتے ۔۔۔ دل پھیر دے او چشمِ فسوں ساز کسی کا

کیا آرزوئے مُردہ میں اب جان پڑے گی
باتیں نہ بنائے لبِ اعجاز کسی کا

معشوق ریاضؔ اِس دلِ بدخو سے خفا ہیں
کمبخت سے اُٹھتا ہی نہیں ناز کسی کا

مٹھی میں دل نہ تھا شکنِ آستیں میں تھا
مہندی کا چور تھا جو کفِ نازنیں میں تھا

اک ذوقِ نالہ ضبط سے وہ بھی مٹا ہوا
میں کیا بتاؤں کیا دلِ اندوہگیں میں تھا

تھیں روسیاہیوں سے کچھ اُس کی نمائشیں
جو نامِ بے نشاں سا ہمارا نگیں میں تھا

آیا تھا اُن کے پاس سے چُپ چپ جو میرے پاس
پوشیدہ کوئی رازِ دلِ ہمنشیں میں تھا

مجھ پر نکالی آنکھ نکیرین نے عبث
داغِ سجود بعدِ فنا بھی جبیں میں تھا

قاتل بھی آب آب تھا خنجر بھی آب آب
اللہ کیا اثر نگہِ واپسیں میں تھا

جب یاد آئی ہم نے بھی مُنھ چوم ہی لیا
ایسا مزا ریاضؔ کسی کی نہیں میں تھا

شرمِ گنہ سے حشر میں جایا نہ جائے گا
ہم سے تو مُنھ خدا کو دکھایا نہ جائے گا

ہم سے بھی اس کے دام گھٹائے نہ جائیں گے
اُن سے جو مول دل کا بڑھایا نہ جائے گا

وہ پیاری پیاری شکل وہ نازک سے ہاتھ پاؤں
ہم جانتے تھے اُن سے ستایا نہ جائے گا

پُر درد دل میں داغ بھی ہیں کتنے زخم بھی
کیا اب بھی دل سے ہاتھ اُٹھایا نہ جائے گا

اتنا کہاں سے روزِ غم آئے کہ ہو یہ سیر
ہم سے تو دل کا بوجھ اُٹھایا نہ جائے گا

وہ بیخودانِ عشق کو ٹھکرائیں تو سہی
اچھی کہی کہ ہوش میں آیا نہ جائے گا

قاتل تو جانتے تھے مگر جانتے تھے ہم
پانی کی طرح خون بہایا نہ جائے گا

وعدہ جو کچھ کیا ہے تو اللہ رے اُن کی شرم
کہتے ہیں مجھ سے حشر میں جایا نہ جائے گا

ہم اور اپنے خانۂ ویراں میں رہ سکیں
ہم سے تو قبر کو بھی بسایا نہ جائے گا

بن بن کے بجلی آگ لگانے وہ آئیں گے
آنکھوں میں نور بن کے سمایا نہ جائے گا

وہ بھی کھنچے ہیں تیغ بھی اُن کی کھنچی ہوئی
دونوں کا ناز ہم سے اُٹھایا نہ جائے گا

دِل دوں کسی کے دستِ حنائی میں کس طرح
ہم سے تو آگ میں یہ جلایا نہ جائے گا

کیوں چھیڑتے ہو ساتھ مرے شمع بزم کو
روتے ہوؤں کو تم سے ہنسایا نہ جائے گا

کہتے ہیں وہ ریاضؔ کا دل لے کے کیا کریں
ہم سے گلے کا ہار بنایا نہ جائے گا

جب تک حجاب رُخ سے اُٹھایا نہ جائے گا
آپ آئیں ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا

تو نے دیا ہے مجھ سے مٹایا نہ جائے گا
یہ داغِ عشق دِل سے خدایا نہ جائے گا

لب تک ہمارے نالوں سے آیا نہ جائے گا
سر پر اب آسمان اُٹھایا نہ جائے گا

بھولے ہیں اک جہان کو ہم اُس کی یاد میں
اُس کا خیال دل سے خدایا نہ جائے گا

دامن میں ہو کہ زُلف میں ہو داغدار دل
ان بادلوں سے چاند چھپایا نہ جائے گا

یہ وزن ہے تو بارِ معاصی ہمیں ہا
ہم کیا کسی سے بھی یہ اُٹھایا نہ جائے گا

اے جوئے سلسبیل ہمیں آئیں تو ہیئیں
تجھ سے اُبل کے حشر میں آیا نہ جائے گا

دل میں ہمارے آپ چلے آئیں شوق سے
اس آئنے میں عکس سے آیا نہ جائے گا

دامن کے بدلے دل کو وہ چوٹی میں دیں جگہ
اب عرش پر تو اُن سے چڑھایا نہ جائے گا

تاروں سے آسمان ہے کیسا بھرا ہوا
پھولوں سے کیا قفس کبھی چھایا نہ جائے گا

دن دو پہر وہ کھولے ہوئے بال آئے ہیں
اب گیسوؤں کا قبر سے سایا نہ جائے گا

چھوٹی سہی یہ وصال کی شب جائے ڈالے ہے
ہم سے کسی حسین کو ستایا نہ جائے گا

رکھیں سب مجھے معاف وہ تکلیفِ شاکت سے — اس آگ میں یہ دل تو جلایا نہ جائے گا
روشن چراغِ قبر نہیں دل کا داغ ہے — سو آندھیوں سے بھی یہ بجھایا نہ جائے گا
کہتے ہیں ہنس کے وہ دل مخمورِ وصل — جو روٹھ جائے گا وہ منایا نہ جائے گا
ڈرتے ہو چھوتے پائے حنائی سے قبر کو — بیٹھو بھی تم سے حشر اٹھایا نہ جائے گا
سینے میں یادگارِ وفا دل کا داغ ہے — اے آسماں یہ تجھ سے مٹایا نہ جائے گا
اس شرط سے کریں دلِ پُر آرزو کا خوں — ہاتھوں میں یہ رہے گا بہایا نہ جائے گا

آئی ہوئی کسی کی اجل کہہ گئی یہ آصف
تا عمر تم سے ہوش میں آیا نہ جائے گا

کچھ آئنے نے اور ہی عالم دکھا دیا — دونوں کو ایک دوسرے نے کیا بنا دیا
دیوانگی نے میری سب مجھے کیا مزا دیا — اُن کو بھی ساتھ میرے تماشا بنا دیا
طاعت کا ان بتوں نے سلیقہ سکھا دیا — خود کیا ملے کہ مجھ کو خدا سے ملا دیا
صیاد کو بھی کچھ ترس آیا بہار میں — در کھول کر قفس کا مجھے خود اڑا دیا
ننھے سے دل کی چھوٹی سی تربت بنائی تھی — نقشِ قدم نہ تھا جسے تم نے مٹا دیا
کہتے ہیں کوس کوس تک وہ عندلیب کو — کمبخت کی فغاں نے مرا دل دکھا دیا
کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے — واعظ کو کچھ مزا نہ کسی نے چکھا دیا
اتنا ہوا کہ ہاتھ سے کچھ دھجیاں گئیں — دستِ جنوں نے کانٹوں سے دامن چھڑا دیا
پہچان ہی لیا اُنھیں فتنوں نے حشر کے — انگلی اُٹھا کے دور سے اُن کو بتا دیا
شوخی سے ہر شگوفے کے ٹکڑے اڑا دئے — جس غنچے پر نگاہ پڑی دل بنا دیا
اس واسطے کہ آؤ بھگت میکدے میں ہو — پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

مجھ کو ادب، حجاب اُنھیں، دُختِ رز خموش
آخر یہ کس نے آنکھ کا پردہ اُٹھا دیا

اِک قبر کا چراغ ہے اِک دل کا داغ ہے
اِس کو جلا دیا کبھی اُس کو جلا دیا

ہم گزرے جس طرف سے اُدھر انگلیاں اُٹھیں
دیوانہ ان حسینوں نے ہم کو بنا دیا

یہ کہہ کے کس ادا سے دیا ساغرِ شراب
لو آج ہم نے زہر بھی اس میں ملا دیا

تم کیا مٹا سکو گے اسے دل کا داغ ہے
نقشِ قدم نہیں جسے تم نے مٹا دیا

میں رو رہا تھا، دل میں مگر گدگدی اٹھی
کچھ اس ادا سے آئے کہ مجھ کو ہنسا دیا

چکرائے میری باتوں سے گم گشتگی میں بھی
جب مل گئے تو خضر کو رستا بتا دیا

تھا حُسنِ اتفاق کہ باہم شرر اُٹھے
وہ خوش ہوئے کہ شمع کو ہم نے ہنسا دیا

دیکھا کوئی حسین کہ ہم مُدعی ہوئے
قاتل اُسی کو حشر میں ہم نے بتا دیا

مجھ سے سیاہ کار کے کام آئی تیرہ گور
یہ تو ہوا فرشتوں کو اندھا بنا دیا

اس بھولے پن کے ساتھ کہ لطف آگیا انھیں
اپنا فسانہ آپ ہی ہم نے سُنا دیا

ہم میں نہ جان حشر میں آئے گی، ہوش کیا
ساقی نے میکدے میں ہمیں کیا پلا دیا

پاؤں تو ان حسینوں کا مُنھ چوم لوں ریاضؔ
آج ان کی گالیوں نے بہت ہی مزا دیا

کوئے دشمن سے اسے چھپ کے نکلتے دیکھا
ہم نے نقشِ قدمِ یار کو چلتے دیکھا

ہائے کیا حال دمِ وصل ہمارا ہوگا
بوسہ لینے میں تمھیں رنگ بدلتے دیکھا

ابر بن کر جو برسنے کو آیا واعظ
بے طرح ہم نے خُمِ مے کو اُبلتے دیکھا

یہ بھی پینا ہے کوئی، چال ہے یہ بھی کوئی
ہر قدم پہ انھیں سو بار سنبھلتے دیکھا

یہی آنکھیں ہیں کہ جن میں نہیں اب نام کو اشک
انھیں آنکھوں سے کبھی خون اُبلتے دیکھا

حشر کے روز نہ تاب ابرِ کرم کو آئی
مجھ گنہگار کو جب دھوپ میں جلتے دیکھا

گیسوئے حور کہو، سبزۂ تربت کیسا
قبرِ دشمن سے دھواں ہم نے نکلتے دیکھا

کوچۂ عشق میں اللہ رے پامردیٔ دل
ٹھوکریں کھا کے اسے ہم نے سنبھلتے دیکھا

غیر کے گھر سے جھجکتے ہوئے تم نکلے تھے
رکتے دیکھا تمھیں پھر چھپ کے نکلتے دیکھا

دل میں کیا جان نہ تھی کیا قطرۂ خوں کی تھی بساط
ملتے دیکھا اسے ہاتھوں سے مسلتے دیکھا

پھول للّے کا کھلا تھا کہ شفق شام کی تھی
وصل کی رات کو بھی رنگ بدلتے دیکھا

کبھی کچھ رات گئے یا کبھی کچھ رات رہے
ہم نے ان پردہ نشینوں کو نکلتے دیکھا

خونِ دل پر ہے عبث رشک تری مہندی کو
اپنی ہی آگ میں ہم نے اسے جلتے دیکھا

دلِ بیتاب تھا یا آگ کی چنگاری تھی
کس قدر جلد انھیں پاپوش سے ملتے دیکھا

واہ کیا رنگ ہے کیا خوب طبیعت ہے ریاض
ہو زمیں کوئی تمھیں پھولتے پھلتے دیکھا

وہ پوچھتے ہیں شوق تجھے ہے وصال کا
منہ چوم لوں جواب یہ ہے اس سوال کا

اٹھے گا لطف خلد میں جا کر وصال کا
موقع ملا جو حشر کے دن دیکھ بھال کا

ہو جامہ زیب چھین لے تو آسمان سے
دامن شفق کا اور گریباں ہلال کا

سو ناز سے جو آئے قیامت تو کچھ نہیں
انداز اور ہے تری مستانہ چال کا

روٹھے ہوئے بھی چھیڑ کے سنتے ہیں میرے شعر
میرے کلام میں ہے مزا بول چال کا

کہتے ہیں رونق اور مری رہگزر کی ہے
لایا ہے رنگ خون کسی پائمال کا

ممکن نہیں کہ سن کے تمھیں ہو شگفتگی
پوچھو نہ حال تم کسی آشفتہ حال کا

میرے گنہ ہیں باعثِ بخشش مرے لئے
میرے گنہ سبب ہیں مرے انفعال کا

دامانِ برقِ طور ہے تیرا حجابِ رُخ — معشوق ہو تو ہو ترے حُسن و جمال کا

دیتے نہ جان ہم جو سمجھتے شبِ لحد — شک تھا کہ آج دن ہی کسی کے وصال کا

قسمت مری وہ آئے مرا دل خریدنے — ہوتا ہے مول آج تو مفلس کے مال کا

رہنا ریاضؔ سایے سے بھی اس کے دُور دُور
دُشمن یہ آسمان ہے اہلِ کمال کا

یہ کافر بت جنھیں دعویٰ ہے دُنیا میں خدائی کا — ملیں محشر میں مجھ عاصی کو صدقہ کبریائی کا

یہ مجھ سے سخت جاں پر شوق خنجر آزمائی کا — خدا حافظ مرے قاتل تری نازک کلائی کا

نہ ہو پہلو میں میرے دل تو کوئی بات کیوں پوچھے — یہی تو اک ذریعہ ہے حسینوں تک رسائی کا

تم اچھے غیر اچھا غیر کی تقدیر بھی اچھی — یہ آخر ذکر کیوں ہے میری قسمت کی بُرائی کا

وہ کیا سوئیں گے غافل ہو کے شب بھر میرے پہلو میں — اُنھیں یہ فکر ہے نکلے کوئی پہلو لڑائی کا

ہزاروں دیدہ و دل بام لاکھوں طور سے بڑھ کر — کروروں جلوہ گاہیں شوق تو ہو خودنمائی کا

قفس میں اب کہاں وہ انبساطِ صبحِ آزادی — چمن تک لطف تھا صیاد میری خوشنوائی کا

اشارے پر ترے چل کر نہ لائے رنگ مشکل ہے — ابھی محتاج ہے خنجر ترے دستِ حنائی کا

کوئی کیا جائے جنت میں کہ اُس نے طول کھینچا ہے — قیامت پر بھی سایہ پڑ گیا روزِ جدائی کا

وہ دن بھی آئے ہم ہوں اور گلیاں ان کے کوچے کی — گدایانہ صدا ہو ہاتھ میں کاسہ گدائی کا

بنائی کیا بری گت میکدہ میں بادہ نوشوں نے
ریاضؔ آئے تھے کل جامہ پہن کر پارسائی کا

نہ ابرِ افشاں نہ کہکشاں ہے نمونہ ہنستی ہوئی جبیں کا
کھلا ہے پرچم گڑا ہے جھنڈا افلاک پر اُس آہِ آتشیں کا

رہے ہیں گُتھ مل کے گیسوئے دونوں یہ ایک ہیں دل کے گیسوئے دونوں
چُھٹا جو ہم سے کسی کا دامن تو ساتھ ہے اشک و آستیں کا

جو ایک ہو تو ہم اُس کو روئیں ہوئے ہیں دشمن بدن کے روئیں
ہمیں تو ہر تارِ آستیں پر گمان ہے مارِ آستیں کا

جو رنگ اُن کا بدل چلا ہے تو شوق اب ہے نہ ولولا ہے
بہت ہی نازک معاملا ہے وصالِ معشوقِ نازنیں کا

چڑھی ہے کچے گھڑے کی ایسی بندھی ہے یہ دُھن ہمیں بھی ساقی
چکھائیں واعظ کو آج ہم بھی ذرا مزا شہد و انگبیں کا

تمھارے انکار نے چبھوئے ہمارے دل میں ہزاروں نشتر
تم ایسے نازک کہ نقش بن کر رہا ہوں پرنشاں نہیں کا

جو چھینٹیں اُڑ کر پڑیں خدایا وہ اور محشر کریں گی برپا
ہے میری گردن پر اور اُلٹا یہ خون قاتل کی آستیں کا

کلی نہ دامن کی مُسکرائے نہ آستیں تیری گُل کھلائے
میں صدقے قاتل نہ رنگ لائے یہ خون دامن کا آستیں کا

ریاضؔ معشوقِ ماہ پیکر کوئی نہ کوئی ہے جلوہ گستر
کہ شام آئی ہے جو مرے گھر وہ چاند لائی ہے چودہویں کا

چمکے گا اب نہ داغ دلِ داغدار کا
لو بجھ گیا چراغ شبِ انتظار کا

کیسا مٹا کے خاک کیا تیرے شوق نے
میں بن گیا غبار رہِ انتظار کا

شوخی بھی ہے مزاج میں کچھ تمکنت بھی ہے
وہ لے رہے ہیں صبر دلِ بیقرار کا

تارے نکل کے ڈوب گئے آسمان پر / عالم وہی ہے میری شبِ انتظار کا
معشوقِ نازنیں مجھے قابو کے مل چکے / دل بھی مجھے ملا نہ مرے اختیار کا
اللہ میرے گزری ہے کیا ایسی واردات / مُنھ دیکھتے ہیں سب مری شمعِ مزار کا
تسکین دے دو وعدۂ محشر سے جھوٹ سچ / ٹوٹے نہ آسرا دلِ اُمیدوار کا
اُبھری ہوئی یہ شاخ میں کلیاں گلاب کی / جوبن دکھا رہی ہیں عروسِ بہار کا
تھی دل میں گدگدی کہ میں پوچھوں دمِ وصال / یہ تو ہنسا کہ پھول کھِلا تیرے ہار کا
وہ لاکھ زلف کھول کے بیٹھیں عدو کے گھر / عالم کچھ اور ہے مرے شبہائے تار کا

اُمید ہے کہ شب کو بھی ہو شغلِ مے ریاضؔ
مُنھ صبح ہوتے دیکھ لیا روزہ دار کا

ارمان ہے کہ پھول کھِلے اُن کے ہار کا / گھونگھٹ کہیں کھُلے بھی عروسِ بہار کا
کیا چرخ پر یہ عکس پڑا لالہ زار کا / دامن شفق بنی ہے عروسِ بہار کا
خُم دوش پر بغل میں صراحی وہ روزِ حشر / اُٹھنا مزار سے وہ کسی بادہ خوار کا
ہے بات کچھ بنی ہوئی بازارِ حسن میں / مجھ کو گراں ہے مُفت بھی سودا اُدھار کا
اس لُطف سے بہار کچھ آئی ہے اب کے بار / پانی میں بھی مزا ہے مے خوشگوار کا
خدمت تو دیکھنا شفقِ شام کی ذرا / بتلا رہی ہے وقت یہ اُن کے سنگار کا
رکھنا پڑا ہمیں خُم و مینا کو سر بہ مُہر / کوئی بھی آدمی نہ ملا اعتبار کا
مدت کے بعد آئی تھیں دو چار آندھیاں / کچھ حال کہہ گئیں مرے اُجڑے دیار کا
میکش تو کیا گھٹائیں چلیں جھومتی ہوئی / زاہد نہ مجھ سے پوچھ مزا سبزہ زار کا
دولھا دلھن ہیں یا خیر سے دونوں دراز قد / ہے روزِ حشر جوڑ شبِ انتظار کا

حاصل سمجھ لئے ہیں اسے زندگی کا ہم / دن رات ہم ہیں اور تصور ہے یار کا

کس لطف سے کھلی ہوئی آنکھیں ہیں بعد مرگ / ہم مٹ گئے مزا نہ مٹا انتظار کا

اب تو ریاض پھول اڑاتے ہیں رات دن
جوبن یہ لوٹتے ہیں عروس بہار کا

گلچیں یہ اہتمام کسی ایک ہار کا / لوٹا ہے دونوں ہاتھ سے جوبن بہار کا

موتی بنے گا خاک یہ اشک ان کے ہار کا / دامن کے تار کا نہ گریباں کے تار کا

دیکھے تو کوئی فیض نسیم بہار کا / گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

اٹھوں تو آسمان جو بیٹھوں تو خاک ہوں / ظالم غبار ہوں میں تری رہگزار کا

ایسی مہیب ہو نہیں سکتی لحد کی رات / ٹکڑا ہے یہ بھی کوئی شب انتظار کا

بے نور بے فروغ نہ رونق نہ رنگ و بو / دیکھے تو منہ کوئی مری شمع مزار کا

دامن میں اپنے رکھ لے اسے اے نگاہ شوخ / قربان تیرے دل ہے کسی بے قرار کا

اب میں تو کیا قفس بھی گیا تیرے ہاتھ سے / صیاد آ رہا ہے زمانہ بہار کا

کچھ دور دور رہتی ہے بالیں سے تیرگی / روشن رہے چراغ ہمارے مزار کا

جب آ ملے گی قرض پیئے جائیں گے ضرور / ہم جانتے ہیں مفت ہے سودا ادھار کا

بجلی بنی ہوئی ہے کسی کی نگاہ شوخ / دامن میں اس کے دل ہے کسی بیقرار کا

مینا کا منہ ہے بند یہ ہے احترام صوم / ساغر کا ہونٹھ لب ہے کسی روزہ دار کا

دھبا نہ آئے ریش حنائی پہ اے ریاض
گو بن نہیں مگر ہے زمانہ بہار کا

جچتا نظر میں پھول لگا تو ہے میں خار کا / کیا چھیڑ اے جنوں سہے زمانہ بہار کا

عالم کچھ اور ہے ترے پھولوں کے ہار کا
ہر پھول میں ہے حسنِ عروسِ بہار کا

سایہ جہاں پڑا قدحِ بادہ خوار کا
دامن بنا لہکتے ہوئے سبزہ زار کا

پوچھا کسی نے حال کہ آنسو ٹپک پڑے
رونا مجھے ہے گریۂ بے اختیار کا

سوئے ہوئے نصیب کہاں چونکتے ہیں اب
سایا پڑا ہے میرے تغافل شعار کا

فرقت کے دن ہیں فرق نہیں دن میں رات میں
اب رنگ ہی کچھ اور ہے لیل و نہار کا

آنکھیں جھکائے کیوں مری تربت پہ آئے ہیں
کشتہ ہوں میں کسی نگہِ شرمسار کا

بوتل جب اُس کے حجرے میں خالی بھری ملی
زاہد بھی آدمی ہے بڑے اعتبار کا

کہتی ہے اے ریاض درازی یہ ریش کی
ٹٹی کی آڑ میں ہے مزا کچھ شکار کا

مے نوش جس کو کہتے ہیں موسم بہار کا
اک وقت ہے وہ دخترِ رز کے نکھار کا

لوٹیں گے ہم شباب عروسِ بہار کا
سہرا ہمارے سر ہے گریباں کے تار کا

کہتا ہے ہنس کے پھول ہر اک اُن کے ہار کا
جوبن لٹا ہے آج عروسِ بہار کا

سی دیں جو تُو نے پلکیں تو صیاد کیا ہوا
آنکھوں میں پھر رہا ہے زمانہ بہار کا

تل بھر نہ اس سے کم ہے نہ وہ بال بھر سوا
رات انتظار کی ہو کہ دن انتظار کا

فصلِ جنوں کی یاد میں چھیڑیں نئی نئی
تلووں میں چبھ کے دل میں کھٹکنا ہے خار کا

اُمڈا ہوا جہان وہ میدانِ حشر میں
چلنا وہ جھوم جھوم کے مجھ بادہ خوار کا

کہتے ہیں جس کو پنبۂ مینا ہے شب فروز
ہم میکشوں میں نام ہے صبحِ بہار کا

کیوں آج پھوٹی آنکھ کی پتلی بنا ہے دل
دن دیکھنا نصیب میں تھا انتظار کا

ہے میری مشتِ خاک دو عالم کی کائنات
ہر ذرہ آسمان ہے میرے غبار کا

ہیں لاکھ لاکھ دستِ حنائی سے اہتمام / جلتا نہیں چراغ ہمارے مزار کا
آئیں عدو کو ساتھ لئے آئیں تو سہی / دیکھیں تو آ کے حالِ دلِ بے قرار کا
روزِ شمار بھی تو ہے گنتی کا ایک دن / ہو گا شمار کیا ستمِ بے شمار کا
واعظ نہ آپ بزم میں چھلکائیں جامِ خلد / کھلوائیں منہ جناب نہ مجھ بادہ خوار کا
گھر سے جنوں کے جوش میں جانا وہ سوئے دشت / لینا قدم وہ دور سے صحرا کے خار کا
جو اوس، خشک سبزۂ تربت نہ تر کرے / دامن وہ موتیوں سے بھرے سبزہ زار کا
پیرس کی رزم بزم ہمیں بھی نصیب ہو / لطف آئے ہم کو بھی رہا مے کے شکار کا
غم نہیں شفق سے بارشِ مے کی امید ہے / بدلا ہے رنگ صبح سے اب کارزار کا
ساقی رہے خیال کوئی یہ نہ کہہ سکے / ہے آسمان اور سمندر کے پار کا
گاندھی بھی اپنے کام میں آندھی سے کم نہیں / کم ہوں تو کام دیں یہ نسیمِ بہار کا

چوری گئی شراب تو کیا ڈر دمے وہ ہے
جو نام ہے ریاض سے پرہیزگار کا

کیا نام لوں میں شیخِ تہجد گزار کا / ہے کام میکدے میں بڑے ہوشیار کا
پوچھیں جنوں میں حال نہ وہ مجھ سے زار کا / ہے ہاتھ پر گمان گریباں کے تار کا
بنتا ہے شب کو داغ دلِ داغدار کا / روشن رہے چراغ ہمارے مزار کا
ٹھنڈی ہوا ہے نیند ہے موقع ہے پیار کا / میں لطف اٹھا لوں آج تو صبح بہار کا
کتنی ہی مجھ سے توبہ ملے ٹوٹ ٹوٹ کر / اس سے نبھے گا ساتھ نہ مجھ بادہ خوار کا
یہ بجلیاں گریں نہ دلِ بے قرار پر / لیں شوخیاں نہ صبر دلِ بے قرار کا
لالے کا پھول ہے سر بالیں کھلا ہوا / شب میں یہی چراغ ہے اپنے مزار کا

اے محتسب نہ خلد کے اُس میں نہ اس میں پھول — حجرہ وہ شیخ کا ہے یہ مجھ خاکسار کا
توبہ کا یہ اثر ہے اب جو کہ جام سے — تبخالہ بن گیا ہے لب جوئبار کا
چوری گیا ہے رات کوئی میکدے سے خم — نکلا ہے نام زاہدِ شب زندہ دار کا
کھڑکی کھلی تو بامِ قفس سے میں چڑھ گیا — احسان ہے جھکی ہوئی اک شاخسار کا
خوابِ سحر ہے چہرے حسینوں کے دیکھئے — چہروں پر اُن کے حسن وہ صبحِ بہار کا
یہ آج کس کے پائے حنائی کے نقش نے — روشن کیا چراغ ہمارے مزار کا
پی پی کے اُس نے سجدے کئے ہیں تمام رات — اللہ رے شغل زاہدِ شب زندہ دار کا
خم سے نہ ہو وہ سیر میں چلّو سے سیر ہوں — یہ ظرف شیخ کا ہے یہ مجھ میگسار کا
قطرے میں بھی شراب کے دریا نظر پڑے — اتنی ملی کہ شکر ہے پروردگار کا

ہے دیکھنے کی چیز قیامت میں اے ریاضؔ
جانا لحد سے اُٹھ کے ہمارے غبار کا

شب کو غازہ جو ملا حُسن بلا کا نکلا — ماہِ کامل تری تصویر کا خاکا نکلا
کون کشتہ نہ تری تیغِ ادا کا نکلا — ناز سے کام لیا نام قضا کا نکلا
ہو چکا حشر مگر اپنی لحد سے باہر — کوئی کشتہ نہ تری تیغِ ادا کا نکلا
نامہ بر بن کے ترے کوچے سے وہ ہو آئی — کام ہاتھوں سے مرے بادِ صبا کا نکلا
داورِ حشر کے آگے نہ ستم کی ٹھہری — اے جفا جو کوئی حیلہ نہ جفا کا نکلا
میں یہ سمجھا تھا کہ ہوگا دلِ پُرخوں میرا — اُن کی مٹھی جو کھلی رنگ حنا کا نکلا
حشر میں جورِ بتاں کی وہ شہادت دیتا — کوئی اتنا بھی تو بندہ نہ خدا کا نکلا
جب سے رندوں میں ہوا جامِ سفالیں ایجاد — پانی پانی یہ ہوا جام نہ جم کا نکلا

ہم سمجھتے تھے ریاضؔ اس کو بہت شوخ و شریر
وصل کی رات تو پتلا وہ حیا کا نکلا

لطف دیتا ہے یہ ہر بار ترا کیا کہنا
میں بھی کہہ لوں مرے دلدار ترا کیا کہنا

وصل پر جب سے زباں غیر کو دی ہے تو نے
مجھ سے اقرار نہ انکار ترا کیا کہنا

نشۂ مے میں بھی لغزش کی کوئی بات نہیں
تیرے صدقے مرے ہشیار ترا کیا کہنا

ڈال دی جان ہر اک نقش قدم میں تو نے
واہ ری شوخیِ رفتار ترا کیا کہنا

کیا رقیب اب تری باتیں نہیں سنتے اگر
اب نہیں مانتے اغیار ترا کیا کہنا

پانوں مستی میں بھی رکھا تو سنبھل کر رکھا
بولی لغزش دم رفتار ترا کیا کہنا

باتیں معشوقوں کی کانوں میں ہیں ہوش میں میں
نشۂ بادۂ گفتار ترا کیا کہنا

تیرے پامال نے حسرت کی نگاہیں بھی کیں
بول اٹھی شوخیِ رفتار ترا کیا کہنا

قدر کی آج انھوں نے بھی سر بزم ریاضؔ
بولے سن کر مرے اشعار ترا کیا کہنا

اے اشک غم ان آنکھوں سے تو سرخرو ہوا
بے خوش ہو دل کے ساتھ جگر بھی لہو ہوا

تیرا ہوا جو خون تو دل بھی لہو ہوا
آخر مآل کار یہ اے آرزو ہوا

آیا جو محتسب تو بنی رزم بزم مے
مجروح خم، شہید ہمارا سبو ہوا

کوثر کا حوض حشر میں سر پر لئے پھروں
چلائے شیخ یہ بھی تمھارا سبو ہوا

نشہ میں گر کے ہاتھ سے ساغر ہوا جو چور
ہر ریزہ حباب کے سبزہ لب آبجو ہوا

کس سے کہیں کلیم جو گزری کلیم پر
پردے سے بات کر کے جو بے پردہ تو ہوا

نکلے جو خار بعد جنوں سوئیاں چبھیں
دامن کوئی ہزار جگہ تو رفو ہوا

دہلی میں وائسرائے کے مہماں ہوئے ریاضؔ

دربارِ قیصری سببِ آبرو ہوا

اُن سے اُبھار اُف رے زمانہ اُٹھان کا
کل بام پر تھے آج ہے قصد آسمان کا

رونا لکھا نصیب میں ہے اپنی جان کا
شکوا نہ آپ کا نہ گلا آسمان کا

بازار میں بھی چلتے ہیں کوٹھوں کو دیکھتے
سودا خریدتے ہیں تو اونچی دُکان کا

یہ بھی خدا کی شان ہم اب ایسے ہو گئے
سایا بھی بھاگتا ہے تمھارے مکان کا

کیوں غم نصیبِ دل کو بُرا کہہ رہے ہو تم
کیوں صبر لے رہے ہو کسی بے زبان کا

واعظ شراب خانے میں کھوئے گا کیا زباں
ہم خوب جانتے ہیں وہ ٹرّا ہے تھان کا

ہم جامِ مے کے بھی لبِ تر چوستے نہیں
چسکا پڑا ہوا ہے تمھاری زبان کا

میں دل کی واردات تو کہنے کو کہہ چلوں
کس کو یقین آئے گا میرے بیان کا

یہ تو کہا، بجھے ہو لہو تھوکنا نصیب
تم نے کبھی دیا کوئی ٹکڑا بھی پان کا

میں جاؤں یا نہ جاؤں اُنھیں لے کے بام پر
بدلا ہوا ہے رنگ بہت آسمان کا

افسانہ تم نے قیس کا شاید سُنا نہیں
ٹکڑا ہے ایک وہ بھی مری داستان کا

اب کوئی سینہ چیر کے رکھے کہ دل بنائے
آویزہ گر پڑا ہے کوئی اُن کے کان کا

آیا جو غیر، لُطف بہت دیر تک رہا
بدلا تھا میں نے بھیس ترے پاسبان کا

دُنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاضؔ پہ
کس وضع کا جوان ہے کس آن بان کا

اُو دل رُسوا اُسے رُسوا کیا
کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

مجھ کو تم کو غیر نے رُسوا کیا
کہہ بھی دو اچھا کیا اچھا کیا

سنگِ در سر سے جدا ہوتا نہیں — سجدہ کر کے دردِ سر پیدا کیا
واہ رے دستِ جنوں زورِ جنوں — چاک تم نے دامنِ صحرا کیا
مے پرستی کی خدا کو چھوڑ کر — دین بھی نذرِ مے و مینا کیا
حشر کے دن بھی وہی ہیں شوخیاں — آج بھی تو وعدۂ فردا کیا
کوندتا کون آگ میں لے برقِ طور — میں تماشا دور سے دیکھا کیا
اے شبِ فرقت نہ آئی تجھ کو شرم — غیر کے گھر جا کے مُنھ کالا کیا
قبر پہ اُبھرا یہ جاتے ہی ترے — نقشِ پا نے حشر ہی برپا کیا
اُس کو بھی حُسن آفریں رُسوا کرے — اے حسیں جس نے تجھے رُسوا کیا
تھا حنا سے ساز، پیسا دل کو بھی — آپ نے انصاف تو اچھا کیا
قبر میں ہے آج او پردہ نشیں — اے ترے رُسوا نے بھی پردا کیا

توبہ کر کے آج پھر پی لی ریاضؔ
کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

یہی ہے اُن کی نزاکت تو حال کیا ہوگا — مجھے یہ ڈر ہے کہ وقتِ وصال کیا ہوگا
کسی کا سبزۂ تربت نہ ہو سکا پامال — خرامِ ناز سے دل پائمال کیا ہوگا
لحد پہ آنے لگا کیوں پسِ فنا کوئی — مٹے ہوؤں کا کسی کو خیال کیا ہوگا
وہ سن ہی کیا ہے سمجھ ہو جو ایسی باتوں کی — وہ پوچھتے ہیں کہ روزِ وصال کیا ہوگا
نہ دل رہا نہ طبیعت رہی نہ وہ پہلی سی — کسی کی بات کا ہم کو ملال کیا ہوگا
کنارِ شوق میں کیوں آئنے کی خواہش ہے — وہ بات ہی نہیں چہرہ نڈھال کیا ہوگا
اجل خدا کے لئے رحم کر حسینوں پر — ملا کے خاک میں حُسن و جمال کیا ہوگا

مری خوشی کی اُنھیں کس لیے خوشی ہوگی   مرے ملال کا اُن کو ملال کیا ہوگا
بتائیں کیا تمھیں کیونکر گلے لگائیں گے   بتائیں کیا تمھیں روزِ وصال کیا ہوگا
شراب پینے کی عادت ہے مجھ کو چلّو سے   مجھے ملا بھی تو جامِ سفال کیا ہوگا

ریاضؔ عمر تو گزری سیاہ کاری میں
خبر نہیں کہ ہمارا مآل کیا ہوگا

کیوں بجھے یہ چراغ محفل کا   چاند اس گھر کا داغ ہے دل کا
خونِ بسمل کی شوخیاں دیکھو   آج دامن رنگا ہے قاتل کا
میری تُربت کا ایک اک ذرّہ   تم کو دے جائے گا مزا دل کا
اثرِ اضطرابِ قیس نہ پوچھ   پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا
نہ وہ تُربت نہ پھول تُربت کے   نہ وہ جھرمٹ رہا عنادل کا
دیکھیے گا سنبھل کے آئینہ   سامنا آج ہے مقابل کا
کچھ عجب رسم و راہ ہے ان میں   نہ کھلا راز دیدہ و دل کا
تھک کے بیٹھے جہاں، یہ چین ملا   کہ نہ پوچھا نشان منزل کا

بزمِ دشمن میں ہیں ریاضؔ بھی آج
جمنے دیں گے نہ رنگ محفل کا

روگ تھا آزار تھا اچھا ہوا جاتا رہا   ایسے دل کا رنج کیا جاتا رہا جاتا رہا
صدقے روزِ وصل کے شکوہ مرا جاتا رہا   اُن کا شکوہ رہ گیا میرا گلا جاتا رہا
اب وہ شاہد پرستی ہے نہ ذوقِ میکشی   مٹ گئیں وہ صحبتیں وہ مشغلا جاتا رہا
کیا کروں لے آرزوئے دیدِ ارمانِ وصال   نامہ بر تو عمر بھر آتا رہا جاتا رہا

شرم ہے صبحِ شبِ وصل اور بھی دونی مگر — شام کو جو تھا وہ اندازِ حیا جاتا رہا
مرگِ دشمن پر کفِ افسوس کیوں ملتے ہیں آپ — ہاتھ ملئے ہاتھ سے رنگِ حنا جاتا رہا
سوئے گردوں ہم مصیبت میں اٹھا دیتے تھے ہاتھ — کیا کریں جب کام سے دستِ دعا جاتا رہا
صبح ہوتے جب کہا میں نے کہ ہے کچھ التماس — ہنس کے بولے وقتِ عرضِ مدعا جاتا رہا
میری صورت پر ترس کیوں دشمنوں کو آگیا — تیرے صدقے کیوں وہ اندازِ جفا جاتا رہا
دیکھنا شوخی وہ کہتے ہیں مرے ہوتے ہوئے — کیوں توقع مٹ گئی کیوں آسرا جاتا رہا
اس طرح اپنے دل کو ڈھونڈھنے نکلے ہیں ہم — پوچھتا ہے ہر حسیں گھبرا کے کیا جاتا رہا
لٹ گئی شب کو وہ شے جس کو چھپاتے تھے بہت — ان حسینوں سے کوئی پوچھے کہ کیا جاتا رہا

دستِ شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاضؔ
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

اگر ان کے لب پر گلا ہے کسی کا — تو بے جا بھی شکوہ بجا ہے کسی کا
حسیں حشر میں سر جھکائے ہوئے ہیں — وفا آج وعدہ ہوا ہے کسی کا
وہ جوبن بہت سر اٹھائے ہوئے ہیں — بہت تنگ بندِ قبا ہے کسی کا
وہ خود چاہتے ہیں کوئی اب ستائے — ستانا مزا دے گیا ہے کسی کا
جو ہیں دستِ گستاخ اپنے سلامت — تو جھوٹا ہی وعدہ وفا ہے کسی کا
وہ کیوں اٹھ کے خلوت سے محفل میں آئیں — وہ کیا جانیں کیا مدعا ہے کسی کا
بنا لوں، خدا، تو بھی میرے نہ ہوں گے — بتوں میں کوئی بھی ہوا ہے کسی کا
کوئی گود میں جھم سے آ ہی گیا ہے — تصور ہمیں جب بندھا ہے کسی کا
ریاضؔ ورہی رنگ میں مست ہیں اب — سنا ہے پیا لا پیا ہے کسی کا

چُبھ کے سینے میں مرے قاتل کا پیکاں رہ گیا
چٹکیاں لینے کو دل میں دل کا ارماں رہ گیا

رہ گیا ہاں غیر کو آنے کا ارماں رہ گیا
سایہ میرا اُن کے در پہ بن کے درباں رہ گیا

ہائے ری دیوانگی ہم پھول چنتے رہ گئے
موسمِ گل میں سلامت اب کے داماں رہ گیا

رہ گیا محروم مجھ سے کون اے فصلِ بہار
ہاں مگر میں رہ گیا میرا بیاباں رہ گیا

اُس نمک پاشِ جراحت نے کیا اچھا علاج
زخم میرے بھر گئے خالی نمکداں رہ گیا

سایہ چھوٹا جست کرتے ہی کہ جاتی تھی بہار
اے جنوں سایا سرِ دیوارِ زنداں رہ گیا

بات ہی ایسی تھی یہ منھ چوم لیتے ہم ضرور
وہ تو کہئے لب تک آتے آتے پیماں رہ گیا

قیس دیوانوں میں اک باقی تھا اب وہ بھی نہیں
پھاڑ کھانے کو مجھے خالی بیاباں رہ گیا

اُڑ گیا پریوں کا سایا بھی مری تقدیر سے
میرے سر پر سایۂ دیوارِ زنداں رہ گیا

کیوں پھر آئے رستے سے اُلٹے پانوں تم دشمن کے گھر
رہ گیا بھولے سے کچھ یا کوئی ارماں رہ گیا

ایک میں باقی تھا میں بھی ہو گیا گمراہِ عشق
اس زمانے میں بتو کوئی مسلماں رہ گیا

تیرے صدقے کیا ہوئیں دشمن سے باتیں کہہ بھی دے
اُٹھ رہی کوئی قسم یا کوئی ارماں رہ گیا

سخت جاں وہ ہوں کہ بسمل ہو کے بھی نکلی نہ جان
مجھ کو حسرت رہ گئی قاتل کو ارماں رہ گیا

تار ہیں نکلے ہوئے کچھ خار ہیں اُلجھے ہوئے
اے جنوں داماں مرا اب کوئی داماں رہ گیا

عمر بھر رونا رہے گا دیکھنا اے اشکِ شرم
میرے دامن میں جو کوئی داغِ عصیاں رہ گیا

رہ گئے وہ آتے آتے رہ گیا سامانِ وصل
آج ساماں ہو چکا تھا ہو کے ساماں رہ گیا

تھے جو کانٹے راہ میں اب اس صحرا میں ہائے
کوئی بھی دیوانہ زُلفِ پریشاں رہ گیا

رہ گیا آنچل ہی آنچل دے چکی محرم جواب
ایک ہی جوبن کا اُن کے اب نگہباں رہ گیا

جاتے جاتے مجھ کو زنداں کی محبت آ گئی
میں اُچک کر آج سائے دیوارِ زنداں رہ گیا

ہو گی رُسوائی مری دُنیا میں اے دستِ جنوں
ایک بھی باقی اگر تارِ گریباں رہ گیا

قیس بھی باقی نہیں میں ہوں خدا کی ذات ہے
ہُو کا عالم ہو گیا خالی بیاباں رہ گیا

ناتوانی میں دیا دستِ جنوں نے بھی جواب
پھانسی دینے کو مجھے میرا گریباں رہ گیا

کون آئے اب کفن کے کام اے دستِ جنوں
تارِ داماں رہ گیا تارِ گریباں رہ گیا

کام تو ہیں کافروں کے نام ہے اسلام کا
اب مسلماں رہ گیا کوئی نہ ایماں رہ گیا

ولولوں کے دن نہیں وہ دل نہیں وہ سن نہیں
شوقِ عصیاں مٹ گیا اب خوفِ عصیاں رہ گیا

اک بُتِ کافر کو دل دے کر ہوا کافر ریاضؔ
اب تقدس رہ گیا اس میں نہ ایماں رہ گیا

بتا دو تم ہمیں بیداد کرنا
سکھا دیں ہم تمھیں فریاد کرنا

وہ پہلے مُسکرا کر یاد کرنا
وہ پھر شرما کے کچھ ارشاد کرنا

قفس کی تیلیاں توڑیں تڑپ کر
نہیں آتا اُنھیں آزاد کرنا

تمنا جس کی ہے وہ دن تو آئے
تمھیں آ جائے گا بیداد کرنا

ہم آ جائیں گے اپنی یاد بن کر
نہ بھولے سے ہمیں تم یاد کرنا

قیامت ڈھاتی ہے مظلوم کی آہ
سمجھ کر تم ذرا بیداد کرنا

تصور میں یہ کوئی کہہ رہا ہے
شبِ فرقت میں ہم کو یاد کرنا

قفس میں رہ گئے قیدِ نغمہ سنجی
ستم ہے خاطرِ صیاد کرنا

سکھایا ہے ہمیں ظالم بتوں نے
مصیبت میں خدا کو یاد کرنا

ہماری خاک ہے رسوائے حسن
سمجھ کر تم اسے برباد کرنا

ریاضؔ اک مردِ آخر بیں ہو تم بھی
سمجھ کر عاقبت برباد کرنا

نہ مُنھ دیکھو او چشمِ سوزن کسی کا
رفو کرنے بیٹھے ہیں دامن کسی کا

مزا ہو کہ جھجک جُھک کے رہ جائے بجلی
گلوں سے چھپا ہو نشیمن کسی کا

یہ شوخی کہ اُڑتی ہے ٹھوکر سے اُن کی
ادب بھی کچھ او خاکِ مدفن کسی کا

دل اتنے بچھے ہوں کہ دب جائیں فتنے
جھٹک دے دل جو محشر میں دامن کسی کا

یہ بجلی ہے کیوں گرد میرے قفس کے
چمن میں تبا دو نشیمن کسی کا

زمانے میں ڈرنے کی چیز اک ہمیں ہیں
ہمیں لوٹ لیتے ہیں جوبن کسی کا

خدا جانے کیا آگ اندر لگی ہے
شرر دے اُٹھا سنگِ مدفن کسی کا

جوانی کے دامن سے لپٹا ہوا ہے
نہ اب تک ہائے بچپن کسی کا

وہ گل کرنے کیوں شمعِ تربت کو آئے
ہمیں کیا، ہوا نام روشن کسی کا

وہ صبحِ شبِ وصل نیچی نگاہیں
وہ مسکا ہُوا ہاے دامن کسی کا

ریاضؔ ایسی دیوانگی روزِ محشر
ارے چھوڑ کمبخت دامن کسی کا

مشکل اس کوچے سے اُٹھنا ہو گیا
حشر بھی نقشِ کفِ پا ہو گیا

دیکھ واعظ مجھ کو میں کیا ہو گیا
آدمی تھا، پی، فرشتا ہو گیا

اور ہی وادی وہ ہے اے اہلِ طور
قیس جس میں جا کے لیلےٰ ہو گیا

شاخ میں جب تک یہ ہے انگور ہے
شیخ نے توڑا کہ مینا ہو گیا

تم کو سمجھا حُورِ تیرہ گور میں
اے فرشتو مجھ کو دھوکا ہو گیا

مُنھ جو کعبے میں کھُلا وقتِ اذاں
بند ناقوسِ کلیسا ہو گیا

میکدہ واعظ سے اب چھٹتا نہیں
او ہمیں آباد وہ پیا ہو گیا

اے بُتو اللہ کو سونپا تمھیں
بتکدہ سُنتا ہوں کعبا ہو گیا

باغ تک جاتے بھی ہیں آتے بھی ہیں
اب قفس تو گھر ہمارا ہو گیا

آسکے گا پینے پلانے کا مزا
پارسا اب بادہ پیما ہو گیا

موت آئی آپ کا مُنھ دیکھ کر
آپ کا بیمار اچھا ہو گیا

ڈوب جائیں تارے وہ طوفاں کہاں
اشک تو آنکھوں کا تارا ہو گیا

رنگ بدلا گیا زمانے نے ریاضؔ
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا

او بُتِ کافر تجھے کیا ہو گیا
غیر کے سجدے سے خدا ہو گیا

ہے یہ بہت نشہ ذرا ہو گیا
مل گئی تھوڑی سہی بھلا ہو گیا

حشر نیا آگے مرے مُنھ پر نقاب
میں بھی کوئی آج نیا ہو گیا

پانی پیا ساغرِ مے میں اگر
وہ بھی سے ہوش رُبا ہو گیا

مجھ سے بڑھا ہے مرے قاصد کا شوق
نامہ ملا اور ہوا ہو گیا

کس کی نظر او دلِ ناداں لگی
میں ترے صدقے تجھے کیا ہو گیا

بگڑی ترے آتے ہی ترتیب بزم
حشر میں ہنگامہ بپا ہو گیا

کہتے ہیں رات آئی جہاں وصل کی
جان کو تو میری بلا ہو گیا

جھومتے ہیں بیٹھے حرم میں ریاضؔ
آ کے یہاں نشہ سوا ہو گیا

نازک ہیں نزاکت کا بیاں ہو نہیں سکتا
وہ ایسے ہیں کچھ اور گماں ہو نہیں سکتا

تو اور رہِ شوق اس آہستہ روی سے
اب ساتھ ترا عُمرِ رواں ہو نہیں سکتا

میں کون ہوں کیا ہوں نہیں معلوم کہاں ہوں — مجھ سا کوئی بے نام و نشاں ہو نہیں سکتا
اس شیخ کہن سال کی اللہ رے بزرگی — جنت میں بھی جاکر یہ جواں ہو نہیں سکتا
میں اور شبِ وصل کہوں تجھ سے ہی دل کی — ہو منھ میں تمہارے میری زباں ہو نہیں سکتا
ایفا جو کریں وعدہ تو سو حشر میں موقعے — کیا ہو نہیں سکتا ہے کہاں ہو نہیں سکتا
کھل کھیلی ہیں ہر طرح جوانی کی امنگیں — ایسوں کا تو کوئی نگراں ہو نہیں سکتا
کہتی ہے پکارے سے نقابِ رخِ روشن — یہ حسن تو پردے میں نہاں ہو نہیں سکتا
اکسیر ہے زاہد سے معشوق کا ملنا — یہ خوب کبھی پیر جواں ہو نہیں سکتا
بن جاتی ہے ہر بات جو موقع بھی خدا دے — یہ جھوٹ ہے سچ عہدِ بتاں ہو نہیں سکتا
جب لوگوں میں دونوں کی بزرگی ہے مسلم — کیا شیخ حرم پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا
وہ ساتھ گئی وقت کے تھی وقت کی جو بات — دیکھا ہے جو ہم نے وہ سماں ہو نہیں سکتا
کام آئے ہمارے جو حسینوں کی جوانی — کیا ہم سا کہن سال جواں ہو نہیں سکتا
رکھ لیں ابھی سر پر جو ملے بارگنہ اور — یہ بار ہو کتنا بھی گراں ہو نہیں سکتا
ہر راز میں سو باتیں ہیں ہر بات میں سو راز — افسانۂ دل ہم سے بیاں ہو نہیں سکتا

ہم نے بھی ریاضؔ آپ کے اشعار سنے ہیں
یہ لطفِ بیاں لطفِ زباں ہو نہیں سکتا

الفت میں عیاں سوزِ نہاں ہو نہیں سکتا — یہ آگ ہے ایسی کہ دھواں ہو نہیں سکتا
کیا پارۂ دل کوئی زباں ہو نہیں سکتا — کیا اڑ کے لہو رنگِ فغاں ہو نہیں سکتا
او جلوہ گہِ طور کے کھل کھیلنے والے — کیا دل کوئی خلوت کا مکاں ہو نہیں سکتا
مجھ کو ہے لبِ جامِ شکستہ بھی مہِ عید — ساقی یہ ہلالِ رمضاں ہو نہیں سکتا

جوبن سے ہے مسکی ہوئی محرم کا اشارہ — یہ دن وہ ہیں کوئی نگراں ہو نہیں سکتا
جانے میں وہاں آندھی ہے اے آہِ رسا تو — کیا اشکِ رواں سیلِ رواں ہو نہیں سکتا
دن اور جگہ اور ہو اے داورِ محشر — انصاف حسینوں کا یہاں ہو نہیں سکتا
دیوانۂ لیلے کو نہ لیلے سے رہا کام — کچھ اور بلا ہے خفقاں ہو نہیں سکتا
جو دام اُٹھیں حسنِ جوانی کے وہ کم ہیں — سودا یہ کسی طرح گراں ہو نہیں سکتا
بتخانے بنا کرتے ہیں کس طرح مساجد — جب نغمۂ ناقوس اذاں ہو نہیں سکتا
دیوانوں کا انداز اُڑاتے ہیں عنادل — دیوانے ہیں یہ رنگِ فغاں ہو نہیں سکتا
یہ جان کو میری ہے عذاب آٹھ پہر کا — دل سا بھی کوئی آفتِ جاں ہو نہیں سکتا
ہیں پیری و طفلی و جوانی کے مزے اور — دُنیا سا کوئی اور جہاں ہو نہیں سکتا
بدلے گئے ہیں چرخ کے سب چاند ستارے — وہ وصل کی راتیں وہ سماں ہو نہیں سکتا

بننے کو ریاض آپ بنیں کوہکن و قیس
ہیں ساختہ باتیں خفقاں ہو نہیں سکتا

تو اے فلکِ پیر جواں ہو نہیں سکتا — پہلے ہو جواں یہ بھی گماں ہو نہیں سکتا
ساقی کی گڑی آنکھ ہے کیوں کعبۂ دل پر — یہ بادہ فروشوں کی دُکاں ہو نہیں سکتا
اک چاند سی ہے شکل ہم آغوشیٔ شب کو — اس سے فلکِ پیر جواں ہو نہیں سکتا
جنت میں نہ بیٹھیں گے لگا کے کبھی مہندی — یہ عذر حسینوں کو وہاں ہو نہیں سکتا
کچھ خشک سا ہے تربتِ میخوار کا سبزہ — کیا ابرِ بہار اشک فشاں ہو نہیں سکتا
جب کاتبِ اعمال ہوئے بار نہ ہم کو — تو بارِ معاصی کا گراں ہو نہیں سکتا
ہر شام نہ جس کی سحرِ عید ہو واعظ — میخانے میں ایسا رمضاں ہو نہیں سکتا

ملتی ہے درِ ساقیِ کوثر سے خدمت — اس طرح کوئی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا
ہے دل سے سوا طفلِ سرشک آنکھ میں میری — بچپن ہو یہ جس کا وہ جواں ہو نہیں سکتا
اچھا کہ بُرا کوئی بھی ہو گھر ہے یہ اُس کا — میخانہ مرا باغِ جناں ہو نہیں سکتا
ہم دردِ محبت میں نہ کرتے کبھی اُف بھی — مجبور ہیں اب ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا
ہٹتی نہیں چہرے سے نقابِ رُخِ روشن — اس حُسن سے کوئی نگراں ہو نہیں سکتا
رہنے کی حسینوں میں ہے صندے آدلِ ناداں — تجھ سا بھی کوئی دشمنِ جاں ہو نہیں سکتا

شاید ہو ریاض اس میں کوئی بوند لہو کی
دل دیدۂ خونناب فشاں ہو نہیں سکتا

مے چُرانے میں ہمیں ہے یدِ طولیٰ کیسا — ہم اُڑا لائے سُبو آج اچھوتا کیسا
دلِ بیتاب بھی کیا اشک کے طوفاں میں گیا — پُر شکن موج سے ہے دامنِ دریا کیسا
جائیے جائیے ہم حشر میں سُننے کے نہیں — آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا
کہتے ہیں خوب کبھی ہم نہ ستائیں تم کو — تم جو پا جاؤ ستاؤ ہمیں کیسا کیسا
سایۂ تاک میں واعظ کو جگہ دی ہم نے — آج شیشے میں اُسے ہم نے اُتارا کیسا
حشر کے روز اُمڈ آئی ہے دُنیا کیسی — دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا
تنگیِ رزق میں کھانے کو ملی یہ نعمت — غم بنا آکے مرے مُنھ کا نوالا کیسا
اب یہ عالم ہے کہ پلکیں بھی نہیں تر ہوتیں — انھیں آنکھوں سے بہا دیتے تھے دریا کیسا
دیکھنا چٹکی میں اُن کے کوئی ناوک تو نہیں — مُنھ کو رہ رہ کے یہ آتا ہے کلیجا کیسا
چلمن اُٹھی کسی کمرے کی قیامت بن کر — ہو رہا ہے سرِ بازار تماشا کیسا
مجھ سے مینا یہی کہتا ہے بہ آوازِ بلند — میرے ہوتے ہوئے اندیشۂ فردا کیسا

اری لیلے یہ سمجھ کر کہ ترا عاشق ہے ۔۔۔ تیرے ناقے نے کیا قیس سے غمزا کیسا
قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید ۔۔۔ میفروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا
چھا گئیں آکے سر بزم گھٹائیں کیسی ۔۔۔ بن کے طاؤس رہا رقص میں مینا کیسا
جب یہ مل جائیں کلیجے سے لگائے ان کو ۔۔۔ مہ جبینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا
گھر میں دیس ہوں تو یہ رونق نہیں ہوتی گھر میں ۔۔۔ ایک دیوانے سے آباد ہے صحرا کیسا

یوں تو مشہور زمانہ ہیں بہت میر و امیر
کہئے شاعر ہے ریاضؔ سخن آرا کیسا

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا ۔۔۔ مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا
یہ دل کی تڑپ کیا لحد کو ہلاتی ۔۔۔ تمہیں قبر پر پاؤں دھرنا نہ آیا
نمکداں کئے تم نے گو لاکھ خالی ۔۔۔ نمک تم کو زخموں میں بھرنا نہ آیا
یہی دن تھے سو سو طرح تم سنورتے ۔۔۔ جوانی تو آئی سنورنا نہ آیا
دبا تا تھا کافر حسینوں کا جوبن ۔۔۔ مرے داغ دل کو ابھرنا نہ آیا
تری تیغ کیا کیا نہائی لہو میں ۔۔۔ تری طرح لیکن نکھرنا نہ آیا
سنا کردہ کہتے ہیں کس بھولے پن سے ۔۔۔ ہمیں وعدہ کر کے مکرنا نہ آیا
بنے نکھڑی نقش پا کب لحد پر ۔۔۔ تجھے اے صبا گل کترنا نہ آیا

ریاضؔ اپنی قسمت کو اب کیا کہوں میں
بگڑنا تو نہ آیا سنورنا نہ آیا

تمہارا مدعا پورا ستم سے ہو نہیں سکتا ۔۔۔ ہم اپنا دل تمہیں دے دیں یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
جو ہونا ہے ابھی ہے گا ہو گے وہ دن ہے یہ محشر کا ۔۔۔ ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

یہیں سے بندگی دونوں کو پہونچے میکدے والو — تعلق اب مرا دیر و حرم سے ہو نہیں سکتا
بہت پھیکا پڑا رندو! یہ آکر بزم ساقی میں — جمائے رنگ اپنا جام جم سے ہو نہیں سکتا
ٹھہر جائے کبھی دم بھر یہ مجھ بیکس کی تربت پہ — ترے چلتے ہوئے نقش قدم سے ہو نہیں سکتا
جو ناممکن ہے آساں ہے تری شانِ کریمی سے — خدایا کیا ترے فضل و کرم سے ہو نہیں سکتا
مرا دل ہو رہے تیرا ستمگر! یہ بہت مشکل — کرم سے ہو بھی سکتا ہے ستم سے ہو نہیں سکتا
انھیں میں سے کوئی آئے، تو میخانے میں آجائے — ملوث جا کے مے میں اہل حرم سے ہو نہیں سکتا
وہاں ہیں خار و صحرا، استخواں فرہاد و مجنوں کے — بیاباں بڑھ کے صحرائے عدم سے ہو نہیں سکتا

ریاضؔ اک بندۂ عاصی ہوں پھر بھی سچ کہتا ہوں
رہوں محروم میں اس کے کرم سے ہو نہیں سکتا

دوری راہ سے کچھ بیٹھ گیا دل میرا — پانؤں کیا خاک اٹھے اب سوئے منزل میرا
ہوگا ناخن سے نہ وا عقدۂ مشکل میرا — چٹکیاں آپ نہ لیں، اب نہیں دل میرا
رنگ باندھا ہے چمن میں یہ فغاں نے میری — چھپ کے منہ دیکھتے رہتے ہیں عنادل میرا
نہیں اتنا بھی ٹھہر جائے ذرا تیری نظر — کبھی تل گھٹ کے رہا تل سے ترے دل میرا
آستیں رنگ حنا سے آئی لہو دے نکلی — نہ چھپا لاکھ چھپا حشر میں قاتل میرا
کون ہے جان مری پوچھتے ہو کیا مجھ سے — ہے وہی جان مری جس نے لیا دل میرا
منہ اتر جائے اگر آرسی ٹوٹے ان کی — دل مرا دیکھتے ہیں توڑ کے وہ دل میرا
ہے وہ مشتاق رہ عشق میں رکھوں جو قدم — بڑھ کے لے پانؤں ابھی جادۂ منزل میرا
کچھ عجب لطف سے مل جل کے رہا ایک سے ایک — غم ترا جان مری، رنج ترا دل میرا
بولی لیلےٰ، ہوئی اڑنے سے میں اس کے رسوا — آگ لگ جائے اٹھے پردۂ محمل میرا

کثرتِ خارِ الم سے جو ہوا جی چھوٹا / دل بڑھانے کو بڑھا آبلۂ دل میرا

میں کہوں بڑھ کے شبِ وصل سے ہے زلف دراز / تو نہ کہہ گھٹ کے شبِ وصل سے ہے تِل میرا

ہیہ مرا ہو کے رہا بعد فنا تربت میں / جان سے بھی ہے سوا میرے لئے دل میرا

زخم ایسا نہ ہوا ہے تیغ میں تیر کے صدقے / کہ تڑپ جائے مرے ساتھ ہی قاتل میرا

ہاتھ پر رکھ کے اُسے جب وہ چمن میں پہنچے / برگِ گل جان کے بلبل نے لیا دل میرا

جو کھلا پھول بنا زخم مرے دل کا ریاضؔ
جو کلی رہ گئی کھلنے سے بنی دل میرا

رسائی بام تک اُن کے ہو ایسا ہو نہیں سکتا / بلند اتنا مری قسمت کا تارا ہو نہیں سکتا

زمیں بھی اُنکے کوچے کی مجھے بھاری سمجھتی ہے / کہیں ایسوں کا دُنیا میں ٹھکانا ہو نہیں سکتا

تمنا دل کی تم سے کیا چھپاؤں چھپ نہیں سکتی / یہ دل گھر ہے تمھارا تم سے پردا ہو نہیں سکتا

نہ نکلا کام بیمارِ دل کا اُن کا نام کیوں نکلا / وہ اچھے ہیں مسیحا کوئی اچھا ہو نہیں سکتا

ہماری بات رکھ لی آج کس نے طور والوں میں / پکارا کون اِدھر آ تجھ سے پردا ہو نہیں سکتا

اُٹھاؤں ناز بھی دل کے نبا ہوں وضع بھی اپنی / بڑا جھگڑا یہ ہے مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

کیئے ہیں شیشۂ دل چور تو نے سخت باتوں سے / ارے واعظ ترا انجام اچھا ہو نہیں سکتا

سلامت کُنجِ تنہائی سلامت یہ خم و ساغر / بہار آئے نہ آئے مجھ کو سودا ہو نہیں سکتا

ترے کوچے میں اُفتاد آ چکی ہے پیش اس کو بھی / وہ کچھ ہو کھا کے ٹھوکر حشر برپا ہو نہیں سکتا

یہاں رہتا ہے مجمع پاکبازانِ محبت کا / ترے کوچے میں آکر کوئی رُسوا ہو نہیں سکتا

حرم والو ریاضؔ آکر حرم میں ٹہریں کیونکر
گزران کا کہیں بے جام و مینا ہو نہیں سکتا

رہگزر کس کی تھی سجدے میں مرا سر رہ گیا
ناتوانی یہ ترا احسان سر پر رہ گیا

اس سے اچھے دشت و صحرا اس سے اچھے گردباد
عالمِ وحشت میں میرا گھر کوئی گھر رہ گیا

رحم ان کو آ گیا کچھ سخت جانی پہ مری
کیا لہو کے گھونٹ پی کر آج خنجر رہ گیا

در سے سر ٹکرا رہا ہے صبح سے سایا مرا
قیدِ تنہائی تھی وہ زنداں کے باہر رہ گیا

اک شریکِ انجمن سے دخترِ رز کا تھا پیام
لا کے لب تک بزم میں خاموش ساغر رہ گیا

تھی رگِ جاں کی تڑپ بھی کس قدر چبھتی ہوئی
چارہ گر نشتر کے بھی چبھ چبھ کے نشتر رہ گیا

ہل قفس کی تیلیاں ٹوٹیں تڑپنے سے مرے
میرے بازو میں سلامت کب کوئی پر رہ گیا

گھر میں پہونچا تھا کہ آئی نجد سے آوازِ قیس
پاؤں میرا ایک اندر ایک باہر رہ گیا

وصل کی شب ماہ و انجم رک گئے گردش سے کیوں
آج تو کچھ آسماں بھی کھا کے چکر رہ گیا

کام اے رندو نہ آئی حشر کی بھی تیز دھوپ
خشک ہونے سے یہاں بھی دامنِ تر رہ گیا

کیوں قفس سے ہاتھ میں صیاد پھر مجھ کو لیا
تیرے صدقے کیا کترنے سے کوئی پر رہ گیا

حشر میں بھی ساتھ غفلت نے نہ چھوڑا اے یاضل
سو کے ہم اٹھے بھی کب، دن جب گھڑی بھر رہ گیا

ہم اُڑ کر بھی نہ پہونچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا
مبارک شاخِ گل کو شاخِ نخلِ طور ہو جانا

جوانی آتے ہی نشہ میں ایسا چور ہو جانا
یہ دو دن کے لئے اچھا نہیں مغرور ہو جانا

وہ راتیں یاد آتی ہیں وہ باتیں یاد آتی ہیں
مرا کھل کھیلنا ظالم ترا مجبور ہو جانا

بتانِ ماہ سیما کو عجب عالم دکھاتا ہے
سحر ہوتے ہمارے رنگ کا کافور ہو جانا

قیامت ہے وہ تیرا ناز سے انگڑائیاں لینا
ستم ہے کافر آنکھوں کا تری مخمور ہو جانا

دکھا دو مست ہو کر تم اپنا ناز سے چلنا
دکھا دیں شیشۂ دل کا تمھیں ہم چور ہو جانا

مرے دل سے نگاہِ لطف کی کچھ راہ تو نکلی — مبارک میرے زخموں کو ہوا ناسور ہو جانا
کسی کا وصل کی شب کن ادا سے ہائے یہ کہنا — پرائے بس میں پڑ کر ٹھہر ہے مجبور ہو جانا
نظر کے سامنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے — کہ دل سے دور ہونا ہے نگہ سے دور ہو جانا
بھرے ساغر میں ہے بھرپور رنگ اُنکی جوانی کا — غضب ہے بے پئے نشہ میں میرا چور ہو جانا
بہار آئے تری قسمت سے اب کے ہم دکھا دیں گے — ترے سبحے کا زاہد خوشۂ انگور ہو جانا
جو موج آجائے کچھ تو آنکلنا بام پر میرے — ادھر بھی اک ذرا جھولے سے برقِ طور ہو جانا
مزا دیتی ہیں گھڑیاں انتظارِ یار کی کیا کیا — کبھی مسرور ہو جانا کبھی رنجور ہو جانا
کہوں کیا اپنی تربت پر اندھیری رات کا عالم — عجب حسرت فزا تھا شمع کا بے نور ہو جانا

ریاضؔ اس شہر سے اب کیا کریں ہم قصدِ جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاکِ گورکھپور ہو جانا

رنگ پر کل تھا ابھی لالۂ گلشن کیسا — بے چراغ آج ہے ہر ایک نشیمن کیسا
دلِ پُر داغ جو ہوتا ہے لحد میں بیتاب — جھلملاتا ہے چراغِ سرِ مدفن کیسا
میں کہیں کا نہ رہا بادِ خزاں کے چلتے — اُڑ گیا میرے مقدر سے نشیمن کیسا
اب خدا جانے بہار آتی ہے اس میں کہ نہیں — میرے دم سے کبھی آباد تھا گلشن کیسا
چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا
لال ہاتھوں نے کیا ہونٹھوں نے افشاں چن لی — آکے قابو میں لٹا آپ کا جوبن کیسا
ہم نے دیکھے ہیں مقاماتِ تجلی اُن کے — طور کہتے ہیں کسے وادیِ ایمن کیسا
ہے ابھی میرے بڑھاپے میں جوانی کیسی — ہے ابھی اُن کی جوانی میں لڑکپن کیسا
ذبح کے وقت بہت صاف رہا تھا یہ تو — دے اُٹھا خون دمِ حشر یہ دامن کیسا

تو دھری جائے گی اس گھر سے جو نکلی کوئی بات — نگہِ شوق یہ دیوار میں روزن کیسا

میری سج دھج تو کوئی عشقِ بتاں میں دیکھے — ساتھ قشقے کے ہے زنار برہمن کیسا

آئے ہیں داغ نیا دینے وہ مجھ کو پسِ مرگ — آج پھیلا ہے اُجالا سرِ مدفن کیسا

مسی مالیدہ لبِ یار کی سن کر تعریف — مُنھ پھلائے ہوئے ہے غنچۂ سوسن کیسا

باغباں کام ہمیں کیا ہے وہ اُجڑے کہ رہے — جب ہمیں باغ سے نکلے تو نشیمن کیسا

پارسا بن کے ریاض آئے ہیں میخانے میں
آپ بیٹھے ہیں بچائے ہوئے دامن کیسا

یہ سن کے ہیں بلائیں جو سو بار کیا ہوا — ہے ہے بلائے جاں یہ ہوا پیار کیا ہوا

رحمت سے اُس کی خلد کے دروازے کھل گئے — قسمت مری کھلی ہیں گنہگار کیا ہوا

بیکس سمجھ کے ٹوٹ پڑا مجھ پر آسماں — سر سے جدا وہ سایۂ دیوار کیا ہوا

کمبخت دل کی فکر کسے وہ گیا گیا — مجھ کو تو یہ پڑی ہے غمِ یار کیا ہوا

ہلکی شراب پی جو کسی نازنیں کے ساتھ — واعظ میں اس گنہ سے گراں بار کیا ہوا

دشمن کے گھر گئے وہ دبے پاؤں کس طرح — اُس کی گلی میں فتنۂ رفتار کیا ہوا

میں دستِ شوق پیار سے گردن میں ڈال دوں — کہتے ہیں وہ گلے کا مرے ہار کیا ہوا

اے دل نگاہ ملتے ہی شرما گئے وہ کیوں — آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ مرے یار کیا ہوا

قابو میں آکے آج یہ کیوں آپ چپ سے ہیں — فرمائیے وہ روز کا انکار کیا ہوا

وہ کوچۂ رقیب میں یہ قبر پر مری — نقشِ قدم کو شوخیٔ رفتار کیا ہوا

چوری چھپے کی بات تھی کیوں آنکھ کھل گئی — سوئے مرے نصیب وہ بیدار کیا ہوا

وہ کیا بتائیں غیر کو کیونکر زبان دی — اب کیا کہیں کہ غیر سے اقرار کیا ہوا

تھا دیکھنے کا لطف تجھے دیکھتے یہاں / محشر کے دن ہوا بھی تو دیدار کیا ہوا

کہتے ہیں میری راہ میں ہو کوئی پائمال / جاتی ہے پوچھنے مری پیزار کیا ہوا

پیری میں وہ شباب کی سج دھج کدھر گئی / وہ بانکپن وہ طرۂ دستار کیا ہوا

رنگیں وہ ساغرِ مئے گلرنگ کیا ہوئے / پیشِ نظر جو تھا وہ چمن زار کیا ہوا

صدقے ترے نثار ترے اے نگاہِ شرم / چُپ چاپ کچھ بہت ہیں لبِ یار کیا ہوا

چھپتا نہیں چھپانے سے عالم اُبھار کا / آنچل کی تہ سے دیکھ نمودار کیا ہوا

مجھ کو بھی اپنے غنچۂ دل کی تلاش ہے / اُترا ہوا گلے کا ترے ہار کیا ہوا

سینچے ہوئے چمن میں مرے خاک اُڑ گئی / وہ جوششِ اشکِ دیدۂ خونبار کیا ہوا

جن پر حسین لوٹ سے تھے وہ داغ کیا ہوئے / جس کی یہ تھی بہار وہ گلزار کیا ہوا

کوئی نہ کوئی سانحہ گزرا ضرور ہے / اے جانِ زار اے دلِ بیمار کیا ہوا

مقصود ہے کوئی نہ پئے وہ حریص ہوں / واعظ ہوا ہیں رندِ قدح خوار کیا ہوا

سیدھا سا دل بھی پیچ میں تیرے نہ آسکا / کس بل ترا وہ طرۂ طرار کیا ہوا

اُنگلی پر آرسی سے نچایا کسے یہ آج / تیرا غرورِ آئینہ رخسار کیا ہوا

دیکھا کبھی نہ پھر کے مرے خوش خرام نے / کس کس کے دل پہ سے دمِ رفتار کیا ہوا

"فتنے" کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

ہمیں پینے پلانے کا مزا اب تک نہیں آیا / کہ بزمِ مے میں کوئی پارسا اب تک نہیں آیا

ستم بھی لطف دیتا ہے بھولے پن کی باتوں سے / تجھے اے جان اندازِ جفا اب تک نہیں آیا

دمِ آخر سرِ بالیں جو آنے کو وہ آئے بھی / تو ہنس کر کہہ گئے وقتِ دعا اب تک نہیں آیا

سحر ہوتے بجھائے کون اے شمعِ لحد تجھ کو — کوئی جھونکا نسیمِ صبح کا اب تک نہیں آیا
خدا جانے ہوا کیا کوچۂ جاناں میں دل جا کر — مرا بھولا ہوا بھٹکا ہوا اب تک نہیں آیا
گیا تھا کہہ کے یہ قاصد کہ اُلٹے پاؤں آتا ہوں — کہاں کمبخت جا کر مر رہا اب تک نہیں آیا
جسے تم کوستے ہو عمر اُس کی اور بڑھتی ہے — تمھیں سب کچھ تو آیا کوسنا اب تک نہیں آیا
ستم کرنا، دغا کرنا، کہ وعدے کا وفا کرنا — بتاؤ کیا تمھیں آیا ہے کیا اب تک نہیں آیا
کسی نے کوئے دشمن میں چھپا ڈالا مٹا ڈالا — گلی تو آئی اُن کا نقشِ پا اب تک نہیں آیا
یہ کیا انصاف ہے صیاد چھوڑے قید سے مجھ کو — کہ ایسا کوئی مرغِ خوشنوا اب تک نہیں آیا
بتا دیں آ گیا کیا تم کو اس اُٹھتی جوانی میں — بتا دیں کان میں چپکے سے کیا اب تک نہیں آیا
بتانِ نازنیں جب دیکھتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں — تمھاری جان پر قہرِ خدا اب تک نہیں آیا
کیا حسرت سے رخصت صبح کے تاروں کو یہ کہہ کر — کہ جس کا شام سے تھا آسرا اب تک نہیں آیا
یہ غفلت ہے کہ محشر میں بھی آنکھیں بند ہیں میری — سمجھتا ہوں یہی روزِ جزا اب تک نہیں آیا
نہ پھوٹی کوئی کوپل تک مری شاخِ نشیمن میں — خزاں کے بعد موسم دوسرا اب تک نہیں آیا
دیا ہو تو دیا ہو کچھ پیامِ شوق آنکھوں نے — مرے لب پر تو حرفِ مدعا اب تک نہیں آیا
اس اُبھرے اُبھرے جوبن پر یوں ہی وہ بیٹھے رہ جاتے — انھیں اُٹھتی جوانی کا مزا اب تک نہیں آیا

وہ دن آئے مرے سرکارؔ اہلِ بزم سے پوچھیں
کہاں ہے کیوں ریاضِ خوشنوا اب تک نہیں آیا

آپ کے پہلو میں دشمن سو چکا — جانیے ہونا تھا جو کچھ ہو چکا
ہنستی ہے تقدیر ہنس لے اُن کے ساتھ — دل مجھے ہیں اپنے دل کو رو چکا

ہ نواب حامد علی خاں بہادر بالقابہ فرمانروائے رامپور

ہاتھ رکھا میں نے سوتے میں کہاں　　بولے وہ جھنجھلا کے اب میں سو چکا

حشر میں آنا تھا پہلے سے ہمیں　　ہم کب آئے جب تماشا ہو چکا

خار اس دل نے مجھے کیا کیا دئے　　میرے حق میں یہ بھی کانٹے بو چکا

اب جو گھٹتا ہے گھٹے طوفانِ اشک　　اپنی قسمت کا لکھا میں دھو چکا

بک گیا عمامہ ہو کر رہن سے　　بوجھ اُترا سر سے جھگڑا تو چکا

توبہ کی عصیاں سے اب پوچھے گا کون　　جمع کی تھی جتنی دولت کھو چکا

آفتابِ حشر کب چمکا ریاضؔ
داغِ مے دامن سے جب میں دھو چکا

وہ حشر میں بھی سر بہ گریباں نہیں ہوتا　　کافر نہیں ہوتا ہے پشیماں نہیں ہوتا

کیوں پوچھتے ہو وصل کا ساماں نہیں ہوتا　　ساماں سے پورا کوئی ارماں نہیں ہوتا

آفت ہے مری جان کو اس ضعف میں وحشت　　ہاتھوں سے مرے چاک گریباں نہیں ہوتا

پی کر بھی جھلک نور کی مُنھ پر نہیں آتی　　ہم رندوں میں جو صاحبِ ایماں نہیں ہوتا

ہم کو تو فقط لطف ہے پیماں شکنی سے　　صدقے ترے ہم سے کبھی پیماں نہیں ہوتا

ہم خاک کسی بات کا ارمان کریں گے　　جو دل نہیں رکھتے انھیں ارماں نہیں ہوتا

اب پھولوں سے رنگیں نظر آتا نہیں دامن　　خوں نابہ فشاں دیدۂ گریاں نہیں ہوتا

جو دور ہی سے آگ لگاتا ہو دلوں میں　　وہ حُسن چراغِ تہِ داماں نہیں ہوتا

بگڑے نہ طبیعت کہیں پروانوں کی اے شمع　　یوں کوئی بھری بزم میں عُریاں نہیں ہوتا

بچ جائے جوانی میں جو دُنیا کی ہوا سے　　ہوتا ہے فرشتہ کوئی انساں نہیں ہوتا

سایہ بھی پھٹکنے نہیں پاتا ترے در پر　　ہوتے ہیں ہمیں ہم جو نگہباں نہیں ہوتا

اُٹھ جائے کہیں ہاتھ نہ میرا مہِ نو پر — یہ جھک کے حسینوں کا گریباں نہیں ہوتا

کس طرح لپٹتی ہیں سیہ کار بلائیں — بے تیرے مزا اے شبِ ہجراں نہیں ہوتا

سن اور تھا دن اور تھے کچھ اور تھا عالم — اب ہم کو کسی بات کا ارماں نہیں ہوتا

مشتاق بہت قدر شناسانِ سخن ہیں
کیوں طبع ریاضؔ آپ کا دیواں نہیں ہوتا

نذر اُس بُت کے ہو ایمان یہ کچھ دور نہ تھا — اپنے اللہ کے صدقے اُسے منظور نہ تھا

ہم چھلکتے ہوئے ساغر کی اُٹھاتے لذت — باغ میں کوئی چھلکتا ہوا انگور نہ تھا

میں پرانا ہوں ترا دیکھنے والا اے دوست — وہ بھی جلوے مری آنکھوں میں ہیں جب طور نہ تھا

اُس کے آغازِ جوانی کا کہوں کیا عالم — کچھ اُسے نشہ سا تھا نشے میں وہ چور نہ تھا

دلِ پر داغ کا گلدستہ جو لائے آئے — آپ کی بزم میں پہلے تو یہ دستور نہ تھا

بزمِ ساقی میں مرے واسطے مے تھی اے شیخ — کیا ترے واسطے افسردہ انگور نہ تھا

شوق سے میں نے رہِ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ — کوہکن ہو تو ہو میں تو کوئی مزدور نہ تھا

کوئی میکش نہ مرا ہو کہیں تائب ہو کر — منہ کفن کھول کے دیکھا تو زرا نور نہ تھا

تھی چمکنے کو سرِ شاخِ نشیمن بجلی — آشیانے کے لیے نخلِ سرِ طور نہ تھا

آئی دن بننے کو تو میرے سیہ خانے میں — کیا ٹھکانا کہیں تیرا شبِ دیجور نہ تھا

بیٹھ کر کیا دلِ مرحوم کو روتے ہو ریاضؔ
بڑی ہی قسمت سے بنے اللہ کو منظور نہ تھا

نہ کانٹا تھا نہ کوئی پھانس نشتر تھا نہ پیکاں تھا — جو دل میں چبھ رہا تھا وہ ہمارے دل کا ارماں تھا

بہار آئی تھی گلشن میں وہ دن بھی یاد ہیں ہم کو — کسی کے ہاتھ میں ساغر تھا کوئی گل بداماں تھا

ہماری طرح دن کاٹے نہ راتیں ہجر کی کاٹیں — کیا وہ کام تو نے کوہکن جو مجھ کو آساں تھا

جو سینے سے ہٹا آنچل نگاہِ شوق کھُل کھیلی — ہوا میں اُڑ گئے والا اُن کے جوبن کا نگہباں تھا

وہاں جا کر یہ ہم تھے کون دامن تھامنے والے — عدو تھا وہ بھی اُن کا باغ تھا اُن کا شبستاں تھا

ہوا شورِ سلاسل سے بھری بستی تھی جنگل کی — ہُوا تھا جب جُنوں ہم کو بہت آباد زنداں تھا

کوئی بوسہ نہ کچھ وعدہ نہ راتوں کے نہ باتوں کے — دل اُن کو کوئی دے دیتا اب ایسا کوئی ناداں تھا

بڑا میدان مارا اُس نحیف و زار مجنوں نے — جو سچ پوچھو تو دیوانوں میں وہ اک مردِ میداں تھا

زمانہ ہو رہا تھا تنگ مجھ پر میں کہاں جاتا — رہائی پا کے بھی میں سایۂ دیوارِ زنداں تھا

تمہارے گھر ابھی مہماں ہے یا رخصت ہوا دشمن — کہا تھا کہنے والے نے کہ وہ دو دن کا مہماں تھا

نہ یاری کعبہ والوں سے نہ کاوش دیر والوں سے
ریاضؔ اللہ والا تھا بڑا مردِ مسلماں تھا

بہار میں مجھے صیاد اسیرِ دام کیا — ترا بُرا ہو مرا کام ہی تمام کیا

یہ کس کی زلف نے آزاد اک غلام کیا — کہ دل نے دور سے جھک کے اُسے سلام کیا

لُنڈھا کے اک خُمِ مے جا کے مر رہے اُس میں — یہ ہم نے حشر میں جانے کا انتظام کیا

بہائی قیس نے ہم نے کبھی نہ جوئے سرشک — ہمارے بھائیوں میں کوہکن نے نام کیا

چھلکتے جام سے سوئے زمیں نہ جانے دی — عمامہ ہم نے سرِ بزم نذرِ جام کیا

رہے گا ہوش کسی کو نہ خلد و دوزخ کا — کبھی جو حشر میں جلوے کو اُس نے عام کیا

نکلتے دیکھ لیا ہے شراب خانے سے — کسی نے آج ہمیں دور سے سلام کیا

یہ کم نہیں ہے بڑھاپے میں ہم نے توبہ کی — تمام عمر میں ہم نے یہ ایک کام کیا

کیا جو میکدہ جانے سے منع واعظ نے — تو روز اُٹھ کے یہی کام صبح و شام کیا

اُٹھا کے منبر سے مینا لگائے خوشۂ تاک — یہ میری توبہ کا ساقی نے احترام کیا

نمازِ عید ہوئی میکدے میں دھوم سے آج
ریاضؔ بادہ کشوں نے ہمیں امام کیا

جنوں میں تیشہ لئے سوئے کوہسار گیا — گیا جہان سے اب کوہکن سا یار گیا
کمندِ زلف کے حلقے سے صاف نکلا دل — بڑا شکار گیا یہ بڑا شکار گیا
شبِ وصال یہ دیوانگی ہے شوق نہیں — وہ کہہ رہے ہیں کہ میرے گلے کا ہار گیا
اثر فزا تھا بہت آج وعظ خیر ہوئی — نہ میں گیا نہ کوئی اور بادہ خوار گیا
یہ فصلِ گل ہے اسیرِ قفس کہاں صیاد — قفس وہ ساتھ لئے لوٹنے بہار گیا
ہمیشہ فقر میں فاقے میں نقد دے کر پی — وہ اور ہوں گے یہ سودا جہاں اُدھار گیا
فرشتے تھے نہ گنہ بارِ دوش حشر کے دن — مرا جنوں تھا جو سر پر مرے سوار گیا
قریب نجد کا جنگل نہ بے ستون نزدیک — یہ کون تھا مجھے صحرا میں جو پکار گیا
وہ نامہ بر تھا مرا میں نہ تھا ارے درباں — ہزار بار جو آیا ہزار بار گیا
بتوں کو دیکھ کے اللہ یاد آتا ہے — وہ دن گئے وہ محبت گئی وہ پیار گیا
ضرور قصد کیا اُس نے بامِ لیلےٰ کا — بلند آج بہت قیس کا غبار گیا
مزے کی چیز تھی بڑھتی جو انتظار کی رات — سحر کے ہوتے ہی وہ لطفِ انتظار گیا

نہ اُٹھ سکا میں لحد سے اثر یہ ضعف کا تھا
ریاضؔ حشر میں اُٹھ کر مرا مزار گیا

ملا بھی یہ تو اسے پھر خدا نہیں ملتا — نہیں نہیں دلِ بے مدعا نہیں ملتا
وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کو خدا نہیں ملتا — کوئی ہمارے سوا دوسرا نہیں ملتا

مٹے ہوؤں کا الٰہی پتا نہیں ملتا — رہِ عدم میں کہیں نقشِ پا نہیں ملتا
حنا سے خون کسی غیر کا ملا ہوگا — ہمارے خون سے رنگِ حنا نہیں ملتا
زمیں پر کبھی اُنکے قدم نہیں پڑتے — کہ سجدہ کرنے کو بھی نقشِ پا نہیں ملتا
نکل کے دیکھتے، کیا ہے ہوا زمانے کی — درِ قفس کبھی ہم کو کھُلا نہیں ملتا
لحد سے اُٹھ کے کہاں جائیے، قیامت ہے — وہ بھیڑ ہے کہ کہیں راستا نہیں ملتا
اچھوتے جام ہیں منت کے کچھ الگ رکھے — کسے پلائیں کوئی پارسا نہیں ملتا
یہ آس لائی ہی، ساقی ترے آستانے پر — درِ کریم سے سائل کو کیا نہیں ملتا
بُری طرح لبِ شیریں کسی نے چوسے ہیں — کہ گالیوں میں تری اب مزا نہیں ملتا

بجاکے دیکھے ہیں ناقوس ہم نے وقتِ اذاں
ریاضؔ آپ کا اُن سے گلا نہیں ملتا

نیا کھِلا ہے شگوفہ کوئی بہار میں کیا — گندھا ہوا ہے مرا دل کسی کے ہار میں کیا
اُڑا نے پھول حسیں آئے ہیں بہار میں کیا — لگی ہے آگ سی یہ آج لالہ زار میں کیا
کسی سے کہنے یہ آئے ہیں وہ سحر ہوتے — تمام رات کٹی میرے انتظار میں کیا
تمھارے خال کا بوسہ نہیں ہے گنتی میں — ذرا سی چیز ہے آئے گی یہ شمار میں کیا
اُتار لی سرِ بازار جس نے رُخ سے نقاب — حجاب آئے اُسے سو میں کیا ہزار میں کیا
یہ سُرمہ چشمِ عدو کے لئے اُٹھا رکھیں — وہ خاک ڈالتے ہیں چشمِ اعتبار میں کیا
بنائیں گے دلِ پُر داغ جمع کر کے انھیں — چمکتے دیکھے ہیں ذرے مرے غبار میں کیا
یہ میرے دوش سے ہوتے نہیں جُدا دمِ نزع — گڑیں گے میرے فرشتے مرے مزار میں کیا
ہے انتظار کہ مینوش خُم لئے پہونچیں — ٹھری ہیں کل سے گھٹائیں یہ سبزہ زار میں کیا

جو دیکھے سانپ کے کاٹے کی لہر اُسے آ ئے — بھرا ہے زہر اب ایسا بھی زلفِ یار میں گیا
شراب بھی سوا خوشگوار ہے ہم کو — بتائیں کیا کہ مزا پڑ گیا اُدھار میں گیا
کنارِ شوق میں آ کر حسین نکل نہ سکے — اثر خدا نے دیا ہے ہمارے پیار میں گیا

ریاضؔ توبہ کرو دن خزاں کے آئے ہیں
تم آئے پینے کو جاتی ہوئی بہار میں گیا

پاؤں کا آگے بڑھانا مجھ کو دوبھر ہو گیا — دیکھ کر سر پہ سبو واعظ مرے سر ہو گیا
بے کہے کچھ آپ سے کم بخت باہر ہو گیا — زیبِ ممبر ہوتے ہی واعظ مرے سر ہو گیا
میں لباسِ قیس میں تھا جب تھا جوشِ بہار — فصلِ گل آتے ہی میں جامے سے باہر ہو گیا
روز لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اُس کے شوق میں — رہ کے دستِ ناز میں اتنا تو خنجر ہو گیا
دھجیاں دیوانے لے بھاگے تبرک کی طرح — ٹکڑے ٹکڑے اس طرح دامانِ محشر ہو گیا
نرم تھیں جتنی زمینیں بن گئیں وہ سنگلاخ — میں نے رکھا جس جگہ جو لفظ پتھر ہو گیا
دور تھا تو ناوکِ دلدوز تھا موئے مژہ — تم جو پاس آئے تو یہ ناوک سے نشتر ہو گیا
کھلنے سے پہلے تو وہ مینائے مے تھا تسرِ مہر — پھول کھل کر بادۂ رنگیں کا ساغر ہو گیا
آنکھیں تلووں سے ملا کرتے ہیں آ کر غزال — ہو رہا صحرا کا میں صحرا مرا گھر ہو گیا

رشک کے دربار میں پائی جگہ شاید ریاضؔ
مجھ کو حاصل عیش کا سامان کیونکر ہو گیا

پھول ہے لالۂ صحرائی کا — یا کلیجہ ترے سودائی کا
پنکھڑی بھی پھول کی محرم نہ بنے — قطع جامہ نہ ہو رعنائی کا

ڤ مرحوم فرمانروائے رامپور علیہ مقامہ

بیٹھ کر چوری سے پیناپسِ خم — راز ہے گوشۂ تنہائی کا
مثلِ گیسو ہیں پریشاں شبِ وصل — تھا جنھیں شوقِ خود آرائی کا
خمِ قد ہے خمِ مینا سوئے جام — موجِ مے ہاتھ ہے انگڑائی کا
مے کے پہلو سے زرا دامن میں — رنگ دیکھو دلِ شیدائی کا
جائے یہ میرے سیہ خانے سے — منھ ہو کالا شبِ تنہائی کا
اس میں ہوں نخلِ سرِ طور کے پھول — دامنِ دل ہے تماشائی کا
دے خدا عقل تو دیوانہ بنے — کہ جنوں کام ہے دانائی کا
مستِ مینا ہوں پیا ہے میں نے — جام امیر احمدِ مینائی کا
قید کعبے کی نہ بتخانے کی — شوق ہے ناصیہ فرسائی کا
کچھ سے کچھ ہو گئی حالت دل کی — اب نہیں کام شکیبائی کا
حشر کا نام یوں ہی نکلا ہے — وہ تو دن ہے مری رسوائی کا
جل بجھے طور تو پروا نہیں کچھ — دل نہ بجھ جائے تماشائی کا

بزمِ ساحرؔ[۵۷] میں ہوں خاموش ریاضؔ
ناطقہ بند ہے گویائی کا

کام کیا دل میں شکیبائی کا — پاس ہے حسن کی رسوائی کا
رنگ دے جائے گا تجھ میں مل کر — اے حنا دل ہے تمنائی کا
نہیں خورشیدِ قیامت واعظ — داغ ہے دامنِ رسوائی کا
جا کے فرہاد سے ٹکراتا ہے — سر پھرا ہے ترے سودائی کا

۵۷ سر مہاراجہ محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

شاخِ گل سیکھے صبا سے انداز | بُتِ طنّاز کی انگڑائی کا
نگہِ شوق یہ کہتی آئی | دل میں کیا کام شکیبائی کا
دل پر داغ ہیں گلدستوں میں | شوق ہے انجمن آرائی کا
تھوڑی پیتا ہوں بڑھاپے میں بھی | کہ سبب ہو یہ توانائی کا
سر پہ اب دھوپ نہیں چین سے ہوں | سایہ ہے لالۂ صحرائی کا
منہ کو آیا ہے کلیجہ سو بار | ہائے عالم شبِ تنہائی کا
آنکھیں بیمار ہیں جن کی مشہور | اُن کو دعوٰے ہے مسیحائی کا
مٹ گئیں تیری ادائیں تجھ پر | ہائے عالم تری انگڑائی کا

کسی شاعر کا تخلص ہے ریاضؔ
نام ہے یا ترے سودائی کا

وہ گئے ناز سے ٹھکراتے ہوئے سر میرا | یہ بھی کہتے گئے اب چھوٹ چکا در میرا
جس جگہ شام ہوئی ہے وہیں بستر میرا | نہ ٹھکانا کہیں میرا نہ کہیں گھر میرا
توبہ کرتے ہوئے آتا ہے یہ رہ رہ کے خیال | منھ مرا دیکھ کے رہ جائے گا ساغر میرا
دلِ مشتاق سے کہتی ہے یہ گھونگھٹ کی نگاہ | پاؤں نکلا نہیں گھر سے کبھی باہر میرا
کیا ترے ہاتھ سے صیاد تڑپ کر نکلوں | ہاتھ میں تیرے نہ رہ جائے کوئی پر میرا
داورِ حشر نہ ہوں عشق کے کچھ راز اس میں | بات کیا ہے نہیں کھلتا ہے جو دفتر میرا
میں ہوں یا نہ رہوں اتنی اجازت مل جائے | آپ گھر میں ہیں در پر رہے بستر میرا
لے چلوں میں طرفِ خلد اُنھیں کھینچ کے ہاتھ | دو کہیں حشر کے دن یہ بھی مقدر میرا
کوئی تیغِ نگہِ ناز کی باتیں تو سُنے | مجھ سے کہتی ہے زرا دیکھ لو جوہر میرا

گھٹتی آئیں ہیں اُن گیسوؤں نے بھیجا ہے
دیکھنے آئیں بلائیں جو کبھی گھر میرا

کہتے ہیں وہ نہیں کس کام کے مژگانِ دراز
مُنہ رگِ جاں سے چُرا جائے گا نشتر میرا

سایۂ گستر مرے سر پر رہیں سرکارِ ریاضؔ
پاؤں پر حضرتِ ساحر کے رہے سر میرا

اب کیا ملے گا آنسوؤں میں دل نکل گیا
وہ قافلہ بھی تو کئی منزل نکل گیا

کچھ بڑھ کے خالِ رُخ سے رہا بوسے کا نشان
تِل سے ادھر اُدھر کوئی دو تِل نکل گیا

ہاتھ اپنے میرے خون سے تو نے تو رنگ لیے
تیرا تو حوصلہ مرے قاتل نکل گیا

سینے میں دیکھیے تو کوئی زخم بھی نہیں
تیرِ نگاہ لے کے مرا دل نکل گیا

خوش تھے کہ ہم نے جور و ستم سب بجا کیے
محشر میں زعمِ دعوئے باطل نکل گیا

بچ بچ کے آج شیخ نے انگور کھا لیے
اب کیا کھنچے گی تاک کا حاصل نکل گیا

صیاد سے بھڑک بھی نہ باقی رہی ریاضؔ
رہ کر قفس میں خوفِ عنادل نکل گیا

پہلو سے کوئی یوں سرِ محفل نکل گیا
معلوم یہ ہوا کہ مرا دل نکل گیا

لائے گا رنگ حشر میں کل خونِ بے گناہ
دامن بچا کے آج تو قاتل نکل گیا

آنا تھا اس کو چاند سی صورت کے سامنے
بادل میں چھپ کے کیوں مہِ کامل نکل گیا

کس سخت جاں سے کام پڑا تیغِ ناز کو
سب زورِ دست و بازوئے قاتل نکل گیا

شاید گلوں کے دامنِ رنگیں میں ہو تو ہو
بن بن کے اشکِ خونِ عنادل نکل گیا

دستِ جنونِ قیس تھی موجِ ہوائے نجد
کیوں سو جگہ سے پردۂ محمل نکل گیا

سنجیدگی سے محفلِ ساقی میں بات کی
ناصح سا بے وقوف بھی عاقل نکل گیا

پہنچا فیضِ میکدے سے کو وہ پہونچا گیا ضرور — ہو کر اُدھر جو مرشدِ کامل نکل گیا

وحشت زدہ ریاض نہ زنداں میں رہ سکا
لے کر وہ سب کے طوق و سلاسل نکل گیا

بن کے وہ نقشِ قدم خاکِ قدم سے اُٹھا — پس کے محشر تری رفتارِ ستم سے اُٹھا
مجھ کو ہنسنے کے لیے غیر بھی آ بیٹھا تھا — وہ بھی گھبرا کے مری محفلِ غم سے اُٹھا
سرِ فرشتوں کے پڑا دفترِ عصیاں کیسا — ہم نے یہ بار اُٹھایا تو نہ ہم سے اُٹھا
کیا کہا وعدہ وفا ہوگا ترے سر کی قسم — اعتبار آج ترا تیری قسم سے اُٹھا
ہاتھ سے بوجھ گناہوں کا اُٹھے گا کیونکر — رعشہ ایسا ہے کہ ساغر بھی نہ ہم سے اُٹھا
تیری رفتار کی شوخی نے قیامت ڈھائی — فتنۂ حشر ترے نقشِ قدم سے اُٹھا
ہو رہیں گے اسی میخانے کے ہم بھی جاکر — آب و دانہ جو کبھی دیر و حرم سے اُٹھا

میری محفل میں ریاض آ کے وہ بیگانہ رہا
لطفِ صحبت کا نہ کچھ شرکتِ جم سے اُٹھا

تو بھی تھا شمع بھی تھی بزم میں گلگیر بھی تھا — بوسہ لینے کو لئے میں تری تصویر بھی تھا
میں نے کیا رکھ لئے سب تیر ترا سے دل میں — تیر صدقے ترے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا
شفقِ سرخ کی سج دھج یہ کہے دیتی ہے — کہ جوانی میں حسیں کچھ فلکِ پیر بھی تھا
زخم خوردہ کوئی دل اُن کے حوالے کر دے — صید ہے وابستۂ فتراک یہ نخچیر بھی تھا
جل بجھی شمع لگی میں نہ ہوا کوئی شریک — منہ میں لینے کو زباں شمع کی گلگیر بھی تھا
نالہ و آہ نہ ہوں، وہ کسی دیوانے کی — عرش کی آج ہلاتا کوئی زنجیر بھی تھا
ایک بوسے کے عوض اس نے سنائیں سو سو — واقعی جرم مرا قابلِ تعزیر بھی تھا

بزم میں شمع سے گلگیر ہی تھا پیوستہ | کوئی سینے سے لگائے تری تصویر بھی تھا
توڑ کے بکھرا کے سُبو ہم نے بھی اُس کے سر سے | چُپ ہے واعظ کہ یہی حاصلِ تقریر بھی تھا
صدقے ہونے کی مجھے داد ملی یہ اُن سے | کہتے ہیں کچھ اثرِ گردشِ تقدیر بھی تھا
وصل کی شب مرے دشمن کو بھی موت آنا تھی | ہنس کے فرماتے ہیں کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
نقل ہے نامۂ اعمال میں قسمت کا لکھا | جو کیا جُرم وہی پہلے سے تحریر بھی تھا
دم قدم سے مرے آباد تھا زنداں کیسا | شورِ فریاد بھی تھا نالۂ زنجیر بھی تھا
مجھ سے دیوانے کو کس بات کا دیتے وہ جواب | حرفِ مطلب مرے خط میں کوئی تحریر بھی تھا
زورِ وحشت نے ٹھہرنے نہ دیا زنداں میں | ورنہ زنجیر بھی تھی طوقِ گلوگیر بھی تھا
ان حسینوں کو کبھی چین سے سونے نہ دیا | میری ہی طرح مرا نالۂ شبگیر بھی تھا

میں نے سب سے جو نہیں پاؤں نکالا ہے ریاضؔ
تنگ زنداں کی طرح خانۂ زنجیر بھی تھا

شیخ مستِ مے کہن بھی ہُوا | نشہ اُترا تو خندہ زن بھی ہُوا
تھا وہ لاغر کہ تارِ دامنِ قیس | پیرہن بھی رہا کفن بھی ہُوا
سروِ گلشن جو دن میں مینا تھا | شب کو وہ شمعِ انجمن بھی ہُوا
گزری مجھ پر جو ہاتھ سے میرے | کچھ وہی حالِ کوہکن بھی ہُوا
نہ شگوفہ نہ گل نہ رنگِ بہار | اب تو وحشت کا گھر چمن بھی ہُوا
مرنے پر میرے پوچھتا تو کوئی | کہ میسّر اسے کفن بھی ہُوا
اب وہاں خاک بھی نہیں اُڑتی | جائے عبرت مرا وطن بھی ہُوا
شرم میری مرا خدا رکھ لے | رہن ہے آج پیرہن بھی ہُوا

یہ ہے گردش زدۂ ریاضؔ کا حال
گھر بھی اُجڑا وہ بے وطن بھی ہوا

اے جنوں پھول نہیں لالۂ صحرائی کا — منھ کو آیا ہے کلیجہ کسی سودائی کا
وصف ہے گل کی زباں پر تری زیبائی کا — ہر کلی پہنے ہے جامہ تری رعنائی کا
ہو گئے اُن کے لب سُرخ مسی آلودہ — نام بھولے سے لیا تھا شبِ تنہائی کا
آنکھ اے حضرتِ موسیٰ نہیں اوپر اُٹھتی — حوصلہ پوچھ رہے ہیں وہ تماشائی کا
میں وہ رُسوا ہوں، ترا عرصۂ محشر واعظ — ایک گوشہ ہے مرے دامنِ رُسوائی کا
کس تبختر سے کہا توڑ کے آئینۂ دل — ہم نہ خود بیں نہ ہمیں شوق خود آرائی کا
نگہِ شوق کو مژگاں نے اُبھارا شاید — امتحاں لینے چلی دل کی شکیبائی کا
کیا قیامت ہے شبِ وصل خموشی اُسکی — جس کی تصویر کو بھی ناز ہے گویائی کا
دھڑکے بے وجہ کے ہیں فتنۂ محشر کیسا — حشر تو نام ہے صبحِ شبِ تنہائی کا

ذی کمال اہل سخن اور مُصاحب منزل"
اے ریاضؔ آج عجب لُطف ہے یکجائی کا

رنگ دیکھے تو کوئی لالۂ صحرائی کا — خون کچھ اس سے ملا ہے کسی سودائی کا
نشۂ حُسن ہے کب ہوش ہے زیبائی کا — یہ وہ ہیں جن کو نہیں شوق خود آرائی کا
شاخِ گل تھی ہی کیا باغ میں اے جوشِ بہار — اس میں انداز کہاں یار کی انگڑائی کا
دلِ پُر داغ بھی رکھے گئے گلدستوں میں — شوق اتنا بھی نہ ہو انجمن آرائی کا
روک تھام اسکی کچھ اے زلفِ گرہ گیر نہ کر — پاؤں زنجیر سے نکلا کسی سودائی کا
دل میں آئے تو کہا آرزوؤں سے ہنس کر — خون تو چوس لیا میرے تمنائی کا

وصل کی رات بھی ہوتے رہے وعدے ہم سے — ذکر یہ ہے کسی نادان کی دانائی کا
اور بڑھ جاتی ہے آشفتہ مزاجی اسکی — حال پوچھے جو کوئی آپکے سودائی کا
آگئی آپکے حصے میں جوانی کی پھبن — زیب دیتا ہے غرور آپ کو رعنائی کا
دلِ وارفتہ بھی پہلو سے گیا وائے نصیب — نہ رہا کوئی شریک اب غمِ تنہائی کا

لبِ شیریں سے وہ کوسیں ہمیں سو بار ریاضؔ
ہم نے لوٹا ہے مزا اُن کی مسیحائی کا

کشمکش میں نہ شکن آئی نہ داماں نکلا — خیر گزری کہ یوں ہی غیر کا ارماں نکلا
کچھ مرے خون کا پیاسا ہر اک ارماں نکلا — کوئی دشنہ کوئی خنجر کوئی پیکاں نکلا
رہ گیا میں بھی طرح سوچ کے کچھ حشر کے دن — وہ بھی کچھ اپنی جفاؤں سے پشیماں نکلا
ہنس کے کہتے ہیں کسی کا دلِ بدخو ہوگا — بن کے فتنہ جو سرِ گوشۂ داماں نکلا
ڈر گئے، چیخ اُٹھے، بات تھی کیا کہئے تو — کیا شبِ وصل کسی کا کوئی ارماں نکلا
کیا سمائے ہوئے تھے حشر کے دھڑکے دل میں — آنکھ میری جو کھلی خواب پریشاں نکلا
ٹیلے صحرا کے دکھا جاتے ہیں پھر بھی رونق — قیس کا ڈھیر تو کچھ نذرِ بیاباں نکلا
کیسے ہم کھوئے گئے قیدِ قفس سے چھُٹ کر — آشیانے کی طرح باغ بھی ویراں نکلا
بن سنور کر مرے گھر شام سے آنے والا — اپنے گیسو کی طرح صبح پریشاں نکلا
کام آئی نہ تو محرم نہ وہ دُہرے آنچل — رُعبِ حسن آپکے جوبن کا نگہباں نکلا
اشک نے دل کے مزے آج دکھائے اُن کو — وہ سمجھتے تھے کہ قطرہ ہے طوفاں نکلا
دیر والوں نے کیا کعبہ نشینوں کو سلام — کیا اُدھر ہوکے کوئی دشمنِ ایماں نکلا
رام پور آئے ریاضؔ آپ بہت خوب ہوا ۴ — اپنے اُستاد کی پابوس کا ارماں نکلا

منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی

میرے گھر مثل تبرک کے یہ ساماں نکلا — آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

صبح ہوتے ہی رفو ہونے کو داماں نکلا — رات شاید کسی کم بخت کا ارماں نکلا

حشر کہہ کر جسے واعظ ہمیں چونکاتا تھا — وہ شبِ گور کا اک خواب پریشاں نکلا

آتے آتے سرِ مژگاں جو کبھی خشک ہوا — گرتے گرتے وہی آنسو کبھی طوفاں نکلا

نہ درازی ترے دامن کی نہ اتنے فتنے — دامنِ حشر ترا گوشۂ داماں نکلا

کرتے ہیں غل در و دیوار بھی زنجیر کے ساتھ — نئے دیوانوں سے آباد یہ زنداں نکلا

چھوڑ دیتا یوں ہی ہیں مردِ مسلماں تجھ کو — بُتِ کافر ترا اللہ نگہباں نکلا

حشر کے روز کئی کاتبِ اعمال کے سر — شکر ہے حرفِ غلط دفترِ عصیاں نکلا

پرِ جبریل نہ تھی ریشِ درازِ واعظ — ہم فرشتہ سب جسے سمجھے تھے وہ انساں نکلا

کھال کھچوائی عبث غصے میں او پردہ نشیں — قیس تو بعدِ سزا اور بھی عریاں نکلا

دونوں سینے سے مرے ہو کے جدا آئے ہیں — دل نہ پیکاں سے نہ دل سے مرے پیکاں نکلا

اٹھ رہی تھی یہ ادا خاص قیامت کے لئے — جور سے اپنے کوئی آج پشیماں نکلا

اک زمانہ جسے کہتا تھا کہ کافر ہے ریاضؔ
وہی بدکیش بڑا مردِ مسلماں نکلا

کچھ بگولوں سے بھرا خانۂ ویراں نکلا — خاک میں مل کے بھی چھوٹا سا بیاباں نکلا

جب کہا کشمکشِ وصل میں داماں نکلا — بولے وہ آپ کو کیا آپ کا ارماں نکلا

وہ ادا تھی کہ فدا لاکھ حسینوں کا بناؤ — خون میں ڈوب کے اس رنگ سے پیکاں نکلا

دور رہ کر بھی رہا چبھ کے ہمارے دل میں — کچھ عجب چیز ترا ناوکِ مژگاں نکلا

شفقِ شام بنی لالہ رخوں کا دامن — مہِ نو بن کے حسینوں کا گریباں نکلا

یہ وہ پتھر ہے جگہ سے جو کبھی ہٹ نہ سکا
سنگِ در سے بھی سوا آپ کا درباں نکلا

ہم نے دل کھول کے لیں کتنی بلائیں شبِ وصل
بل ترا آج کچھ ایسے زلفِ پریشاں نکلا

خاکِ مجنوں کے بگولے گلے ملنے کو اُٹھے
کوئی دیوانہ سوئے نجد جو عریاں نکلا

رات بھر غیر کے گھر تو مرے ماتم میں رہے
آستیں آپ کی نکلی نہ گریباں نکلا

مُنھ میں ٹپکائی تھی مینا سے کہ ہچکی آئی
شیخ میخانے میں کچھ دیر کا مہماں نکلا

اُٹھ رہے دوسرے دن پر نہ کہیں سب کا حشر
پیش ہونے کو مرا دفترِ عصیاں نکلا

شعرا کو نگہِ کم سے جو دیکھے وہ ریاضؔ
فکرِ ساحر کا ہزاروں میں ثنا خواں نکلا

کیا بننے کو جوان کچھ آپ بقتا لیا
اے شیخ! میفروش سے آخر یہ کیا لیا

دیوانہ میں نے حشر میں خود کو بنا لیا
جو مل گیا حسین گلے سے لگا لیا

اُٹھنے کا اب تو نام بھی لینا نہیں ہے درد
پہلو میں ہم نے آج یہ کس کو بٹھا لیا

کمبخت جب قبول نہ ہو کوئی کیا کرے
مدت ہوئی کہ ہاتھ دعا سے اُٹھا لیا

ہم دل کے ساتھ ساتھ رہے کوئے یار میں
اس دل نے راہ پر ہمیں آخر لگا لیا

بعدِ فنا بھی دل ہے مرا حسرتوں کی پوٹ
ایسا نہیں ہے چپکے سے جس کو اُٹھا لیا

کھانے میں قیدِ وقت نہ اچھے برے سے کام
جب مل گیا تو شکر کیا اور کھا لیا

ڈر سے کوئی بجھے بھی تو اب چھیڑتا نہیں
تصویرِ یار رنگ تو اچھا جما لیا

اقلیمِ حُسن و عشق میں اس کا چلن ہے خوب
داغِ جنوں نے خوب ہی سکہ جما لیا

رکھا ہے پان دان تو اتنا منافیشی
لیکن نہ اس میں پان نہ کتھا نہ چھالیا

باقی لہو نہیں وہ تن و توش اب کہاں
ہم کو تو فکرِ رزق نے اے شیخ کھا لیا

دل لاکھ پاک صاف ہے دامن کو کیا کروں — جا جا کے میکدے میں یہ دھبا لگا لیا

تم جانو ہم تو تھے ہی عجب دل لگی کی چیز — ساتھ اُس کے ہو لیے ہمیں جس نے لگا لیا

بوسے سے چوکتا تھا کہیں دے کے دل ریاضؔ

لاکھوں میں ایک شخص تھا جس نے دیا لیا

یہ بھی اک چاند لیے تیرے مقابل ہوتا — دل میں تصویر تری آرسی میں دل ہوتا

کچھ تو مرنے کا اس دشت میں حاصل ہوتا — خاکِ مجنوں کا بگولا سرِ محمل ہوتا

وہ گل اندام ہو تم ٹوٹتے بلبلیں تم پہ — تم جدھر جاتے اُدھر شورِ عنادل ہوتا

جانے دیتا نہ مجھے خون کا دعویٰ کرنے — ہاتھ میں ہاتھ لئے حشر میں قاتل ہوتا

برق کے شعلے ہر اک شاخ سے لپٹے ہوتے — پھولتی کشتِ تمنا تو یہ حاصل ہوتا

صدقے ہوتی دلِ پرزخم پہ آ کے بہار — خون سے میرے چمن کوچۂ قاتل ہوتا

میری قسمت کی کجی راہ بھلاتی مجھ کو — کبھی سیدھا جو کوئی جادۂ منزل ہوتا

ہاتھ قاتل نے لگایا نہ اُسے خیر ہوئی — میں تو کیا خنجرِ جلاد بھی بسمل ہوتا

یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں گلچیں — پنکھڑی ٹوٹتی تو شورِ عنادل ہوتا

چھوٹے سے دل کا سویدا تو اسی کام کا تھا — کہ ترے چاند سے رخسار کا وہ تل ہوتا

نیند کے آنے سے کیا آنکھ جھپکتی اُس کی — موت کے آنے سے درماں نہ غافل ہوتا

رہ کے پہلو میں یہ بیگانہ بنا رہتا ہے — کام میرے کبھی آتا جو مرا دل ہوتا

کام شیشے کی پری سے نہیں چلتا ہے ریاضؔ

میرے پہلو میں کوئی حورِ شمائل ہوتا

جاتے ہی میکدہ مجھے اجمیر ہو گیا — اتنی ملی کہ پینے سے جی سیر ہو گیا

جا کر گلی میں زلف کی اندھیر ہو گیا — اچھا بھلا تھا دل ابھی کچھ پھیر ہو گیا

لے لیں بلائیں زلف کی دشمن نے بڑھ کے آج — دن دوپہر یہ حشر میں اندھیر ہو گیا

دیکھا کچھ اس ادا سے گریں لاکھ بجلیاں — کی ایک ہی نگاہ کہ میں ڈھیر ہو گیا

وہ اور بھیجیں مجھکو خطِ شوق نامہ بر — کیا اس میں کچھ سمجھ کا تری پھیر ہو گیا

دیکھا مجھے جو آج سگِ کوئے یار نے — اپنی گلی میں دیکھتے ہی شیر ہو گیا

وہ چاہتا تھا جا نہ سکے آہ عرش پر — سرکش تھا آسمان مگر زیر ہو گیا

جاتے تھے سوئے میکدہ نکلے حرم میں ہم — کیا جانے آج راہ میں کیا پھیر ہو گیا

تا دیر بزمِ مے میں رہے شیخ گل فشاں — ذکرِ مے طہور بھی کچھ دیر ہو گیا

ہنگامِ رقص گھٹ کے رہا دورِ چرخ سے — کم اُن کی پیشواز کا کچھ گھیر ہو گیا

کیوں وقتِ وصل تول رہے ہو نگاہ میں — اب دل کا وزن بڑھ کے کئی سیر ہو گیا

تڑپا رہا ہے شوقِ زیارت مجھے بہت — میرا بھی قصد اب سوئے اجمیر ہو گیا

اُٹھے پھرے وہ آنکھ سے دل تک نہ آ سکے — مانع ضرور راہ کا کچھ پھیر ہو گیا

بس اے فلک معاف کہ نیت ہی بھر گئی — کھایا غم اس قدر کہ دل اب سیر ہو گیا

پہونچا کہاں ریاض سا سجدہ گزارِ حق
تھا قصدِ کعبہ رُخ سوئے اجمیر ہو گیا

مانگے دیا تھا آپ کو بیجا تو کچھ نہ تھا — دل تھا مرا وہ مُفت کا سودا تو کچھ نہ تھا

آپ آ کے دل میں دل کی تمنائیں دیکھتے — گھر آپ کا تھا آپ سے پردا تو کچھ نہ تھا

بجلی گرائی تیری چمک نے مریض پر — اے درد تیرے اُٹھتے ہی دیکھا تو کچھ نہ تھا

کھاتے تھے اپنی بھوک تو سوتے تھے اپنی نیند — ہاں! قفس میں تھے ہمیں کھٹکا تو کچھ نہ تھا

ہم بے کے میفروش سے منہ چور کیوں بنے
جب چاہے دیتے دام تقاضا تو کچھ نہ تھا

اس کی گلی کو چھوڑ کے جاتا جو سوئے دشت
دیوانہ میں نہ تھا مجھے سودا تو کچھ نہ تھا

چلو ہی بھر سہی ہمیں تسکین اس سے تھی
جب تک سبو میں تھی غم فردا تو کچھ نہ تھا

یہ سن کے مجھ سے رسم ہے تم کیوں برس پڑے
جو کچھ کہا رقیب نے بیجا تو کچھ نہ تھا

کیوں اس قدر ہجوم تھا گرد اس غریب کے
دم توڑتا تھا کوئی تماشا تو کچھ نہ تھا

جنت سے کم سہی مگر اچھا تھا میکدہ
جب تک وہاں تھے ہم غم فردا تو کچھ نہ تھا

کیا جانے کیوں رقیب بنا تھا گلے کا ہار
صورت میں وہ ریاض سے اچھا تو کچھ نہ تھا

خانقہ میں جو کبھی طاق سے مینا اترا
ہم یہ سمجھے کوئی رحمت کا فرشتا اترا

رستے چھوٹے جو سر راہ عماما اترا
سر سے ان بادہ فروشوں کا تقاضا اترا

نشہ بھی نیند بھی خلوت بھی مگر ہائے رہی شرم
نہ کھلے بند قبا کے نہ دوپٹا اترا

آج ممبر سے جو واعظ کو اتارا سر بزم
بعد مدت کے ذرا نشۂ صہبا اترا

اتری وہ چین جبیں موج تبسم بن کر
دیکھو دیکھو وہ ہنسی آئی وہ غصا اترا

ہے تعجب مجھے مٹی میں ملانے کیسلئے
دوش احباب سے کس طرح جنازا اترا

صبح کو وصل کی شب وہ ہیں کہ ان کی تصویر
شرم سے آنکھیں جھکیں چہرہ کچھ اترا اترا

کسی بھٹی میں کبھی کچے گھڑے کی بنا تھی
ڈھل گیا حشر کا دن جب کہیں نشا اترا

جس کا مصرع یہ ہے ساحر کی غزل خوب ہے وہ
ہم چھپر کھٹ سے اتر آئے تو غصا اترا

گھر مرا جیسے پرستان کا اکھاڑا ہو ریاض
جب ہوئی شام کوئی تخت پری کا اترا

مری جان میری تیرے قربان جاتا
مری بات چپکے سے تو مان جاتا

نگاہوں سے میری وہ پہچان جاتا
جو ہوتی مرے دل میں وہ جان جاتا

کبھی قیس دیوانہ آتا جو مجھ تک
مرے پاس سے بن کے انسان جاتا

جو گونج اُلجھی بالی کی جھنجھلا کے بولے
لگے پیار کو آگ، ابھی کان جاتا

اگر پاؤں پڑتا نہ میدانِ محشر
مرے ہاتھ سے کیوں یہ میدان جاتا

اُٹھالی معاصی کی جی بھر کے لذت
لئے قبر میں کون ارمان جاتا

کبھی ہاتھ اُٹھاتے نہ ہم اِن بُتوں سے
وہ ایمان رہتا کہ ایمان جاتا

بہت پاک جاتا میں بُتکدے میں
جو توبہ سے ہو کر پشیمان جاتا

وہ کافر حرم میں تھا ہم بُتکدے میں
جو کعبے میں ہوتے تو ایمان جاتا

زیاحسن اور جاتا پئے حجِ کعبہ
وہ کافر جو ہوتا مسلمان جاتا

انکار میں پہلو جو ہے ہاں سے بھی اچھا
قرباں ترے وہ ترے پیماں سے بھی اچھا

ارماں ہے خلش ہیں رپیکاں سے بھی اچھا
پیکاں ہے دل میں تھے ارماں سے بھی اچھا

کیوں ہے کہ نہیں؟ کون بُرا بننے کو جاتا
میں تجھ سے بھی اچھا ترے درباں سے بھی اچھا

جھرمٹ سے بلاؤں کے ہے کچھ اور ہی عالم
چھوٹا سا مرا گھر ہے بیاباں سے بھی اچھا

درماں کا سبب ہوتی ہے تکلیف و اذیت
جس درد میں لذت ہو وہ درماں سے بھی اچھا

زاہد تجھے لذت ہی نہیں عشقِ بتاں کی
اس راہ میں تو کفر ہے ایماں سے بھی اچھا

زخموں میں مزا دیتے ہیں ٹوٹے ہوئے پیکاں
لذت کا یہ پہلو ہے نمکداں سے بھی اچھا

کہتے ہیں کہ رکھتی ہے ترے دل سے تعلق
سمجھوں گا میں اپنی زلف پریشاں سے بھی اچھا

سرکار کے اشعار ریاضؔ اور ہی کچھ ہیں
جو شعر ہے وہ ہے مرے دیواں سے بھی اچھا

مرے ہاتھ سے پہننا انھیں وربار ہوتا / مگر اور بھی لچکتی جو گلے میں ہار ہوتا
یہ ذرا سا حشر کا دن شبِ وصلِ یار ہوتا / شبِ وصل اگر نہ ہوتا شبِ انتظار ہوتا
یہ نشاطِ زندگانی یہ شباب یہ جوانی / یہی دن وہ ہیں کہ جن کا نہیں اعتبار ہوتا
جو گھرا ہے ابرِ تیرہ یہ جھکا تھا میکدے پر / خمِ مے ابھی اٹھا کر سرِ کوہسار ہوتا
مجھے جان سے سوا تھا وہ مزاج آشنا تھا / شبِ غم کوئی نہ ہوتا دلِ غمگسار ہوتا
بطِ مے بھی ساتھ اڑتی جو اڑاتے کاگ میکش / کوئی جوئبار ہوتی لبِ جو شکار ہوتا
ترے نقشِ پا نہ ہوتے بتِ بیوفا نہ ہوتے / مری حسرتیں تو ہوتیں جو مرا مزار ہوتا
بری کیا تھی فاقہ مستی بڑے لطف سے گزرتی / رہے کچھ جو مے کی تلخی غمِ روزگار ہوتا
تری چٹکی تاک بیٹھے اس کو مرے دستِ شوق تھامتے / ترے ہاتھ سے جو ناوک مرے دل کے پار ہوتا
ہوئی صبحِ حشر اٹھا میں کئی خم چڑھائے تھا میں / خمِ مے سے تھا سوا میں مجھے کیا خمار ہوتا
اسے کیا تھا ڈر نہ اٹھتا وہ ترا تھا در نہ اٹھتا / کبھی بیٹھ کر نہ اٹھتا جو مرا غبار ہوتا

مے سلسبیل ہوتی نہ شرابِ حوضِ کوثر
جو ریاضؔ سا مسلماں نہ شراب خوار ہوتا

جو زمین کو دباتا وہ مرا مزار ہوتا / جو فلک کو زیر کرتا وہ مرا غبار ہوتا
ترے ناوکوں کے صدقے دلِ بیقرار ہوتا / کوئی دل میں چھپ کے رہتا کوئی دل کے پار ہوتا
کبھی میں بلائیں لیتا کبھی میں نثار ہوتا / جو نصیب میں کبھی تھی خمِ زلفِ یار ہوتا
یہ بتِ حسیں ستمگر اسے ٹھوکریں لگا کر / نہ چڑھاتے آسماں پہ جو مرا مزار ہوتا

تری رحمتوں کے بادل ابھی ٹوٹ کر برستے ۔۔۔ جو سیاہ کار یارب کوئی اشکبار ہوتا
ارے او ستانے والے تجھے یہ بہت ستاتا ۔۔۔ شبِ وصل تجھ سے بڑھ کر دلِ بیقرار ہوتا
یہی شاکِ تنگ لاتے یہی میرے کام آتے ۔۔۔ انھیں دل بنا کے رکھتا اگر اختیار ہوتا
وہ مژہ چبھوتی رہتی یوں ہی گھرے گھرے نشتر ۔۔۔ مرے دل میں درد یارب یوں ہی بار بار ہوتا
مرے حلق سے اُتر کر سمٹے صفا اشک بنتی ۔۔۔ ابھی میں گناہ کرتا ابھی اشکبار ہوتا
جو یہ زلف اُڑ کے آتی دمِ ذبح تیرے رخ پر ۔۔۔ تو بلائیں لینے والا یہی جاں نثار ہوتا
مری انجمن میں رہتا شب و روز شور قلقل ۔۔۔ ترے حلق پر جو مینا مجھے اختیار ہوتا
ترے نشترِ نگہ سے رگِ جاں لہو جو دیتی ۔۔۔ تو لہو کا قطرہ قطرہ دلِ بیقرار ہوتا

ترے آگے سر اُٹھاتا کوئی پارسا نہ ساقی
جو ریاضؔ پارسا بھی کہیں بادہ خوار ہوتا

مرے سینے میں جو میرا دلِ داغدار ہوتا ۔۔۔ مرے باغِ آرزو کی وہی اب بہار ہوتا
پئے سیر جلوہ فرما بتِ گلعذار ہوتا ۔۔۔ دلِ داغ داغ میرا کوئی لالہ زار ہوتا
کوئی خاک اگر اُڑاتا یہ زمیں نہ ہوتی ۔۔۔ یہ فلک فلک نہ ہوتا یہ فلک غبار ہوتا
تری رحمتوں کے بادل خمِ دوش جھک کے بنتے ۔۔۔ نئے حشر میں خم سے یہ سیاہ کار ہوتا
کبھی تو نے بھی یہ دیکھا اری او نگاہِ پُرفن ۔۔۔ وہی تیر دل میں رہتا وہی دل کے پار ہوتا
کبھی خارِ راہ بنتے اگر استخوانِ دشمن ۔۔۔ تو گلی میں تیری جا کر مجھے اور خار ہوتا
یوں ہی لین دین رہتا اسے میفروش تجھ سے ۔۔۔ کبھی دام نقد ملتے کبھی کچھ اُدھار ہوتا
بتِ شوخ و شنگ کیونکر رہیں عاشقوں کے بس میں ۔۔۔ کہ ذرا سے دل پر ان کو نہیں اختیار ہوتا
کبھی حشر میں نہ ہوتی انھیں میکدے کی پروا ۔۔۔ جو بہشتِ میگساراں کوئی سبزہ زار ہوتا

ئے لاکھ حشر ہوتا کسی زلف کی درازی
تری شام ہی کا حصہ شبِ انتظار ہوتا

ارے او ریاض سچ ہے تری وضع ہے کچھ ایسی
تری بات کا کسی کو نہیں اعتبار ہوتا

کھلتا نہیں ہے کچھ مرے دشمن نے کیا کہا
دشمن کی سن کے اس بتِ پرفن نے کیا کہا

کوئی تو ایسی بات تھی جو گدگدی اٹھی
گل ہنس پڑے یہ بلبلِ گلشن نے کیا کہا

دبنے کا وہ نہیں ترے بندِ قبا سے اب
کھل کھل کے تیرے سامنے جوبن نے کیا کہا

رکھ دے گی ذبح کر کے مجھے یہ چھری سے آج
تونے تو کچھ نہیں تری چتون نے کیا کہا

سنبل نے لیں بلائیں جو دیکھی تمھاری زلف
دیکھی مسی جو لب کی تو سوسن نے کیا کہا

کیا دی مجھے دعا تجھے آنا ہو پھر نصیب
غربت میں مجھ کو لوٹ کے رہزن نے کیا کہا

یارب دکھائے حشر میں میرے لہو کے داغ
قاتل کی آستین سے دامن نے کیا کہا

دے گا ترے لبِ مسی آلودہ کا جواب
یہ پھوٹے منہ سے غنچۂ سوسن نے کیا کہا

بوسے کا مجھ کو وہم ہے بدلا جو رنگِ رخ
جھک کر یہ تیرے کان میں دشمن نے کیا کہا

راتوں کو لوٹے جاتے ہیں ہم دونوں ہاتھ سے
تونے بھی کچھ سنا ترے جوبن نے کیا کہا

دامن کا چاک تھا جو ہنسا کچھ رفو کے وقت
بے منہ کی تھی وہ چپ ہی سوزن نے کیا کہا

کیا اے صبا اسیرِ قفس کو دیا پیام
جھک جھک کے تجھ سے شاخِ نشیمن نے کیا کہا

کچھ ہوش ہے کلیم جلا طور کس طرح
آتش فروز وادیٔ ایمن نے کیا کہا

میں نے جو بزم میں سوئے ساغر بڑھائے ہاتھ
آنکھیں دکھا کے ساقیٔ پرفن نے کیا کہا

ہم تو خدا پرست بھی تھے بت پرست بھی
ہم کو ریاض شیخ و برہمن نے کیا کہا

شاید مرے رقیب سے تھا آسماں ملا
اُٹھ اُٹھ کر اس سے قبر کا اُس کی دُھواں ملا

چھُٹ کر قفس سے چین ہمیں پھر کہاں ملا
وہ شاخ گل ملی نہ ہمیں آشیاں ملا

تو نے دئے جو داغ تو دل کھِل اُٹھا مرا
معلوم یہ ہوا چمنِ بے خزاں ملا

ظالم کا مدّعا تھا بڑھائے فشارِ قبر
کیوں ٹوٹ کر لحد سے مری آسماں ملا

ریشِ سفید پنبۂ مینا بنی رہی
پیری میں تجھ سے فیض یہ پیرِ مغاں ملا

سمجھے تھے گردِ راہ وہ میرے غبار کو
ہر ذرہ میری خاک کا محشر نشاں ملا

کس بانکپن کے ساتھ نباہی ہے چرخِ پیر
با وضع کوئی بھی تجھے ہم سا جواں ملا

کم بخت کو ملائی بھی لیکن چلا نہ کام
کس درجہ ہوشیار اُنھیں پاسباں ملا

وہ کشمکش وہ بھیڑ وہ آفت کی دار و گیر
ملنے کا اُن سے حشر میں موقع کہاں ملا

ہے میکدے کا خاص مقامات میں شمار
جو مغبچہ ملا مجھے پیرِ مغاں ملا

شیشے میں کس پری کو اُتارا ریاضؔ نے
بنتِ عنب سے ہے خوش مجھے کیسا جواں ملا

بڑھ کے کیوں پست حوصلہ آیا
خار پر منھ نہ آبلہ آیا

بوسہ کس نے لیا کہ بن کے ہنسی
آپ کے ہونٹ پر گلہ آیا

ہو گئی اب نوک جھونک مژگاں سے
بن کے دل دل کا آبلہ آیا

واپس آیا نہ کوئے زلف سے دل
پیش کوئی معاملہ آیا

مجھ سے بھی کچھ سوا تھا درماندہ
پاؤں میں اُٹھ کے آبلہ آیا

پُرخطر ہے بہت ہی منزلِ گور
لُٹ کے آیا جو قافلہ آیا

چبھ گئی کچھ زبانِ خار کی بات
منھ پھُلاتے جو آبلہ آیا

آئینہ کیوں غرور سے دیکھا — عکس کرنے مقابلہ آیا
منہ کی کھاتا زباں دراز تھے خار — اُن کے منہ کیوں نہ آبلہ آیا
گم شدہ ہوں نہ میکدے والے — کعبے سے کوئی قافلہ آیا

شغل مے ہے ریاضؔ پیری میں
کیوں جوانی کا ولولہ آیا

وہ ہوا جنت کی وہ ابرِ کرم چھایا ہوا — میکدہ جنت ہے جنت میں جو پی لو کیا ہوا
کیا ہوا بزمِ عدو میں اے ہیں صدقے کیا ہوا — ہنس رہا ہے آج کچھ دامن ترا مسکا ہوا
آچکا اُن کی گلی میں میرے آگے آچکا — فتنۂ محشر تو ہے سو بار کا دیکھا ہوا
دیکھنے کی چیز تھا محفل میں ساقی کا شباب — بے پئے سو بار مجھکو نشۂ صہبا ہوا
میں جو خم پر جھک پڑا تو ہوگیا وہ میرے سر — مجھسے بڑھکر آج کل ناصح ہی کچھ بہکا ہوا
خم بنا میرے لئے وہ فیضِ ساقی سے تو کیا — دانۂ انگور تھا قطرے سے جو دریا ہوا
کل تو اُٹھکر دب چکا تھا حشر کوئے یار میں — آج سنتا ہوں کوئی فتنہ نیا برپا ہوا

آئی آوازِ اذانِ صبح اُٹھو بھی ریاضؔ
میکدے میں بھی تو شورِ قلقلِ مینا ہوا

اس عشق جنوں خیز میں کیا کیا نہیں ہوتا — دیوانہ ہے جو قیس سے لیلیٰ نہیں ہوتا
کچھ حشر لحد پر ابھی برپا نہیں ہوتا — آئے ہو تو ٹھہرو کوئی زندہ نہیں ہوتا
کیونکر یہ کہوں حسن کا نشا نہیں ہوتا — ہوتا تو بہت ہے مگر اتنا نہیں ہوتا
کچھ کہیے تو شرما کے جھکا لیتے ہیں گردن — بھولے سے بھی اب وعدۂ فردا نہیں ہوتا
ملتے ہیں وہ دل سرخ ہوئی جاتی ہے چٹکی — نازک ہیں بہت خونِ تمنا نہیں ہوتا

دیتی ہے مزا مئے کا ہمیں تلخیٔ توبہ
جب ہاتھ میں پیمانۂ صہبا نہیں ہوتا

وہ حشر کے دن کشتے کو ٹھکرا چکے سو بار
کچھ جان سی پڑ جاتی ہے زندہ نہیں ہوتا

بولی یہ تمنا جو رُکے وہ درِ دل پر
گھر آپ کا ہے آپ سے پردا نہیں ہوتا

تیروں کو جگہ دیتے ہیں جو سینے میں اپنے
ان لوگوں کے اے جان کلیجا نہیں ہوتا

صحرا سے قدم گھر کی طرف خاک اُٹھاؤں
کانٹے سے جدا پاؤں کا چھالا نہیں ہوتا

بیٹھے نظر آتے ہیں وہی تیری گلی میں
جنکا کہیں دنیا میں ٹھکانا نہیں ہوتا

فرقت میں ہے کیوں نزع کی تکلیف گوارا
مرجائیں ریاضؔ آپ سے اتنا نہیں ہوتا

محشر کے لئے قول وقسم کیا نہیں ہوتا
جھوٹے تجھے اندیشۂ فردا نہیں ہوتا

رندان بلانوش میں گنتی ہے ہماری
ہم خم بھی چڑھا جائیں تو نشا نہیں ہوتا

پیکاں کے لئے کیوں جگر و دل میں کشش ہے
اے زخم دل آپس میں تو ایسا نہیں ہوتا

وحشت نے مری ڈال دی کچھ خاک سی ان پر
اب قیس کا فرہاد کا چرچا نہیں ہوتا

جو اُف نہیں کرتے ستم و جور و جفا پر
وہ جانتے ہیں ان کے کلیجا نہیں ہوتا

آزارِ محبت نہیں جاتا نہیں جاتا
بیمار محبت کبھی اچھا نہیں ہوتا

پڑتے ہی نہیں دل کے سوا پاؤں زمیں پر
مغرور کوئی حُسن پر اتنا نہیں ہوتا

ہم رند سمجھتے ہیں اسے انجمن وعظ
جس بزم میں ذکر مے و مینا نہیں ہوتا

ہوتی ہیں وہاں کوہکن و قیس کی باتیں
مدت سے ریاضؔ آپ کا چرچا نہیں ہوتا

مر کر ارے واعظ کوئی زندہ نہیں ہوتا
وہ حشر مرنے کا ہے جو برپا نہیں ہوتا

بُت توڑنے سے بُتکدہ کعبہ نہیں ہوتا
پہلے کبھی ہوتا ہو اب ایسا نہیں ہوتا

سب حشر میں ہیں آج ہمیں زیر لحد ہیں
کیا جانئے کیوں حشر ہمارا نہیں ہوتا

ہوتی ہے جو شیشے میں تو ہوتی نہیں کچھ فکر
تھوڑی سی بھی ہو تو غم فردا نہیں ہوتا

ٹھکراتے نہیں پائے حنائی سے وہ سر کو
روشن کبھی قسمت کا ستارا نہیں ہوتا

سُن لیتے ہیں چپکے سے مؤذن کی ہم اے شیخ
جب ہاتھ میں ناقوسِ کلیسا نہیں ہوتا

آنے کو تو آتی ہیں جنوں خیز بہاریں
کیا جانئے اب کیوں ہمیں سودا نہیں ہوتا

میخانے میں کیوں یاد خدا ہوتی ہے اکثر
مسجد میں تو ذکرِ مے و مینا نہیں ہوتا

اللہ دکھائے نہ بُرا وقت کسی کو
کوئی بھی زمانے میں کسی کا نہیں ہوتا

ٹھکراتے ہوئے ڈرتے ہو کیوں میری لحد کو
ٹھوکر سے تمہاری کوئی زندہ نہیں ہوتا

آقا سے ریاض آپ تو کہتے نہیں کچھ بھی
اوروں سے گلہ کام ہمارا نہیں ہوتا

اس نزاکت سے ہے مہِ نو کا نمایاں ہونا
چاہتا ہے کوئی نازک سا گریباں ہونا

اب کہاں عکس کا اس گھر میں وہ مہماں ہونا
آئینہ سیکھ گیا دیدۂ حیراں ہونا

نگہِ شرم سے دبتے رہے سرکش جوبن
کام آیا خمِ گردن کا نگہباں ہونا

مجکو آنکھوں نے دکھایا ہے پلک جھپکاتے
خشک ہو کر کسی دریا کا بیاباں ہونا

سب سے پہلے کسی غنچے کا وہ کھلنا سر شاخ
اس سے پہلے وہ مرا چاک گریباں ہونا

یادِ گیسوئے دراز اور تری عمر دراز
اب بہت دُور ہے صبح شب ہجراں ہونا

کیا زمانہ ہے کہ دشوار نظر آتا ہے
لاکھ دو لاکھ میں بھی صاحب ایماں ہونا

کیف مئی سے نہیں اے حشر کوئی آپ میں آج
رنگ لایا ہے مرا داغ بہ داماں ہونا

سر جھکانا مجھے تقدیر سے سب کے آگے — کوئی بھی ہو مجھے شرمندۂ احسان ہونا

دیکھ کر ترشے ہوئے پاؤں کے ناخن اُن کے — وہ ابھرنا مہِ نو کا وہ پشیمان ہونا

شورِ دیوانوں میں ہونا وہ بہار آئی ریاضؔ
اور وہ گھر کا مرے صورتِ زنداں ہونا

ساتھ ہی تیر فگن لے صفِ مژگاں ہونا — آج ہم کو بھی ہے سو جان سے قرباں ہونا

رنگ وہ ہار کے پھولوں کا بدلنا شبِ وصل — بے چھوئے چھیڑے وہ زلفوں کا پریشاں ہونا

حشر تک غیر کو تڑپائیگا یا رب شبِ وصل — مجھ میں اس شوخ میں کل کے لئے پیماں ہونا

تم ملو یا نہ ملو ہم کو خدا ملتا ہے — ہے بڑی چیز بتو صاحبِ ایماں ہونا

سلسلے کی ہے کڑی موجِ شرابِ گلرنگ — لہر رندوں کی ہے مستِ مئے عرفاں ہونا

صدقے اس مے کے جو پی کر عرقِ شرم بنے — کام آجائے مرا دل میں پشیماں ہونا

غیر نے شام ہی سے گھی کے جلائے ہیں چراغ — آج دشوار ہے صبحِ شبِ ہجراں ہونا

وضعِ رندانہ رہے۔ ریش رہے صاف ریاضؔ
خوف کی چیز ہے اس وقت مسلماں ہونا

کبھی ممکن نہیں مے خانہ کا ویراں ہونا — کبھی ممکن نہیں جنّت کا بیاباں ہونا

ایسی دیوانی جوانی کہ یہ کہتی آئی — اے مبارک ہو تجھے چاک گریباں ہونا

جس کی آنکھوں میں سماتا ہی نہیں کوئی حسیں — آئینہ دیکھ کے اس شوخ کا حیراں ہونا

پھول برسانے کو لے ابرِ کرم کافی ہے — داغِ دامن سے مرا سر بہ گریباں ہونا

موت ہی موت اگر یاس سے بدلے اُمید — کچھ نہیں دل میں کسی بات کا ارماں ہونا

عمر بھر کاتبِ اعمال فرشتے ہی رہے — پا کے صحبت بھی نہ آیا اُنہیں انساں ہونا

دیکھنے میں تو نہیں کچھ بھی وہ مژگاں دراز　　مگر آتا ہے اسے ناوک و پیکاں ہونا
کام ہے کام جگانا نہ ستانا شب بھر　　نہ پریشاں انہیں کرنا نہ پریشاں ہونا
دستِ بے تیغ سے ظالم نے لیا تیغ کا کام　　آستیں چڑھتے ہی شمشیر کا عریاں ہونا
مدد اے زورِ جنوں اب نہ لگی رہ جائے　　طوق و زنجیر سے ہے دست و گریباں ہونا

ہم سے کہتا ہے ہمارا دلِ صد چاک ریاضؔ
تمہیں آتا ہی نہیں چاک گریباں ہونا

جس پر گمان حشر میں ہے آفتاب کا　　تاریک رخ ہے وہ مری فردِ حساب کا
نقطہ بنا ہر اک مری فردِ حساب کا　　محشر کے دن حجاب رخِ آفتاب کا
آئے ہمارے آگے وہ ساغر شراب کا　　ساقی نے جس میں رنگ بھرا ہو شباب کا
دل کو نہیں ہے خوف نگاہِ عتاب کا　　ہے پاؤں بیچ میں ترے تارِ نقاب کا
وقتِ عتاب بن گئی چہرہ عتاب کا　　دیکھے تو کوئی رنگ بدلنا نقاب کا
موقع شبِ وصال ملا ہے جواب کا　　ممنون ہوں ترے ستمِ بے حساب کا
پردے میں چھپ سکا نہ وہ چہرہ عتاب کا　　دیکھا ہے ہم نے رنگ بدلنا نقاب کا
بدمست دل ہے آنکھ ہی ساغر شراب کا　　ساقی کا میکدہ ہے زمانہ شباب کا
خاکسترِ شرار کو انساں بنا دیا　　بھر کر ہوا حباب کی پانی حباب کا
جس کو ہوا اڑا نہ سکے میں وہ خاک ہوں　　بیٹھا ہوا غبار ہوں میں سطحِ آب کا
الجھی بری طرح ہے کسی کی نگاہِ شوق　　جو حال اب نہ ہو تری نازک نقاب کا
سوئے حرم گیا ہے کوئی مست میکدہ　　ہر نقشِ پا چراغ ہے راہِ ثواب کا
بنتے بگڑتے دیر نہیں اس جہان میں　　دیکھا ہے بیٹھنا بھی ابھر کر حباب کا

رحمت کو یہ ادا مری شائد پسند آئے — ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے پینا شراب کا
شوخی وہ کیا کہ جس سے بڑھیں بدگمانیاں — عنوان اور ہے مرے خط کے جواب کا
عصیاں کے بعد بھی تری رحمت وہی رہی — ممنوں ہوں ترے کرم بے حساب کا
غالب ہے خوف ذوق معاصی کے ساتھ ساتھ — دھڑکا لگا ہوا ہے عذاب و ثواب کا

پیری میں سر بھر رہیں یونہی لے ریاضؔ
ہے بوتلوں میں بند زمانہ شباب کا

یہ کہاں لگی یہ کہاں لگی جو قفس سے شور فغاں اُٹھا — جلے آشیانے کچھ اس طرح کہ ہر ایک دل سے دھواں اُٹھا
لگی آگ میرے جگر میں یوں نہ لگے کسی کے بھی گھر میں لو — نہ تو لو اُٹھی نہ چمک ہوئی نہ شرر اُڑے نہ دھواں اُٹھا
کوئی مست میکدہ آگیا مے بیخودی وہ پلا گیا — نہ صدائے نغمہ دیر اُٹھی نہ حرم سے شور اذاں اُٹھا
گئے ساتھ شیخ حرم کے ہم نہ کوئی ملا نہ لئے قدم — نہ تو خم بڑھا نہ سبو جھکا جو اُٹھا تو پیر مغاں اُٹھا
لب خم سے نکلے صدائے قم سر دوش ایسے ہزار خم — خم آسماں بھی ہو جس میں گم وہ سیاہ ابر کہاں اُٹھا
تجھے مے فروش خبر بھی ہے کہ مقام کون ہے کیا ہے شئے — یہ رہ حرم میں دکان مے تو یہاں سے اپنی دکاں اُٹھا

یہ سپید ریش ریاضؔ ہے جو بنا ہے بزم میں پند گو
اسے کیوں نہ ابر سیہ کہوں کہ برس پڑا یہ جہاں اُٹھا

در کھُلا صبح کو پو پھٹتے ہی مے خانے کا — عکس سورج ہے چھلکتے ہوئے پیمانے کا
حسن موجوں کا چھلکنا بھرے پیمانے کا — رقص پریوں کا ہے عالم ہے پری خانے کا
ہائے زنجیر شکن وہ کشش فصل بہار — اور زنداں سے نکلنا ترے دیوانے کا
صدقے اس سوز کے جو سوز ہو اس حسن کے ساتھ — شعلہ گویا پر پرواز ہے پروانے کا
ہوں وہاں۔ گم ہے جہاں ہستی موہوم مری — دوسرا نام عدم ہے مرے ویرانے کا

نہ بیاں ہو جو ملے صبحِ ازل شامِ ابد — حشر ہے بیچ کا ٹکڑا مرے افسانے کا

پردہ بھی بات بھی جلوہ بھی پسِ دامنِ برق — شوخیاں ہیں کہ یہ انداز ہے شرمانے کا

بال کے بدلے نظر آتے ہیں اس میں سو چاک — عکس آئینۂ دل پر بھی پڑا شانے کا

پیٹ میں خم کے ہے جو کچھ وہ بھرا ہی اس میں — منہ نہ کھلوا ارے واعظ مرے پیمانے کا

کیا تصور ہی سے اٹھ جاتے ہیں پردے دل کے — دل بھی کیا نام ہے اُن کے کسی کاشانے کا

رکھتی ہے عالمِ نو شورشِ ہنگامۂ عشق — حشر اک حرفِ غلط ہے مرے افسانے کا

آپ کے ہار کی کلیوں سے یہ ملنے کا نہیں — دل ہے مٹی کا نہ کھلنے کا نہ مرجھانے کا

کھنچنے والی کی جھلک دیکھی ہے جب سے ساقی — دیکھنا منہ مجھے انگور کے ہر دانے کا

پھرتی ہے حشر کے دن آنکھ کے نیچے شبِ وصل — ہائے انداز وہ زلف کے بل کھانے کا

شمعِ کعبہ رہے محفوظ الٰہی تا حشر — نام روشن ہے اک اُجڑے ہوئے بتخانے کا

نہ ہوا اچھی نہ مری آہ عدو بجھے وہ بجھے — حالِ شب کو نہ کھلا شمع کے بجھ جانے کا

لوگ کہتے ہیں کہ ہے زاہدِ مرتاضِ ریاض
رند کہتے ہیں اُسے چور ہے مے خانے کا

شرارِ برق گو تنکے بنے لیکن نشاں ہوگا — جہاں میرا نشیمن تھا وہاں اب تک دھواں ہوگا

مقاماتِ اثر میں اب اثر کا امتحاں ہوگا — یہ نالے ہونگے ان کا بام ہوگا آسماں ہوگا

ملے گی خدمتِ میخانہ شاید کعبے والوں کو — سنا شیخِ حرم آکر یہاں پیرِ مغاں ہوگا

مزا اس وقت آئیگا قیامت میں شہادت کا — اتر کر جب دہانِ زخم میں خنجر زباں ہوگا

یہ دوشِ ابر پر جاتے ہیں خم کے خم کہاں ساقی — بتا دے آج شورِ قلقلِ مینا کہاں ہوگا

سحر ہوتے گیا کوئی تو یہ کہتا گیا کوئی — یہی تو ہیں کہ ان کے گھر کوئی پھر مہماں ہوگا

نہیں صبح چمن میں کیفِ خوابِ صبحِ مستانہ | کہ شورِ خندۂ گل کان میں شورِ اذاں ہوگا

گلی میں کچھ جھجک بھی رات اندھیری تھی آ چوکی | ہمیں بڑھکر لیا جس نے وہ ان کا پاسباں ہوگا

شکن افتادہ دامن میں ہوا ہو زلفِ پُرخم میں | دلِ کج راہ کو ہم ڈھونڈ لائینگے جہاں ہوگا

ہر اک پل ہجر کا طولِ حیاتِ خضر رکھتا ہے | جو تو آئے ترا احسان مرگِ ناگہاں ہوگا

اندھیرا ہوتے واماندہ عجب حسرت سے کہتے تھے | سرِ منزل پہنچتا اب ہمارا کارواں ہوگا

عدو کی قبر ہوگی بال بکھرائے جہاں پہنچے | بچے سایے سے جس کے آپ وہ میرا مکاں ہوگا

تبسم اور شوخی اس پہ اندازِ تبسم کی | ترے لب پر جو یوں آیا کوئی رازِ نہاں ہوگا

لگی الفت کی بجھ سکتی نہیں ہے خاک ہونے پر | چمک اُٹھے گا میری خاک کا ذرہ جہاں ہوگا

جوانی اے ریاضؔ اب لوٹتا ہے دخترِ رز کی
بڑھاپا کہہ رہا ہے تو نئے سر سے جواں ہوگا

نہ سجدے پے بہ پے ہونگے نہ سجدوں کا نشاں ہوگا | جبیں ہوگی ہماری اور اُن کا آستاں ہوگا

نکلکر تیرے کوچے سے گزر میرا جہاں ہوگا | ہزاروں آسماں ہونگے وہاں ایک آسماں ہوگا

زمیں پر اب نیا پیدا جو اب آسماں ہوگا | ترا کوچہ ترے نقشِ قدم سے کہکشاں ہوگا

کہیں منہ چوم لے ان کا نہ کوئی ایسی باتوں پر | مرے آگے سرِ بزم عدو میرا بیاں ہوگا

قفس میں آؤں تو دیگا جگہ صیاد آنکھوں میں | چمن میں جاؤں تو ہر پھول میرا آشیاں ہوگا

بطِ مے کا شکار اچھا رہیگا آج اے رندو | لبِ جو سبزہ ہوگا سامنے آبِ رواں ہوگا

بہت ہی خیر گزری ہوتے ہوتے رہ گئی اُس سے | جسے میں غیر سمجھا ہوں وہ ان کا پاسباں ہوگا

رہا میں پھول بنکر نخلِ گل کی ڈالی ڈالی پر | مرا رہنا چمن میں باغباں پر کیوں گراں ہوگا

کل آہِ گرم سے جس نے گرائیں بجلیاں سب پر | تمہارے بیقراروں میں کوئی آتش بجاں ہوگا

لئے ناقوس کوئی دیر والا آج آیا ہے — اگر سچ ہے تو کعبے میں مزا وقت اذان ہوگا

بہتو ہم کو رُلائیگا یہ نظارہ اسیری میں — قفس میں ہوں گے ہم موج ہوا پر آشیان ہوگا

شراب ناب تو کیا آگ پانی بن کے برسیگی — اگر ابر بہار اس آتش گل کا دھوان ہوگا

وہاں بھی پھول برسیں گے گنہگاراں اُمت پر — جو دو چار آئے ہم سے تو جہنم بھی جنان ہوگا

لہو رو دینگے میرے زخم دامن رکھ کے آنکھوں پے — تمہارا داغ دامن حشر میں جب گلفشان ہوگا

ذریعہ ہے یہی رحمت کا کہہ دی تو یہی اے زاہد — یہ میرا پھول سا بار گنہ مجھ پر گران ہوگا

ترا دیوان تو شایع ہو جگہ سب آنکھ پر دینگے

ریاضؔ اشعار کا تیرے زمانہ قدرداں ہوگا

پہلے تیر نگہ ناز کا پیکاں سمجھا — دور سے دل میں اتر آئی تو مژگان سمجھا

زندگانی کو خیال شب ہجراں سمجھا — موت آئی تو اُسے خواب پریشان سمجھا

بھولے پن سے یہہ اُسے محفل جاناں سمجھا — حشر کی خوب حقیقت دل نادان سمجھا

نہ ہوا اسے کہیں بجھ جائے ذرا سانس نہ لی — داغ دل کو میں چراغ شب ہجران سمجھا

دل میں کمبخت نے سو زخم تو ڈالے ہونگے — تھا وہ ارمان ترا میں جسے پیکان سمجھا

دی جگہ تھوڑی سی ہر آرزوِ مردہ کو — میں نے سینے کو کوئی گور غریبان سمجھا

میں گنہگار بڑھاتا دم محشر کیوں ہاتھ — ابر رحمت کو مگر آپ کا دامان سمجھا

تو گئی ساتھ نشان کف پا کیوں لیکر — میں تری چال نہ اے عمر گریزان سمجھا

داغ تھے کچھ مے گلگوں کے مرے دامن پر

وہ ریاضؔ ایسے کھلے میں گل داماں سمجھا

دنیا سے الگ ہم نے میخانے کا در دیکھا — میخانے کا در دیکھا اللہ کا گھر دیکھا

گوشے سے نشیمن کے   آہوں کا اثر دیکھا   صیاد کا گھر جلتے   بے برق و شرر دیکھا

دونوں کے مزے لوٹے   دونوں کا اثر دیکھا   اللہ کا گھر دیکھا   میخانے کا در دیکھا

یوں حشر میں سیریں کیں   فردوس و جہنم کی   کچھ دیر اِدھر دیکھا   کچھ دیر اُدھر دیکھا

اے شیخ وہ کعبہ ہو   یا ہو درِ مے خانہ   تو نے مجھے جب دیکھا   سجدے ہی میں سر دیکھا

نالہ ہمیں کرنا تھا   دم عشق کا بھرنا تھا   سو رنگ سے مرنا تھا   ہر رنگ سے مر دیکھا

جب موج اُبھرتی ہے   کہتی ہے وہ شوخی سے   بازو میں بطِ مے کے   سرخاب کا پر دیکھا

ٹانکے دیئے جاتے ہیں   کیوں لب سیئے جاتے ہیں   ہنسنے کا مزا تو نے   اے زخم جگر دیکھا

نسبت نہیں مجکو کچھ   بیکس کے بجھے دل سے   بجھتے ہوئے تجکو بھی   اے شمعِ سحر دیکھا

سہمے ہوئے بیٹھے ہیں   کھوئے ہوئے بیٹھے ہیں   جس رات کے ارماں تھے   اس رات کو ڈر دیکھا

پھل پھول نہیں لاتے   یہ باغ محبت میں   ہر نخلِ تمنّا کو   بے برگ و ثمر دیکھا

کعبے میں نظر آئے   جو صبح اذاں دیتے   میخانے میں راتوں کو   ان کا بھی گزر دیکھا

کچھ کام نہیں مے سے   گو عشق ہے اس شے سے
ہیں رند ریاضؔ ایسے   دامن بھی نہ تر دیکھا

مکاں ملتے ہیں کیا لامکاں نہیں ملتا   نشان لاکھ ہیں لیکن نشان نہیں ملتا
کہیں بھی جائیں کہاں آسماں نہیں ملتا   لحد ہی ایک جگہ ہے جہاں نہیں ملتا
ہوئی ہے روشن اُسی سے ہماری پیشانی   جبین عرش کو جو آستاں نہیں ملتا
سُنی ہے میں نے بھی رنگیں نوائیِ ناقوس   گلے سے میرے یہ وقتِ اذاں نہیں ملتا
یہ چاہتا ہوں کہ بے منہ کے آبلو نسے نبھے   کہیں بھی خار کوئی بے زباں نہیں ملتا
بہار آتے ہی پھولوں نے چھاؤنی چھائی   کہ ڈھونڈتا ہوں مجھے آشیاں نہیں ملتا

یہ کہہ رہا ہے ترنم ہوا کی موجوں کا — خموش پھولوں کا حسنِ بیاں نہیں مِلتا
یہ شب گزارِ حرم ہے ضرور اے ساقی — کسی سے رات کو پیرِ مغاں نہیں مِلتا
چلے نہ کام بھرے خم اگر نہ ساتھ چلیں — حرم کی راہ میں کوسوں کنواں نہیں مِلتا
شفق کھلی نہ سرِ قبر پائے رنگیں سے — زمیں سے جھک کے کبھی آسماں نہیں مِلتا
خدا کے واسطے پہنچا دے کوئی منزل تک — بچھڑ گیا ہوں مجھے کارواں نہیں مِلتا
زبانِ حال میں اُن کی عجب لطافت ہے — کسی سے پھولوں کا حسنِ بیاں نہیں مِلتا
چلے نہ ہاتھ گلے پر تو خود ہی چل جائے — انہیں گلا ہے کہ خنجر رواں نہیں مِلتا

ریاض چھانٹ لیا اس نے مجھ سے بوڑھے کو
کوئی بھی دخترِ رز کو جواں نہیں ملتا

گئے ہوئے مرے دل کا نشاں نہیں مِلتا — لٹا ہوا کوئی اب کارواں نہیں مِلتا
جو چاہتا ہوں وہ حسنِ بیاں نہیں ملتا — کہ عندلیب سے رنگِ فغاں نہیں مِلتا
لحد میں اور تو آرام ہے یہ الجھن ہے — کہ دیکھنے کو یہاں آسماں نہیں ملتا
بنی ہوئی ہے یہ ہمسایہ میفروش سے بات — اُدھار بھی ہمیں سودا گراں نہیں مِلتا
نگہ کے ساتھ چلیں تیر اُڑ کے ترکش سے — اب اس ادا سے وہ ابرو کماں نہیں مِلتا
بہار آتے ہی تو نے بھی رنگ کچھ بدلا — ترا مزاج اب اے باغباں نہیں مِلتا
کڑی نگاہوں سے میری سمجھ گیا دل میں — کہ سوتے جاگتے اب پاسباں نہیں مِلتا
نہ آتی نیند غرض یہ تھی وقت کٹ جاتا — ہمیں کوئی شبِ غم قصہ خواں نہیں مِلتا
ستائے جاتے ہیں راتوں کو چاند کے ٹکڑے — انہیں بھی چین تہِ آسماں نہیں مِلتا
بلائیں رونقِ کاشانہ روز رہتی ہیں — کوئی حسین ہمیں میہماں نہیں مِلتا

ہزار حسن سے کہتے ہیں راز قدرت کے — خموش پھولوں کا حُسن بیاں نہیں مِلتا
یہ کھینچ کے بڑھ گئی دو ہاتھ اور قاتل سے — مزاج تیغ دمِ امتحاں نہیں مِلتا
وہ چاہتے ہیں تصور میں کوئی آ نہ سکے — انہیں گلہ ہے کوئی پاسباں نہیں مِلتا
شگفتہ پھول ہے گویا مرے حسامؔ کی قبر — مگر حسامؔ کا اُس میں نشاں نہیں مِلتا
لحد کی خاک سے کیا کیا اُگے ہیں لالہ و گل — نکل کے مجھسے مرا نوجواں نہیں مِلتا

ریاضؔ کو حرم و میکدہ برابر ہے
پیے شراب وہ شب کو کہاں نہیں مِلتا

میخانے میں مزار ہمارا اگر بنا — دنیا یہی کہے گی کہ جنت میں گھر بنا
تو بن کے گردباد نہ دیوار و در بنا — اے قیس خاک ہو کے ہوا پر نہ گھر بنا
بے پر قفس میں جان کہے آیے آمدِ بہار — تنکا جو آشیاں سے اُڑا آ کے پر بنا
میرے گلے لگا کبھی خنجر کمر سے باندھ — زیبِ گلو بنا کبھی زیبِ کمر بنا
وہ بھی۔ اجل بھی۔ نیند بھی غش بھی شبِ فراق — ہر ایک میرے حال سے کیوں بے خبر بنا
بوتل چرا کے لاتے تھے ہم میکدے سے روز — موقع مِلا تو رات کو خم بارِ سر بنا
اللہ ہے جو حشر ہو اس گھر کا اے اجل — میری لحد بنی کہ نیا آج گھر بنا
کیا خضرؑ بھی پہنچتے ہیں اس کی گلی میں روز — یہ کون آ کے آج مرا ہمسفر بنا
دنیا کے رات دن سے الگ کچھ یہ وقت تھا — میرے لیئے فراق کا ہر پل پہر بنا
پانی کی طرح خون بہے جوئے زخم سے — اب کیا یہ زخمِ دل بھی مری چشمِ تر بنا
یہ شوق ہے نہ پاؤں زمیں پر پڑیں کبھی — کیوں جادہ کہکشاں کا تری رہگزر بنا
ہو جس کے ٹوٹنے میں صدائے شکستِ دل — ایسا بھی کوئی جام ارے شیشہ گر بنا

آیا جنوں میں دینے وہ نشتر مجھے ریاض
ناصح کو دیکھیے کہ مرا چارہ گر بنا

مجکو نظارہ الگ سب سے میسر ہوتا
ہوتے سب خلد میں میں خلد کے باہر ہوتا

محفلِ وعظ میں واعظ نہ مرے سر ہوتا
عوض شیشہ اگر ہاتھ میں پتھر ہوتا

حشر ہے حشر کوئی قتلگہِ ناز نہیں
آج کیوں مہندی لگے ہاتھ میں خنجر ہوتا

اس کے ہر گوشہ میں ہوتا شررِ برق کا رقص
میں تو میں کوئی نشیمن میں اگر پر ہوتا

آئینہ ساتھ ترے دیکھتے ہم بھی شبِ وصل
منہ ہمارا بھی ترے منہ کے برابر ہوتا

چل سکا زورِ جنوں کچھ نہ ترے دامن سے
دھجیاں اُڑتیں اگر دامنِ محشر ہوتا

سیج پر پھولوں کی سوتے وہ عدو کے ہمراہ
دل جلوں کے لئے انگاروں کا بستر ہوتا

گھر مرا کہتے ہیں جس کو کوئی زنداں ہوگا
در و دیوار نہ ہوتے جو مرا گھر ہوتا

زندگی آٹھ پہر لطف سے کٹتی قاتل
سانس کی طرح رواں سینے میں خنجر ہوتا

مے جوانی کی طرح جس سے اُبلتی ساقی
تیری تصویر ترے ہاتھ میں ساغر ہوتا

محتسب خم شکنی سے تری بڑھتا یہ جوش
ہر طرف آج رواں چشمۂ کوثر ہوتا

طفلِ اشک اُن کی گلی میں جو نہ ہوتا ضایع
قد میں وہ آج قیامت کے برابر ہوتا

ساغرِ دل کی طرح جام کوئی دے ساقی
جو نہ بھرتا کبھی ایسا کوئی ساغر ہوتا

وہیں رہتے وہیں پیتے وہیں سجدے کرتے
ایک گوشے میں پسِ خم کہیں بستر ہوتا

بیخودی ہم کو نہ ہوتی تو ادھر بھی جاتے
طور پر یار کا نظارہ میسر ہوتا

مجھسے واعظ نہ کمی ہوتی ذرا خدمت میں
پی کے بھی میں نہ کبھی آپ سے باہر ہوتا

عشق کی آگ کے دن رات اُبلتے دریا
ظرف میرا بھی جہنم کے برابر ہوتا

رنگت تجھے جام لبِ جام یہ موجیں بنتیں — لب معشوق سے نازک لبِ ساغر ہوتا

ہم سے مینوش جو لب کھولتے واعظ کی طرح — صحنِ مسجد میں رواں چشمۂ کوثر ہوتا

بار ہوتا نہ شبِ وصل نزاکت کو تری — لب مرا شلِ تبسم ترے لب پر ہوتا

ایک چلو کے نہیں کوثر و تسنیم ریاضؔ
خاک اُڑتی جو لبِ خشک مرا تر ہوتا

وہ کوسنا مجھے ان کا مرا دعا دینا — بڑھے نہ بات یہ ہے آگ کو ہوا دینا

کہاں اُڑیگی نہ زاہد کو کچھ پتا دینا — چمن میں آئے تو رندو ہوا بتا دینا

تمہارے کوچے میں کچھ طور والے بیٹھے ہیں — ذرا تم آکے لبِ بام مسکرا دینا

بلا ہے گور کی شب اس سے بڑھکے حشر کا دن — نہ آؤں ہوش میں اتنی مجھے پلا دینا

رہیگا یاد انہیں بھی مجھے بھی وصل کی شب — وہ ان کے ہار کی کلیوں کا مسکرا دینا

مزا ہو تنگ درِ خانقہ میں شیخ پھنسے — بڑا سا خم کوئی رندو گلے لگا دینا

نہ لالہ زار بنانا مزار کو نہ سہی — چراغ آکے کبھی شام کو جلا دینا

ہزار بار میں اس التفات کے صدقے — ہمیشہ داغ مرے دل کو اک نیا دینا

ہوا سا جائیگا تا شاخ آشیاں صیاد — قفس سے پر کوئی ٹوٹا ہوا اُڑا دینا

ملیں گے پاؤں سے وہ اور خوں شدہ دل کو — لگی میں جاکے حنا اور تو لگا دینا

سحر ہے بام ہے پچھلے کی نیند ہے شبِ وصل — نسیم آکے ذرا شمع تو بجھا دینا

ہزاروں عیب چھپاتی ہے میری ریشِ دراز — چرائے کوئی خمِ مے مجھے بتا دینا

مرے سوا نظر آئے نہ کوئی دوزخ میں — کسی کا جرم ہو مالک مجھے سزا دینا

چمک رہی ہیں نگاہوں میں بجلیاں پیہم — حریم ناز سے پردہ ذرا اٹھا دینا

اِدھر اُدھر بہت آنے لگا ہے مُنہ واعظ
ذرا اسے کہیں رندو مزا چکھا دینا

سنا ہے ہم نے بہت کچھ کلیم کے مُنہ سے
ہم آئیں تو ہمیں آواز ہی سنا دینا

زباں ہو بند مری تو بھی میں کروں توبہ
دمِ اخیر مجھے بادہ جانفزا دینا

حرم ہے جائے ادب کام دیگی جنت میں
فرشتو طاق سے بوتل مری اُڑا دینا

نہ روکے طور تو ہم جائیں عرش سے اونچے
ہماری راہ سے پتھر ذرا ہٹا دینا

گراں ہے توبہ کو مینا کا شور قلقل بھی
وہ غُل مچائے تو اُس کا گلا دبا دینا

شرابِ ناب سخن کا یہ دور آخر ہے
ریاضؔ کی یہ غزل بزم میں سُنا دینا

اُتری ہے آسماں سے جو کل اُٹھا تو لا
طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

لیلےٰ کے دل میں قیس نکل آئیگی جگہ
تو سر پہ آج نجد کا جنگل اُٹھا تو لا

دھونا ہی داغ جامۂ احرام صبح صبح
حجرے سی شیخ پانی کی چھاگل اُٹھا تو لا

مجکو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیوں
ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اُٹھا تو لا

وہ حُسن وضع دیکھیں گے کیونکر جڑی ہیں دل
زرگر نئی بنی ہے جو ہیکل اُٹھا تو لا

طاقِ حرم میں شیخ گلابی ہے پھول سی
اس کام کا ملے گا تجھے پھل اُٹھا تو لا

بن جائے دن یہ تیرہ شبِ ہجر اے ندیم
روشن تھا جس سے طور وہ مشعل اُٹھا تو لا

میں کام لونگا ابر کا لے رند تان کر
تو مجھ فقیر مست کا کمل اُٹھا تو لا

اے شیخ میز سے دمِ افطار فرش پر
پینے کو پھول کھانے کو کچھ پھل اُٹھا تو لا

ناصح کا منہ ہو بند چکھا دوں شرابِ خُلد
ساقی ذرا ریاضؔ کی بوتل اُٹھا تو لا

مَے نورِ خدا ہوتی دل عرشِ خدا ہوتا
تھوڑی سی جو پی لیتے کیا جانئے کیا ہوتا

مَے نور کے ساغر میں ڈھلتی تو مزا ہوتا
ایک نور کے سانچے کا ساغر بھی ڈھلا ہوتا

تم دل میں جو آجاتے کیا جانئے کیا ہوتا
دیدار خدا ہوتا وہ حشر بپا ہوتا

بے خار نظر آتا۔ کانٹوں سے بھرا جنگل
چبھنے کے لئے کانٹے میں آبلہ پا ہوتا

صیّاد قفس میں وہ آج آئی بھی لائی بھی
بے نکہت گل کیونکر دامان صبا ہوتا

منہدی لگی ہاتھوں میں رکھنا تھا قیامت تک
آلودۂ خون قاتل دامن نہ ترا ہوتا

ہم جا کے جو بھولے سی مسجد میں اذاں کہتے
بے دست برہمن بھی ناقوس بجا ہوتا

ہر فصل میں لطف آتا ہوتا جو کہیں دامن
پھولوں سے بھرا ہوتا کانٹوں سے بھرا ہوتا

واں ہے یہ قیامت کا ہم ہجر کے مارے ہیں
افسانہ ہمارا بھی تھوڑا سا سُنا ہوتا

خلوت گہِ دل میں تم چپکے سے جو آجاتے
پردے میں سویدا کے کیا جانئے کیا ہوتا

لطف آتے اسیری میں اے کاش قفس اپنا
پھولوں سے لدا ہوتا پھولوں سے بھرا ہوتا

آگے ترے وحشی کے سُنتا نہ کوئی اُس کی
آوازۂ مجنوں بھی صحرا کی صدا ہوتا

ملتا نہ کوئی فتنہ فتنوں سے قیامت کے
کوچہ وہ تمہارا تھا ہر فتنہ نیا ہوتا

اچھا تھا مرے مالک یوں میری گزر جاتی
درگاہ تری ہوتی یہ دستِ دعا ہوتا

رحمت سے ریاضؔ اس کی تھے ساتھ فرشتے دو
اک حور جو بڑھ جاتی تو اور مزا ہوتا

میں سمجھا جب جھلکتا سامنے جام شراب آیا
مرا منہ چومنے شاید مرا مستِ شباب آیا

ترے نازک سے چہرے پر جہاں رنگ عتاب آیا
صباحت رخ کی بول اُٹھی کہ رخ زیر نقاب آیا

قیامت اٹھتی رہتی ہے یہاں یہ ہی گلی اُسکی
کہاں پامال ہونے تو دلِ خانہ خراب آیا

سرِ تربت بھی گھوڑے پر ہوا کے وہ سوار آئے
قیامت ہم عنان آئی نہ دشمن ہم رکاب آیا

ہوئے ہنگامہائے حشر کتنے گوشۂ دل میں
وہ میرے سامنے کچھ اس ادا سے بے نقاب آیا

وہ آئے سیرِ دریا کے لئے تو بجھ گئیں موجیں
قدم سے اُن کے اپنی آنکھ ملنے ہر حباب آیا

بہت بوسے لئے ہیں میں نے ان کافر حسینوں کے
مزا آئیگا مجکو بھی اگر روزِ حساب آیا

تکلف برطرف اے شیخ صحبت ہے یہ آپس کی
مرے آگے شراب آئی ترے آگے کباب آیا

اسی کوشش میں کتنی ہجر کی راتیں ہوئیں آخر
نہ اُن کے گیسوؤں کا میرے دل میں پیچ و تاب آیا

خیالِ یار کے صدقے خیالِ یار ہی ہو گا
تسلّی مجکو دینے کوئی وقتِ اضطراب آیا

تری نوکِ قلم نے دل میں گہرے زخم ڈالے ہیں
ہزاروں دشنہ و نشتر لئے خط کا جواب آیا

وہ تصویر آج تک محفوظ ہے چشمِ تصوّر میں
ترے بچپن سے جب اٹکھیلیاں کرتا شباب آیا

نہیں موجیں ہیں یہ سیلِ حوادث کے طمانچے ہیں
اُسے کھانا پڑی منہ کی ابھر کر جب حباب آیا

برابر میری تربت کے کیا ہے دفن دشمن کو
یہ اچھا میرے حصے میں جہنم کا عذاب آیا

کہیں دعوت میں کل ہم اور واعظ پاس بیٹھے تھے
کوئی لیکر شراب آیا کوئی لیکر کباب آیا

لحد پر میری بھیجا ہے عدو کو فاتحہ پڑھنے
جو پہنچانے ثواب آیا وہی بنکر عذاب آیا

جو آئے بھی تو گھوڑے پر ہوا کے وہ سوار آئے
عدو بھی ساتھ سائے کی طرح تھامے رکاب آیا

ہوا بنتِ عنب سے عقد اس پیرانہ سالی میں
مبارک ہو مجھے ساقی بڑھاپے میں شباب آیا

نرالے ہیں یہی دنیا میں توبہ توڑنے والے
اِدھر ساقی ریاضؔ آئے اُدھر جامِ شراب آیا

مدینے میں گدائی کرکے میں خوددار ہو جاتا
کہاں کا طور گھر بیٹھے مجھے دیدار ہو جاتا

یہ دل داغوں بھرا تیرے گلے کا ہار ہو جاتا
گلے کے ہار کا ہر پھول تجکو بار ہو جاتا

کرم سے تیرے ساقی دشمنِ پندار ہو جاتا | بس اتنی مجکو مل جاتی کہ میں ہشیار ہو جاتا

عدو پر آج ہلکا سا مرا بھی وار ہو جاتا | مرا نالہ بھی کھچکر یار کی تلوار ہو جاتا

کہیں عیسیٰ نفس آتے اگر میری عیادت کو | کبھی اچھا نہ ہوتا اِس طرح بیمار ہو جاتا

یہ رہنا چاہتا ہر وقت جھرمٹ میں جنوں کے | میں سنتا دل کی تو جینا مجھے دشوار ہو جاتا

نکلنا ہی ترے ترکش سے ناوک کا قیامت تھا | کہ آتے آتے چٹکی تک جگر کے پار ہو جاتا

میں پس جاتا اگر آبیٹھتا دیوار کے نیچے | گراں اتنا کسی کا سایۂ دیوار ہو جاتا

مرے سینے میں رہ جاتا یہ میرا زخمِ دل بنکر | لہو سے سرخ اتنا تو لبِ سوفار ہو جاتا

قدم اپنا اٹھاتے ہم اگر صحرا نوردی کو | تو گھٹکر نقشِ پا ہر وادیٔ پرخار ہو جاتا

ابھی بچپن ہے دل لیتے تو نبھتی اسطرح دل سے | یہی ہوتا کبھی دشمن کبھی وہ یار ہو جاتا

اگر اس کو لئے جاتا میں اپنے ساتھ کعبے میں | مرے سجدے میں پنہاں رشتۂ زنار ہو جاتا

ارے واعظ جو تیرے حلق سے دو گھونٹ اتر جاتی | ابھی تو رہن مے یہ جبہ و دستار ہو جاتا

نکلتی ساتھ رندوں کے لحد سے کشتیٔ مے بھی | کہ اُن کا حشر کے طوفان سے بیڑا پار ہو جاتا

گلی میں اُن بتوں کی ننگے چلتے دیکھتے تجکو | اگر واعظ تجھے بھی عشق کا آزار ہو جاتا

ریاض اس سے اگر جا کر کبھی ہم نجد میں ملتے
تو وحشی قیس دو دن میں ہمارا یار ہو جاتا

نہ جلوہ طور سوز تیرا نہ جلوۂ برق تاب تیرا | ابھر کے بجلی گرا رہا ہے یہ کوئی تار نقاب تیرا

لئے ہیں گن گن کے بوسے میں نے دیے ہیں گن گن کے داغ تو نے | برابر اُترے گا دیکھ لینا حساب میرا حساب تیرا

مٹا ہوں میں مجھ میں کیا رہا ہے حزیں کو تو کیا ستا رہا ہے | تو اے مغنی جو گا رہا ہے تو رو رہا ہے رباب تیرا

تجھے یہ مے ہے عذاب واعظ مجھے یہ مے ہے ثواب واعظ | عجیب شے ہے شراب واعظ ملے مجھی کو عذاب تیرا

مزاج تیرا ہی آسمان پر نہ پانی پانی ہو تو اُبھر کر
نہ دیکھے نیچا ہوا میں بھر کر سرِ غرور اے حباب تیرا

اُڑیگا رنگ نقاب اس سے کھُلیگا رنگِ عتاب اس سے
چھپا سکیگی نقاب کیونکر یہ چہرہ تیرا عتاب تیرا

نہ تجھسے واعظ مجھے تکلف نہ مجھسے واعظ تجھے تکلف
ہر ایک دعوت میں بے تکلف شراب میری کباب تیرا

دبے گا ہر گلعذار اس سے دبے گا سب کا اُبھار اس سے
دبے گا جوشِ بہار اس سے یہ جوش پر ہے شباب تیرا

ہجومِ محشر میں پیشِ داور یہ میرے لب زخم کے لبِ تر
زبان تیری زبانِ خنجر سوال میرا جواب تیرا

میں کہہ رہا ہوں پکارے ساقی کرشمے تیرے ہیں سارے ساقی
یہ چاند سورج ستارے ساقی ہر ایک جامِ شراب تیرا

کچھ آج مجھسے مٹے ہوے پر ترس یہ کس کو ریاض آیا
سنا کے مجکو کہا یہ کس نے بھلا ہو خانہ خراب تیرا

بندھا ہر کافر و دیندار کو اک تار میں دیکھا
عجب نازک سا رشتہ سبحہ و زنار میں دیکھا

فرشتے شیخ کے جھُک جھُک دھوئیں آبِ زمزم سے
کبھی وہ صبا نہ ہم نے دامنِ میخوار میں دیکھا

ترے صدقے اسی کو ڈھونڈتا ہوں وہ مرا دل ہے
جسے تو نے ہجومِ فتنۂ رفتار میں دیکھا

تصور ہی تو ہے دل ہو کہ میری آنکھ کی پتلی
وہ کہتے ہیں کسی کو روزنِ دیوار میں دیکھا

چھپی اودی گھٹاؤں میں وہ پریاں تھیں جنھیں ساقی
اُتر کر رقص کرتے دامنِ کہسار میں دیکھا

اُمید افزا تبسم بھی نہیں کے ساتھ تھا لب پر
عجب اقرار کا پہلو ترے انکار میں دیکھا

گُندھی کلیوں میں شاید دل بھی میرا تھا سرِ محرم
یہ شرما کر کسے تم نے گلے کے ہار میں دیکھا

میں وہ بیتاب ہوں طاقت بھری ہی مجھ میں بجلی کی
ہلے جب پر قفس رکھا ہوا گلزار میں دیکھا

یہی ہیں وہ ریاض اے شیخ جو جیبیں کترتے ہیں
جنہیں تو نے ہمیشہ جبّہ و دستار میں دیکھا

نمایاں ہر ہجومِ فتنۂ رفتار میں دیکھا
حنا کا رنگ ہم نے نقشِ پائے یار میں دیکھا

نظر آیا نہ پہلو میں تو ڈھونڈا اس طرح دل کو
خمِ گیسو میں دیکھا پھر گلے کے ہار میں دیکھا

جگہ کیونکر نہ دوں دل میں انہیں بخیہ کچھ گئی کانٹے
مجھے آتے ہوئے جب وادیٔ پُرخار میں دیکھا

اُسی کی جان پر ٹوٹا فلک اتنی بلندی سے
جسے بیٹھا تمہارے سایۂ دیوار میں دیکھا

ڈراتا ہے ہمیں محشر سے تو واعظ ارے جا بھی
یہ ہنگامہ تو ہم نے روز کوئے یار میں دیکھا

ریاضؔ اس مرتبہ روزے ہمارے لطف سے گزرے
ہلال عید ہم نے دامنِ کہسار میں دیکھا

انگشت نما آپ سے قاتل نہیں ہوتا
بات اتنی ہے پیکاں سے جُدا دل نہیں ہوتا

ہاتھوں سے جُدا خنجرِ قاتل نہیں ہوتا
ہاتھ ایسے ہیں جن سے کوئی بسمل نہیں ہوتا

کمبخت وہی دل ہے کہ تھا ہار گلے کا
اب ہار کے پھولوں میں بھی شامل نہیں ہوتا

تسکین سی کچھ رہتی ہے گو ڈوب ہی جائے
کشتی سے مری دور جو ساحل نہیں ہوتا

کہتے ہیں تجھے آگ لگے اے دلِ پرداغ
ٹھنڈا تری ان گرمیوں سے دل نہیں ہوتا

ہم تھک کے گرے گر کے اُٹھے اُٹھ کے چلے بھی
تجھ پر اثر اے دوریٔ منزل نہیں ہوتا

داغ اتنے حسینوں سے اُٹھائے مرے دل نے
ہو چاندی سی بھی شکل تو مائل نہیں ہوتا

ہے خوئے ستم ہاتھ نہیں رہتے ہیں خالی
بیچاری حنا پستی ہے جب دل نہیں ہوتا

لے ہر شکن زلف کی دن رات بلائیں
دیوانہ اب ایسا کوئی اے دل نہیں ہوتا

مجنوں کی جھلک نجد میں شاید نظر آئی
محمل سے جدا پردۂ محمل نہیں ہوتا

ان شوخ حسینوں سے یہ اب جا کے کہے کون
بت ہوتے ہیں پتھر کا مگر دل نہیں ہوتا

آتے نہیں پروانے سوِ شمع فسردہ
جب بزم میں وہ رونق محفل نہیں ہوتا

میخانے میں رہتا نہیں میں شغل سے خالی
میں کام سے اپنے کبھی غافل نہیں ہوتا

صیاد نے جا جا کے چمن کر دیئے خالی — سنتا ہوں کہ اب شورِ عنادل نہیں ہوتا

پا جاتے ہیں جب آپ کسی پر کبھی قابو

پہلو میں ریاضؔ آپ کے یہ دل نہیں ہوتا

آنکھ میں شوخ حسینوں کے سمانا دل کا — ہم نے دیکھا ہے جوانی میں زمانا دل کا

وہ تلے ہیں کہ اڑائینگے نشانا دل کا — ہم دکھائینگے انہیں چوٹ بچانا دل کا

تیرِ مژگاں سے ہے دشوار بچانا دل کا — بال باندھا وہ اڑاتا ہے نشانا دل کا

اب یہ جانا کہ اسے کہتے ہیں آنا دل کا — ہم ہنسی کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

ان حسینوں کا تو بازار لگا رہتا تھا — ہائے وہ وقت کہ گاہک تھا زمانا دل کا

کیوں نہ چُن چُن کے ترے تیر جگر میں کھولوں — کس مزے سے یہ اڑاتے ہیں نشانا دل کا

بیقراری نہ جگہ پھیل کے لینے پائے — اُن کے کوچے میں لگا آئے ٹھکانا دل کا

کیا زمانے کا اثر ہے کہ ہوا خون سپید — آنکھ کا کام نہ تھا خون بہانا دل کا

عالمِ ہُو میں کچھ آواز سی آجاتی ہے — چپکے چپکے کوئی کہتا ہے فسانا دل کا

طائرِ رنگِ حنا بن کے رہا ہاتھوں میں — کوئی دیکھے تو ذرا رنگ جمانا دل کا

دردِ دل آج سنایا جو انہیں رو رو کر — ہنس کے بولے کہ یہ قصہ ہے پرانا دل کا

اپنے سائے میں لئے ہے تری مژگاں دراز — چھاؤں میں تیروں کے اب تو ہے ٹھکانا دل کا

ٹوٹے پڑتے ہیں جو سننے کو حسیں ایک پر ایک — حشر میں چھیڑ دیا کس نے فسانا دل کا

نہ جگہ دل میں ترے ہے نہ ترے کوچے میں — نہ ٹھکانا کہیں میرا نہ ٹھکانا دل کا

وقت کے ساتھ گئیں وقت کی باتیں بھی ریاضؔ

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ زمانہ دل کا

قفس سے اُڑوں تو نہ آواز دینا | مدد اتنی اے بال پرواز دینا
مرے ٹوٹے دل سے ہم آواز دینا | مجھے کوئی ٹوٹا ہوا ساز دینا
مجھے بال و پر مایہ ناز دینا | خدایا پرِ عرش پرواز دینا
خدایا ہو آغاز انجام جس کا | جوانی کو میری وہ آغاز دینا
جو پوچھوں کہ پہلو سے دل لیگیا کون | ہوا بھی نہ اے ناوکِ ناز دینا
میں کہتا ہوں مینا سے جب اُٹھے بادل | صدا میرے طاؤس طنّاز دینا
فریب ادا سے جو لے کام یارب | وہ معشوق دم ساز دم باز دینا
وہ جانا مرا روٹھکر میکدے سے | صراحی کا مجکو وہ آواز دینا
نرالی زمانے سے ہو چال جس کی | خدایا وہ معشوق طنّاز دینا
شریکِ شکارِ لبِ جو تھا ناصح | مجھے قاز اُسے روغنِ قاز دینا

کسی خوش گلو کا ہے اصرار کب سے
ریاضؔ اک غزل مایۂ ناز دینا

ایسا ہو تو وہ اُس بتِ خود بیں سے بھی اچھا | میرا ہو تو ایمان سے مری دیں سے بھی اچھا
اے تاک عجب حسن عجب بات ہے اس میں | خوشہ ہے ترا خوشۂ پروین سے بھی اچھا
ہوتا ہی نہیں اب مرے سینے سے جدا داغ | ہمدرد ملا یہ دلِ غمگین سے بھی اچھا
پیچیدہ دل اُس زلف گرہ گیر میں رہ کر | نکلا گرہ گیسوئے مشکیں سے بھی اچھا
اے وسعتِ دل تھوڑی جگہ دے کہ بنا لوں | بتخانہ کوئی بتکدۂ چین سے بھی اچھا
شانہ دلِ صد چاک کا لے اس کی بلائیں | یہ مشغلہ ہے زلف کی تزئین سے بھی اچھا
خوش رنگ ہوا ہے گلِ قالین سے ہر اک داغ | آ بیٹھو دلِ نرم ہے قالین سے بھی اچھا

پیوستہ رہا ہو ترے لب سے جو لبِ جام — رل جائے مجھے تو لبِ لعلین سے بھی اچھا
اے شمع اُدھر آ کے جو وہ بیٹھ گئے ہیں — پائینِ لحد ہے مرے بالین سے بھی اچھا

چیدہ گل اشعار ریاضؔ اس میں ہیں کیا کیا
گلچیں تو رہا دامنِ گلچیں سے بھی اچھا

مٹ چکا اب نشان مدفن کا — نام اس پر لکھا ہے دشمن کا
آئے یہ کہتے میرے مدفن پر — منھ جھلستا ہے شمع روشن کا
اُٹھ گیا آج وہ بھی دنیا سے — قیس ساتھی تھا میرے بچپن کا
حشر کے دن اُٹھوں میں قبر سے کیا — بوجھ مجھ پر ہے سیکڑوں من کا
مِسی مالیدہ لب پر آئی ہنسی — بن گیا پھول غنچہ سوسن کا
اشک کے تار کو میں روؤں کیا — آستین کا نہ میرے دامن کا
میں چلا ہوں عدم کو خالی ہاتھ — چور کا ڈر نہ خوف رہزن کا
ایک شعلہ سا روز اٹھتا ہے — سینہ ٹکڑا ہے دشت ایمن کا

اے ریاضؔ آفتاب حشر نہیں
رنگ لایا ہے داغ دامن کا

حشر میں ایک بھی تو داغ بہ داماں نہ رہا — کوئی عصیاں جو بچا مجھ سے وہ عصیاں نہ رہا
کام اب ضبط سے لینا بھی کچھ آساں نہ رہا — میرے قابو میں مرے اشک کا طوفاں نہ رہا
دامن آلودۂ مے کر نہ سکی مجکو بہار — گل بہ داماں تو رہا داغ بہ داماں نہ رہا
سادہ اہل نے نئے دین میں رخنے ڈالے — جو ہو متنفس اس سے وہ مسلماں نہ رہا
آ گیا یاد مجھے آنکھ بدلنا اُن کا — شکوہ تجھ سے مجھے اے گردشِ دوراں نہ رہا

شوخیاں اتنی بڑھیں نیچی نگاہیں بھی گئیں
حسن بے پردہ کا اب کوئی نگہباں نہ رہا

اثر انداز نہ ہوگا وہ بھری محفل میں
شمع عریاں کی طرح حسن جو عریاں نہ رہا

پردہ داری کی جگہ پردہ دری نے لے لی
سوز پنہاں نہ رہا ساز بھی پنہاں نہ رہا

دونوں جاں دادۂ مذہب ہیں مگر وقت کی بات
کوئی ہندو نہ رہا کوئی مسلماں نہ رہا

سحر کاری تری اے عالمِ فانی دیکھی
گھر تک آتے اثرِ گورِ غریباں نہ رہا

کھل کے ہر بزم میں لب تک مرے آجاتا ہے
اب مرا جام چراغِ تہِ داماں نہ رہا

نہ رہے جبّہ و دستار امامت باقی
غم غلط کرنے کو افسوس یہ ساماں نہ رہا

مختصر وقت میں کیا کچھ نہ ہوا وصل کی شب
مجکو حسرت نہ رہی آپ کو ارماں نہ رہا

کیوں بھٹکتی نہ پھرے کوہکن وقیس کی روح
کوہ وہ کوہ بیاباں وہ بیاباں نہ رہا

دشنہ ونشتر وپیکاں مری قسمت میں کہاں
چٹکیاں لینے کو دل میں کوئی ارماں نہ رہا

راہیِ خلد ہوئے میکدے میں آج ریاضؔ
خم کدھر سجدہ کریں کعبۂ ایماں نہ رہا

منہ زیرِ تاک کھولا واعظ بہت ہی چوکا
بیلوں نے ڈاڑھی پکڑی خوشوں نے منہ میں تھوکا

کہتا ہے کیوں انا الحق جو قطرہ ہے لہو کا
منہ کھل گیا ہے شاید میری رگِ گلو کا

شوخی جو برق کی ہے گرمی شرار کی ہے
کچھ کہہ رہا ہے موسیٰ اندازِ گفتگو کا

دھونا ہے وقت آخر منہ کی مجھے سیاہی
اے اشک شرم اب بھی موقع ہے شست وشو کا

کیوں طفل اشک لپٹے اے دل نہ آستیں سے
پروردہ ہے یہ میرے دامان آرزو کا

ساقی بہار در کف۔ پھول آئے میکدے سے
طوفاں اٹھ رہا ہے گلشن میں رنگ و بو کا

واعظ تجھے خبر ہے میخانہ کس کا گھر ہے
خم اس کی پشت پر ہے کھلوا نہ منہ سبو کا

میرے بدن کے روئیں آواز دیں گے ہُو کی
صحرا میں گھر ہے میرا گھر ہے مقام ہُو کا

یکساں ہے خونچکانی یکساں ہے خونفشانی
ہیں ایک دیدہ و دل یہ جوش ہے لہو کا

سمجھے ہیں خضر جس کو صحرا نوردِ الفت
نقشِ فنا وہ اک ہے وہ پائے جستجو کا

اگر دل حباب اس میں غرق آفتاب اسمیں
دل کی بساط کیا ہے ایک قطرہ ہے لہو کا

کیوں اتنے اونچے جائیں کیوں اُلٹی منہ کی کھائیں
آتا ہے اپنے منہ پر جب آسماں کا تھوکا

دونوں بہت ہیں نازک اِن نازنیں بتوں سے
اللہ ہے نگہبان ایمان و آبرو کا

انگور ہی میں اترا قسمت کا آب و دانہ
میں تھا اسی کا پیاسا میں تھا اسی کا بھوکا

میں اے ریاض خوش ہوں اک بوریا ہی میں ہوں
پہلے جو ظرف مے تھا اب ظرف ہے وضو کا

آئینہ دیکھتے ہی وہ دیوانہ ہو گیا
دیکھا کسے کہ شمع سے پروانہ ہو گیا

گل کر کے شمع سوئے تھے ہم نامراد آج
روشن کسی کے آنے سے کاشانہ ہو گیا

دیوانہ قیس پہلے ہمیں چھیڑتا رہا
پھر رفتہ رفتہ نجد میں یارانہ ہو گیا

کافی نہ تھے خُمِ خُم گو ہوے لُنڈھائے ابر
اب اس قدر وسیع یہ خُم خانہ ہو گیا

حاصل یہ اختصاص ہے اس دل کو یہ شرف
کعبہ بنا کبھی کبھی بتخانہ ہو گیا

لائے چُرا کے پھر پرستش بتوں کو گھر
ویران چار روز میں بتخانہ ہو گیا

منہ چوم لوں یہ کس نے کہا مجکو دیکھکر
دیوانہ تھا ہی اور بھی دیوانہ ہو گیا

توڑی تھی جس سے توبہ کسی نے ہزار بار
افسوس نذرِ توبہ وہ پیمانہ ہو گیا

مے توبہ بن کے آئی تھی لب تک کہ اے ریاض
لبریز اپنی عمر کا پیمانہ ہو گیا

آگیا تقدیر سے میری مدینا آگیا
جس سے بامِ عرش پہ پہنچوں وہ زینا آگیا

ہر قدم پر موت کا مجکو پسینا آگیا
عشق میں مرنا تو کیا مر مر کے جینا آگیا

رات ہر اک عید کا دن شام ہر اک صبح عید
اب وہ راتیں آگئیں اب وہ مہینا آگیا

مجھسے عاصی کا ہوا جب ان کی اُمت میں شمار
حشر کے دن شرم سے مجکو پسینا آگیا

خُم کے خُم پی جائیں ہم ضایع نہ ہو اک بوند بھی
باندھکر چلتو ہمیں اب مے کا پینا آگیا

نام اقدس نقش ہے مُہر نبوت کی طرح
کام میرے اب مرے دل کا نگینا آگیا

جاں تک تقاضہ یہ گا ہک بنے ایمان کے
آگیا کافر بتوں سے دل میں کینا آگیا

اے جنوں کچھ دھجیاں میرے گلے میں ڈالدے
پھوٹتی ہے جس میں کوپل وہ مہینا آگیا

اک جنازہ دوش پر بحرِ عدم قعرِ لحد
ہم سمجھے تھے کہ ساحل پر سفینا آگیا

میرے شیشے کی پری ہے گنبد خضرا کا عکس
میکشو جان مدینہ سبز مینا آگیا

حشر زا ہے کس ادب سے آرزوں کا ہجوم
بزمِ دل میں بزمِ اقدس کا قرینا آگیا

سیر کرتی ہے مجھے کیونکر مری تشنہ نگاہ
مجکو ماہ صوم میں اس شئے کا پینا آگیا

میں جو آیا غیر سے ہنسکر کہا اُس نے ریاضؔ
ختم ہے جس پر شرافت وہ کمینا آگیا

تکلیف سے بچ جائیگی نازک سی کمر اب
آئے بھی تو وہ بیٹھ گئے تھام کے سر اب

سر پھوڑیں کہاں جا کے نہ دیوار نہ در اب
صحرا ہے یہ صحرا ہے کوئی گھر ہے یہ گھر اب

ہے نور کا عالم رُخ روشن کی ضیا سے
وہ خوش ہیں شب وصل کی ہوتی ہے سحر اب

کم بخت نے سیکھی ہیں تمہاری ہی ادائیں
آغوش دعا میں کہیں آتا ہے اثر اب

چھیڑو نہ مجھے۔ دل کو تو میں رو ہی چکا ہوں
کھائے نہ کہیں جوش مرا خون جگر اب

میں وصل کی شب اُٹھ کے گلا گھونٹ ہی دونگا
بولا کبھی بھولے سے جو اے مرغ سحر اب

نازک تو وہ پہلے ہی تھے ہو گئے کچھ اور بھی نازک
بَل کھاتے ہیں گیسو تو لچکتی ہے کمر اب

جس چاند کی صورت کی میں لیتا تھا بلائیں
اُٹھتی ہے تکلف سی اُدھر میری نظر اب

دل حشر کے فتنوں سے سوا جمع ہوئے ہیں
آباد ہوئی جا کے تیری رہگزر اب

آفت تھی نشیمن ہیں یہ مجھ سوختہ جاں تک
جھکتی ہے نہ بجلی نہ لپکتے ہیں شرر اب

کھویا ہمیں اس بیخودیِ عشق نے ایسا
ملتی نہیں برسوں ہمیں اپنی ہی خبر اب

اب پاؤں نہ جمتا ہے نہ اُٹھتا ہے کسی کا
کچھ اور سے ہے اور تری راہگزر اب

چھوٹیں بھی تو صیّاد قفس چھٹ نہیں سکتا
ٹوٹے ہیں کچھ ایسے کہ نکلتے نہیں پر اب

یہ بے اثری آنکھ سے دیکھی نہیں جاتی
اچھا ہے یہی پھوٹ بہیں دیدۂ تر اب

کچھ اور ہی باتیں ہیں تو کچھ اور ہی گھاتیں
کُھل کھیلی ہے کچھ آپ کی دزدیدہ نظر اب

اِن کے مرے جھگڑے میں یہ دل اب نہیں پڑتا — کچھ ڈر سا گیا ہی نہ اِدھر ہے نہ اُدھر اب
ہوتے ہوئے اُسکے وہ لپٹتے ہیں کمر سے — اُلجھے نہ کہیں گیسوؤں سے تیغ کمر اب
دیوانے ہیں مرغانِ سحر بول رہے ہیں — یہ ہجر کی شب ہے کہیں ہوتی ہے سحر اب

اچھی نہیں غفلت یہ ریاضؔ اب دمِ آخر
ہے وقتِ سفر کیجیے سامان سفر اب

فریاد میں کم ہے اثرِ دردِ نہاں اب — ہم آپ بدلتے کو ہیں اندازِ فغاں اب
اے بھی تو کس وقت وہ آئے سرِ بالیں — کہتا ہوں کوئی بات تو رُکتی ہی زباں اب
کمزور ہوئے اشکوں سے گھر کے در و دیوار — رونے کے لئے لیں گے کرائے کا مکاں اب
دھوکے سے پلا دی تھی اُسے بھی کوئی دو گھونٹ — پہلے سی بہت نرم ہے واعظ کی زباں اب
وہ نخل نہ وہ باغ نہ وہ شاخِ نشیمن — اے اہلِ قفس چھوٹ کے ہم جائیں کہاں اب
صدقے ترے صیاد یہ باتیں تھیں چمن تک — کچھ فکرِ بہار اب ہے نہ کچھ فکرِ خزاں اب
وہ بنتِ عنب تھی جو پری توبہ سے پہلے — توبہ شکنوں میں ہے وہی حورِ جناں اب
اب ہے تری قسمت میں بھٹکتے ہوئے پھرنا — اے یاس نہ تربت ہے نہ تربت کا نشاں اب
آ بیٹھے ہیں رندِ انجمنِ وعظ میں دو چار — اچھا ہے اگر ہو مے کوثر کا بیاں اب

ہر روز ہے کیوں ریشِ مبارک کی صفائی
کچھ ہو نہیں ہونے کے ریاضؔ آپ جواں اب

قلقلِ مینا اُسے کیوں دے برابر کا جواب — بات واعظ کی ہے دیوانے کے پتھر کا جواب
کیا نئے گل کھل رہے ہیں واہ رے فیضِ بہار — ان دنوں منقارِ بلبل ہے گلِ تر کا جواب
چڑھ تو جانے دے ذرا ساقی دماغِ رند پر — خطِ پیشانی بنے گا خطِ ساغر کا جواب

آے تو وہ لوُں۔ بلائیں لمبی لمبی رات کے　　ہو شبِ وعدہ الٰہی روزِ محشر کا جواب

اپنی عرضِ مدعا پر سُن چکا میں سُن چُکا　　بندہ پرور کی زباں سے بندہ پرور کا جواب

زخمِ دل نے خون پانی ایک میرا کر دیا　　کس طرح اس کو بناؤں دیدۂ تر کا جواب

وہ اشارے کا یہ اُن کے ہاتھ کی محتاج ہے　　ہو گی کیا تیغ کمر ابرو کے خنجر کا جواب

سُن کے میرا حالِ دل وہ بنگیا میرا رقیب　　میں بہت کھویا ہوا ہوں سُن کے ہمبر کا جواب

حشر فتنے لاکھ اٹھائے خود اُٹھے سب کچھ سہی　　لیکن اُس کے پاس کیا ہے انکی ٹھوکر کا جواب

ہے اثر یکساں حوادث کا گل و بلبل کے ساتھ　　پنکھڑی ہے پھول کی ٹوٹے ہوے پر کا جواب

ایسی کیا کچے گھڑے کی ہے چڑھی مجکو ریاضؔ

شیخ کو پتھر سے دوں میں جام کوثر کا جواب

کہاں سے لائے کوئی روز آب کباب شراب　　ہماری جان کا آخر ہوئی عذاب شراب

لگا کے دھوکے سے منہ شیخ پھر نہ چھوڑ سکا　　پکارتا ہی رہا میں ارے شراب شراب

وہ چیز اور تھی وہ نشہ اور تھا ساقی　　مرے شباب کا بنتی ہے کیوں جواب شراب

خمِ فلک تو ہے خالی وہ اس کے گرد ہے کیوں　　ہمارے جام سے لے جام آفتاب شراب

پیوں تو حلق میں یہ میرے ڈالتی ہے لکیر　　نہ منہ لگاؤں تو ہوتی ہے آپ آب شراب

مے کہن نے نکالا ہے رنگ ساغر میں　　دکھا رہی ہے بُڑھاپے میں بھی شباب شراب

اُتاروں حلق سے دو چار شہد و شیر کے گھونٹ　　کہے جو شیخ یہ کیا ہے کہوں جناب شراب

حساب سے دمِ محشر معاف ہی رکھو　　فرشتو پی کے ہم آئے ہیں بے حساب شراب

سُنی ہیں رندوں سے کوثر پرستیاں اُس کی　　پیے بھی شیخ تو کھاتی ہے پیچ و تاب شراب

کوئی جو بہکے - بنے بڑھ کے راہبر ہر موج　　بتائے بادہ کشوں کو رہِ ثواب شراب

کشید خاص کا گھر پر ہوا اہتمام ریاض
کہ میفروش تو دیتے ہیں اب خراب شراب

ہے صحن چمن۔ دامن کہسار بہت خوب
رہنے کو ملے تو ہے در یار بہت خوب

کہنے کو ہمارے بھی ہیں اشعار بہت خوب
سچ یہ ہے کہ فرماتے ہیں سرکار بہت خوب

آنکھوں سے وہ جا ہی نہیں سکتی دمِ آخر
دیدار سے ہی حسرتِ دیدار بہت خوب

تصویر میں بوسوں کے نشاں حسن فزا ہیں
کھنچنے میں رہے آپ کے رخسار بہت خوب

آئے ہیں جو میخانے میں واعظ بہت اچھا
بن کر وہ یہاں آئے ہیں ہشیار بہت خوب

اب در سے رسائی ہوئی ہے بام تک اُن کے
ہم کو نظر آتے ہیں یہ آثار بہت خوب

کچھ فرق زیادہ نہیں گلزار قفس میں
گلپوش قفس خوب ہے گلزار بہت خوب

جو بات ہو بن جاتی ہے کچھ دیدہ و دل پر
قسمت سے ملے ہیں مجھے غمخوار بہت خوب

سہرا ترے سر خوب رہا صافیِ مے کا
واعظ ہے یہ تیری نئی دستار بہت خوب

جس رنگ میں گزرے اری صیاد وہ گھر ہے
تنکے بھی جنوں تو بھی ہی گلزار بہت خوب

یہ رنگ یہ شوخی یہ نفاست یہ سلاست
کہتے ہیں ریاض آپ تو اشعار بہت خوب

اپنے دیوانوں سے سُن لو تم فغان عندلیب
مدتوں میں جا کے سیکھی ہیں زبانِ عندلیب

برق کیسی اور کیسا آشیان عندلیب
وہ قفس میں ہے پڑی ہے گل میں جانِ عندلیب

کیا بُھلا دیں گے نشیمن کو قفس کے ہار پھول
ہائے وہ اجڑا ہوا سا آشیانِ عندلیب

باغ میں نازک لبِ گل سے یہ آتی ہے صدا
ٹکڑے ہوتا ہی جگر سُنکر بیانِ عندلیب

تھا یقیں سر پر اٹھالیگی یہ گھر صیاد کا
دو ہی دن میں کیا ہوئی تاب و توانِ عندلیب

باغ میں تنکا نشیمن کا نہ پر ٹوٹا ہوا — ہائے کیسا مٹ گیا نام و نشان عندلیب

کیوں قفس کے گرد پھر جاتی ہیں آکر رات کو — برق کے شعلے بنے ہیں پاسبان عندلیب

ہیں قفس کے گرد کیسے کیسے مرغان چمن — ہم صفیر آکر ہوئے ہیں میہمان عندلیب

آشیان برباد کو ہے تنکے تنکے کا خیال — خانۂ صیاد گویا ہے مکان عندلیب

آنکھیں کھل جاتی ہیں اے گل شکل بلبل دیکھکر — کان کھل جاتے ہیں سنکر داستان عندلیب

کوئی دیوانہ کہے یا کوئی سودائی کہے

اے ریاض اک ہم سمجھتے ہیں زبان عندلیب

رات دن ہے ایک حالت پر فغان عندلیب — اب کہیں تالو سے لگتی ہے زبان عندلیب

عندلیب اب ہی نہ باقی آشیان عندلیب — مٹ گیا گلزار سے نام و نشان عندلیب

ہے بہت حسرت فزا طرز بیان عندلیب — ٹکڑے کرتی ہے جگر کو داستان عندلیب

وسعت گلشن بھی ناکافی پر پرواز کو — یا قفس اب ہے زمین و آسمان عندلیب

کس تکلف سے زمین پر باغ میں ہے فرش گل — ان کے دیوانے ہوئے ہیں میہمان عندلیب

فصل گل جاتی ہے جھونکے ایسے صرصر کے چلے — اڑ کے آیا ہے قفس تک آشیان عندلیب

کاٹ کر پھولوں میں رکھ دو تو نہ پہچانے کوئی — پنکھڑی ہے پھول کی یا ہے زبان عندلیب

دست ماتم شاخ گل ہے اہل ماتم نخل گل — گل زبان حال سے ہیں نوحہ خوان عندلیب

ایسی نازک ٹھہری ہی ہو وزن گل کانٹے کی تول — ایسی لاغر ہے رگ گل استخوان عندلیب

فصل گل آتے ہی کیسا رنگ بلبل جم گیا — پھول کھل کر بن گئے ہیں آشیان عندلیب

ایک تو صیاد وہ یونہی ہی تھی دھان پان — خشک تیرے خوف سے ہو اور جان عندلیب

خاک اڑ جائیگی تیرے باغ میں اے باغباں — کوچ کر جائے گا کل تک کاروان عندلیب

چپ ہی کیوں قید قفس میں نغمہ سنجی کیا ہوئی — کاٹ لی صیاد نے شاید زبانِ عندلیب

اور ہی رنگِ اثر ہے آگئی شاید بہار — چٹکیاں لینے لگی دل میں فغانِ عندلیب

آشیاں اپنا بنایا زاغ نے اونچا تو کیا — ایسی باتوں سے کہیں گھٹتی ہے شانِ عندلیب

ہاتھ ٹوٹیں ہاتھ سے ناوک فگن ٹپکے لہو — کوئی ناوک تھا کہ مرگِ ناگہانِ عندلیب

پھونک دو منہ سے تو اُڑ جائے تنکے کی طرح — گھل گئے کیسے قفس میں جسم و جانِ عندلیب

نالے جاتے ہیں جہانتک ساتھ جاتی ہے بہار — رنگ پر آئی ہے جاکر اب فغانِ عندلیب

دیکھکر گلچیں کو ڈر صیّاد کا جاتا رہا — غنچہ و گل میں پڑی ہے اب تو جانِ عندلیب

یہ کبھی جھکتی نہیں شاخِ نشیمن کی طرح — بڑھ گئی شاخِ قفس پر اور جانِ عندلیب

کاش اب بھی پہلوئے گل میں جگہ ہوتی نصیب — سوکھ کر کانٹا ہوئے ہیں استخوانِ عندلیب

ہم سے دیوانوں کو یہ سو سو سناتی ہے ریاضؔ
کون بولے ہاتھ بھر کی ہے زبانِ عندلیب

رکھتے نہیں ہیں ورد بھی دل میں دوا طلب — سینے میں ایک دل ہے مگر وہ جفا طلب

مل جائے کوئی جاں مری کیوں نہ اس میں جائے — سنتا نہیں ہے کچھ بھی دلِ مدعا طلب

شوخی سے اضطراب کی کچھ چھیڑ چھاڑ ہے — ان کی نگاہِ ناز سے دل ہے دغا طلب

چاہا تھا میں نے آج کروں نذر۔ نقدِ جاں — ظالم نے مسکرا کے مرا دل کیا طلب

جب پی نہ سکے فرشتے یہ کہتے ہی حشر میں
لطف آگیا ریاضؔ مرا خم ہوا طلب

سن کے یہ حیلے سی ابر اُٹھے تو ہی پینا ثواب — لُٹ رہا تھا میکدے میں ہم نے بھی لوٹا ثواب

کچھ نہیں اعمالِ دنیا کا پئے عقبےٰ ثواب — جو نہ کام آئے یہاں کس کام کا ایسا ثواب

نزع تک قلقل سے رکھی یاد اللہ اس لئے
پڑھ کے قل بخشے گی ہم کو قلقل مینا ثواب

پینے سے پہلے ہی کھانا تھا ہمیں ساقی کباب
کر کے افطار آج روزہ مَے سے خود کھویا ثواب

کچھ ہو آب آتشیں ہو چاہی آبِ سرد ہو
ہم ہیں پیاسے جو پلائیگا وہ پائے گا ثواب

پی کے مَے ذکرِ خدا شکرِ خدا یادِ خدا
ہے ہمارے واسطے شغلِ مَے و مینا ثواب

ایک دن تو خواب میں آتا لئے جامِ طہور
پڑھ کے قرآں عمر بھر ہم نے جسے بخشا ثواب

راہ سے کعبے کے ہم نے ریزۂ مینا چُنے
کیا عجب اس کے عوض ہم کو ملے حج کا ثواب

عید کے دن میکدے میں ہے کوئی ایسا ریاضؔ
ایک چلّو دے کے جو لے تیس روزوں کا ثواب

جام چھلکانے لگے بھر کر مئے کوثر سے آپ
حضرتِ واعظ بہت اونچے گئے منبر سے آپ

بیٹھے گا دستِ خوں آلودہ لیکر بعد ذبح
سخت جاں ہوں ہاتھ دھو بیٹھے ذرا خنجر سے آپ

فتنۂ محشر بھی اُٹھے ہیں بھی اُٹھوں قبر سے
ساتھ دونوں کو اُٹھائیں ایک ہی ٹھوکر سے آپ

یہ بھی احساں صبح ہوتے آئے تربت پر مری
کچھ گلِ پژمردہ لیکر غیر کے بستر سے آپ

شیشۂ دل چور ہونے پر پسیجا کچھ نہ دل
بت تو پتھر کے بنے ہیں بڑھ کے ہیں پتھر سے آپ

لیتے رہئے چٹکیاں دل میں نگاہ ناز سے
چھیڑتے رہئے اسی چبھتے ہوئے نشتر سے آپ

بارِ عصیاں کے لئے یارب فرشتہ بھیجدے
ہم لدے آئے ہیں اپنے شیشہ و ساغر سے آپ

خانہ باغِ غیر کے آگے کھلا میدان تھا
شائد آئے ہیں ہوا کھا کر ابھی باہر سے آپ

کاتبِ اعمال یہ ہی آپ کے ہاتھوں کا کھیل
بوجھ اتروا لیجئے محشر میں میری سر سے آپ

تیغ و خنجر مرنے والوں سے سوا سہمے ہوے
قتلگہ میں آج آئے ہیں بڑی تیور سے آپ

میرے گھر میں غیر کے ڈر سے کبھی چھپ جائیے
غیر کے گھر میں چھپے تھے آج کس کی ڈر سے آپ

کچھ قیامت سی نکلتے ہی تھے قامت میں حضور
چال میں بھی بڑھ گئے ہیں فتنۂ محشر سے آپ

سچ ہے مرغِ نامہ بر سے تیز اُڑتا ہے قلم
اب جوابِ خط بھی تو لکھنے لگے ہیں پر سے آپ

آگے کچھ بڑھکر ملے گی مسجدِ جامع ریاضؔ
اِک ذرا مڑ جائیگا میکدے کے در سے آپ

راہ سیدھی غیر کے گھر کی چلے چکر سے آپ
اپنے گھر سے آئے ہیں جائینگے میرے گھر سے آپ

کشتگانِ ناز مچلے ہیں پڑے کچھ روزِ حشر
وہ گئے دن جب اُٹھا لیتے تھے اِک ٹھوکر سے آپ

جھوٹی قسمیں ہیں عدو کو خواب میں دیکھا نہیں
آرہے میرے بغل میں رات کس کے ڈر سے آپ

سایہ مجھسے چھوٹ کر ہمراہ اس کے رہ گیا
پوچھئے گا حال میرے شوق کا رہبر سے آپ

آنکھ کوثر پر دکھائی شیخ نے کچھ اس طرح
واسطہ رکھتے ہیں گویا ساقیِ کوثر سے آپ

حضرت واعظ پسینے میں ہیں تر اس رنگ سے
ڈوب کر نکلے ہیں گویا چشمۂ کوثر سے آپ

خوش تھے پہلے جان کر صبحِ شبِ غفلت ریاضؔ
اور پھر گھبرائے کیا ہنگامۂ محشر سے آپ

نشتر چبھونے آئے ہیں دل میں کہاں سے آپ
چھیڑیں ذرا نہ کیجئے مجھ بدگماں سے آپ

کیا آج خوابِ ناز میں تھے بامِ غیر پر
اُترے ہیں فتنہ لے کے کوئی آسماں سے آپ

جب یہ سمجھ لئے نہ رہا خاک کے سوا
سر کو مرے اُٹھاتے ہیں اب آستاں سے آپ

بوئے دہانِ غیر چھپیگی شراب سے
بس بس نکالئے نہ کچھ اپنی زباں سے آپ

یہ حال ہے ریاضؔ کا روتے ہیں آج غیر
پھر بھی تو پھر رہے ہیں بہت شادماں سے آپ

تھی ظرفِ وضو میں کوئی شئے پی گئی کیا آپ
اے شیخ یہاں کون ہے میں چپ رہوں یا آپ

دیوانوں کے سر ہو گئی کیا زلفِ دوتا آپ
وہ جا کے گلے اپنے لگا لائے بلا آپ

ہنس ہنس کے مجھے آپ عبث کوس رہے ہیں
رو رو کے مرے واسطے مانگیں گے دعا آپ

اُڑتے بھی اگر ہم تو قفس لے کے نہ اُڑتے
صیّاد قفس سوئے چمن اُڑ کے چلا آپ

جو اُٹھ نہیں سکتے تھے گئے اُٹھ کے لحد میں
بیٹھے رہیں اب گھر میں لئے عذرِ حنا آپ

جاتے نہیں ہم مست کبھی اُٹھ کے حرم سے — آتی ہے یہاں اُڑ کے مے ہوش رُبا آپ
کیوں پھر گئیں کمبخت کی آنکھیں دمِ آخر — رکھتے تھے بہت غیر سے اُمیدِ وفا آپ
آواز مری بیٹھی ہے اے حضرتِ زاہد — کیوں بہرِ اذاں آج دباتے ہیں گلا آپ
ہلکا سا غلاف ایک تھا صیاد قفس پر — تھی اور نہ کچھ روک رُکی مجھ سے صبا آپ
ہم دل میں اُتاریں گے یہ کہتی ہیں نگاہیں — آجائیں کسی طرح لبِ بام ذرا آپ
قابو کا تمہارے بھی نہیں جوشِ جوانی — بے چھیڑے ہوئے ٹوٹتے ہیں بندِ قبا آپ

محتاط ریاضؔ آپ جوانی میں بہت ہیں
پیری میں بھی لوٹیں گے جوانی کا مزا آپ

شاید کوئی عدو ہی مرا خوش بیاں بہت — سُنتے ہیں اس کے منہ سے مری داستاں بہت
میں تھا کہ اور کوئی لباسِ رقیب میں — کرتی ہے اب خطا نگہِ پاسباں بہت
کیا جانے کیا جنوں میں منہ سے نکل گیا — بگڑا ہے مجھ سے آج مرا رازداں بہت
مرنے کے بعد آپ نے میری بھلی کہی — میرے لئے ہیں زیست میں بھی نوحہ خواں بہت
مل جائے دو گھڑی کو الٰہی شبِ وصال — لیتا ہے میرے دل میں کوئی چٹکیاں بہت
دیکھا جو مجھکو اور بھی اِترائے ناز سے — پھرتے تھے ساتھ غیر کے وہ شادماں بہت
لے لیجیے گا دل جو کوئی بیچنے کو لائے — بازار میں یہ چیز ملے گی گراں بہت
پہلو میں دل ہو گوشۂ دامن کی کیا کمی — مجھ سے نیازمند کو نازِ بتاں بہت
عصیاں کے ساتھ دو دو فرشتے لدے ہوئے — یارب ہے دوش پر مرے بارِ گراں بہت

کچھ دام رُک گئے ہیں تو یہ حال ہے ریاضؔ
دیتے ہیں میفروش ہمیں اب گراں بہت

خواب میں بھی نظر آجائے جو گھر کی صورت — پھاڑ کھائیں ترے درباں سگِ در کی صورت
ایسی بگڑے نہ الٰہی کسی گھر کی صورت — وہی دیوار کی صورت ہے جو در کی صورت
پر شکستہ ہوں تہِ شاخ پڑا رہنے دے — باغباں تو مجھے ٹوٹے ہوئے پر کی صورت
چھوٹتا ہی نہیں اب عرشِ خدا بام تباں — دیکھ لی ہے کہیں نالوں نے اثر کی صورت

گھیرے رہتا ہی بگولا مجھے اب ایک نہ ایک | کی ہے پیدا مرے صحرا نے بھی گھر کی صورت
جان جائے کہ رہے آپ کے آتے آتے | اور سے اور ہی اب درد جگر کی صورت
پانی ہو جاتے ہیں آنسو مرے موتی بن کر | ورنہ اچھی تو نہ تھی ان سے گہر کی صورت
کوچۂ زلف میں جاتے ہوے دل ڈرتا ہے | ہر قدم پر ہے نئی خوف و خطر کی صورت
کبھی پھولا نہ پھلا نخل تمنا افسوس | پھول کی شکل نہ دیکھی نہ ثمر کی صورت
غیر کی قبر ہے گلشن ہے نہ دامن ان کا | مجھ سے دیکھی نہیں جاتی گل تر کی صورت
چارہ گر آتے ہیں تو آنکھ چرا جاتے ہیں | ایسی بگڑی ہے مرے زخم جگر کی صورت
آشیانے کو چلے باغ میں مدت گزری | پھرتی ہے آنکھ میں کیوں برق و شرر کی صورت
گھر سے بے فکر میں صحرا میں پھرا کرتا ہوں | میری آنکھوں میں پھرا کرتی ہی گھر کی صورت

قیس بھٹکا تھا کہ صحرا میں ریاضؔ آئے نظر
رہ نما اس کے بنے آپ خضر کی صورت

صبح ہی رات کہاں اب وہ کہاں رات کی بات | بات ہی بات تو ہے بیٹھ بھی لو بات کی بات
عرش پر رہتے ہیں کیا کعبے کے رہنے والے | کوئی سنتا ہی نہیں اہل خرابات کی بات
یہ کوئی بات ہی خم ساتھ لئے واعظ آئے | اور پھر میں نہ سنوں قبلۂ حاجات کی بات
پھوٹ کر روتے ہوے دیکھ لیا ہے مجکو | چھیڑنے کو مرے ہر وقت ہی برسات کی بات
وہی ابھری ہی شکن بن کے جبین پر تیری | گڑ گئی دل میں ترے کیا کسی نو وارد کی بات
نہ کھلا یہ کہ کہاں شب کو بچھائی تھی بساط | غیر کی چال کا کچھ ذکر تھا کچھ بات کی بات
جب کہا میں نے کہو غیر کے گھر کا کچھ حال | بولے جھنجلا کے نکالی وہی بے بات کی بات
کہیں ایسا نہ ہو آجائے ترس آپ کو کچھ | آپ سنئیے نہ کسی مورد آفات کی بات

ظرف بے مے سے پلائی تو حرم میں پھیلی — پھیلتی جلد ہے کچھ اہل کرامات کی بات

رات کعبے میں گئی قلقل مینا بن کر — نہ تو چھپتی ہے نہ دبتی ہے خرابات کی بات

کوستے ہیں وہ بری طرح جو کہتا ہوں ریاض
رات بھر آج بھی ہوتی رہی کل رات کی بات

کیا وصل کی شب ہائے بگڑتی ہے بنی بات — کہتا ہوں کچھ اُن سے تو وہ کہتے ہیں بُری بات

ہر چند شب وصل کوئی اُٹھ نہ رہی بات — اِس شرم کے قربان نہ کرنا تھی نہ کی بات

صدقے ترے نازک لب نعلین سے کڑی بات — پتھر کی طرح آج مرے دل میں لگی بات

روٹھے ہوئے لیٹے ہیں نہ مانیں گے مری بات — لطف آئے جو چپ چپ یونہی ہو جائے کوئی بات

بن بیٹھے ہیں لے بیٹھے ہیں وہ سوگ عدو کا — چُہلیں ہیں نہ چھیڑیں ہیں نہ شوخی نہ کوئی بات

بوچھار سے میری عرق آئے انہیں کیا کیا — اللہ ری نزاکت کہ اٹھائے نہ اُٹھی بات

لوٹی ہے بہت ہم نے حسینوں کی جوانی — پیری میں بھی اب تک ہے جوانی کی وہی بات

کیوں رہ گئے چپ حشر میں اللہ کے آگے — بولے نہ بُرا بول یہ بہت آج بڑی بات

دنیا کے بھلے غیر جو کرتے ہیں خوشامد — دُنیا کے بُرے ہم ہیں جو کہتے ہیں کھری بات

ملتی مری جاں ہے کہیں روز شب وصل — قربان ترے اب وہ مروّت کی گئی بات

تقدیر سے قاصد بھی ملا آج تو ایسا — اُن سے نہ کہی بات نہ کچھ اُن سے سُنی بات

شکوہ ہے کہ الزام لگائے مجھے کیسے — میرے لئے محشر میں کوئی اُٹھ نہ رہی بات

جب بنت عنب ہم سے کھنچی کھنچ گئے ہم بھی — اے قلقل مینا نہ سُنی بات نہ کی بات

بیتاب رہی قبر میں بھی چرخ سے بالا — صد شکر کسی سے کبھی نیچی نہ پڑی بات

موقع ہے ستانے کا وہ چلائیں کہ چیخیں — سُنتا نہیں محشر میں کوئی کان پڑی بات

وہ بھی تو دم نزع کھڑے تھے سر بالین بیمار نے تو آج کسی سے بھی نہ کی بات

پیری میں ریاضؔ اب نہ اُمنگیں ہیں نہ وہ جوش
ہمراہ جوانی کے جوانی کی گئی بات

وہ بولے وصل کی ہاں ہے تو پیاری پیاری رات کہاں سے آئی یہ اللہ کی سنواری رات
وہ پیاری پیاری کوئی شکل پیاری پیاری رات بڑے مزے سے کٹی آج تو ہماری رات
یہ شام سے سحر عید کی خوشی تھی ہمیں کہ چاند دیکھنے ہی کی ہی بادہ خواری رات
یہ کوہکن کے بھی کاٹے تو کٹ نہیں سکتی پہاڑ ہو گئی فرقت کی ہم کو بھاری رات
گئے تھے آپ جنازہ اُٹھانے دشمن کا کہاں گئی تھی بڑے دھوم سے سواری رات
شب وصال جو چھیڑا تو ہنس کے فرمایا ستاؤ شوق سے ہم کو یہ ہے تمہاری رات
کئے تھے ایک زمین۔ آسمان اس نے بھی بڑھی ہوئی تھی مرے دل کی بیقراری رات
یہ سادگی سے اُن آنکھوں کو سرمہ بھاری ہے کہ جس طرح کسی بیمار کو ہو بھاری رات
یہ ٹوٹ ٹوٹ کے تارے نہیں گرے شب ہجر فلک نے ساتھ مرے کی ہی اشک باری رات
وہ بیکسی وہ اداسی وہ تیرگی وہ ہراس خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی ہماری رات
گئے تھے جھونک کے آنکھوں میں خاک غیر کے گھر ہماری آنکھوں سے دریا رہے ہیں جاری رات
یہ انتظار میں تیری کھلی رہیں آنکھیں پلک سے میں نے لگائی پلک نہ ساری رات

وصال یار میں کس کو ریاضؔ ہے ترجیح
کہ دن ہے رات سے پیارا تو دن سے پیاری رات

رہ گئے تھے کبھی ہم جا کے یونہی رات کی رات مدتوں یاد رہی ہم کو خرابات کی رات
رات سی بن گئی دن رخ سے اُلٹ دی جو نقاب کھول دی زلف جہاں ہو گئی بے رات کی رات

یہ بدلنے کے نہیں لاکھ زمانہ بدلے　　مجھ سے کمبخت کا دن غیر سے بدذات کی رات

شب کو میخانے میں کیوں پہنچے تھے ای حضرتِ شیخ　　کہئے اچھی تو کٹی قبلۂ حاجات کی رات

مینھ تھا بام تھا ساقی تھا شب ماہ بھی تھی　　رہ گئی آج بھی محتاج اسی بات کی رات

شب بسر کوچۂ جاناں میں نہ کرنا اے دل　　ہے خطرناک بہت ایسے مقامات کی رات

ہنس کے تم باندھ لو جوڑا سرِ بالیں اپنا　　آج کٹ جائے کسی موردِ آفات کی رات

وہ مرے وصل کے وہ مینھ کا برسنا رم جھم　　اُف ری برسات کی رُت ہائے ری برسات کی رات

یاد آتا ہے ریاضؔ اُن سے وہ میرا کہنا
آج رہ جایئے صدقے مرے گھر رات کی رات

ہم بھی پئیں تمہیں بھی پلائیں تمام رات　　جاگیں تمام رات جگائیں تمام رات

اُن کی جفائیں یاد دلائیں تمام رات　　وہ دن بھی ہو کہ اُن کو ستائیں تمام رات

زاہد جو اپنے روزے سے تھوڑا ثواب دے　　میکش اُسے شراب پلائیں تمام رات

اے قیس بیقرار ہے کچھ کوہکن کی روح　　آتی ہیں بے ستوں سے صدائیں تمام رات

تا صبح میکدے سے رہی بوتلوں کی مانگ　　برسیں کہاں یہ کالی گھٹائیں تمام رات

خلوت ہی بے حجاب ہیں وہ جل رہی ہے شمع　　اچھا ہے اس کو اور جلائیں تمام رات

شب بھر رہے کسی سے ہم آغوشیوں کے لطف　　ہوتی رہیں قبول دعائیں تمام رات

دابے رہی پروں سے نشیمن کو رات بھر　　کیا کیا چلی ہیں تیز ہوائیں تمام رات

کاٹا ہے سانپ نے ہمیں سونے بھی دو ریاضؔ
اُن گیسوؤں کی لی ہیں بلائیں تمام رات

نظر آتی ہے دور کی صورت　　آنکھ میں ہے حضور کی صورت

ایک یہ بھی ہے نور کی صورت　　دیکھ لی شمع طور کی صورت
کیوں نہ ہو جان کا عذاب یہ جسم　　تنگ زندان قبور کی صورت
سر تربت کوئی ہے فتنۂ حشر　　ہوئی پیدا فتور کی صورت
خانقہ میں پری تھی شیشے کی　　بن کے آئی جو حور کی صورت
آگیا کیا سوئے قفس صیّاد　　ہو گئی کیا طیور کی صورت
پھرتی ہے آنکھ میں بہ صد حسرت　　اب دل ناصبور کی صورت
ایک ہے ایک کبریائی میں　　اُف وہ اس کی غرور کی صورت
حشر زا اف وہ صور کی آواز　　ق　وہ سرافیل و صور کی صورت
باڑھ تلوار کی صراط کا پُل　　اور مشکل عبور کی صورت
شعلہ زار ایک لالہ زار ہی ایک　　سامنے نار و نور کی صورت
مضطرب اپنے حال پر ہر ایک　　ہائے ہر ناصبور کی صورت
فرو عصیاں نوشتۂ تقدیر　　ہائے ہر بے قصور کی صورت
آس اُس کے کرم کی قہر کا ڈر　　جو ہو ربّ غفور کی صورت
اے میں قربان شان رحمت کے　　نظر آئی حضور کی صورت
کس کو پروائے کوثر و تسنیم　　ہوئی پیدا سرور کی صورت
صدقے کیا جلد حشر میں بدلی　　مجھ سراپا قصور کی صورت

ہو مبارک سیاہ کار ریاضؔ
نور کی شکل نور کی صورت

ہو کے بیتاب بدل لیتے تھے اکثر کروٹ　　اب یہ ہی ضعف کہ قابو سے ہی باہر کروٹ
ہجر سے بڑھ کے شبِ وصل اذیّت ہے مجھے　　غیر کی یاد دلاتی ہے تری ہر کروٹ
رِند بیمار رہا محتسب شرع سے تیز　　اس قدر جلد اری پھینک کے ساغر کروٹ
چٹکیاں ہجر میں لیتی ہے شکن بستر کی　　میرے پہلو میں چبھو دیتی ہے نشتر کروٹ
شوخیاں ہیں کہ بنے ہجر کی شب وصل کی رات　　سو رہے پھیر کے مُنہ آپ بدل کر کروٹ
بیٹھنا اُن کا نزاکت سے دبا کر سینہ　　پھر یہ کہنا کہ نہ لینا تہِ خنجر کروٹ
تیری ٹھوکر سے نہ اُلٹے کہیں وہ تختہ قبر　　لے نہ خوابیدہ کوئی فتنہ محشر کروٹ
ہر طرف کانٹے بچھے ہیں شکن بستر کے　　ہم کو مشکل ہے بدلنا سرِ بستر کروٹ

اُنہیں منھ پھیر کے سونے نہیں دیتا ہوں ریاضؔ
وصل کی رات مجھے کیوں نہ ہو دو بھر کروٹ

پھول کے سوا خزاں میں اری ساقی تلچھٹ　　ان دنوں ہے مَے سرجوش سے اچھی تلچھٹ
نہ رہی خم میں جو باقی تو مجھے دی تلچھٹ　　حاصلِ خم ہے ترے ہاتھ کی ساقی تلچھٹ
کیا سُبک صاف لطیف اب کی کھنچی ہی ساقی　　مَے تو مَے نکہتِ گُل بن کے اُڑے گی تلچھٹ
رہ کے پستی میں ہوئی ہے جو بلندی حاصل　　حلق سے نیچے نہ اتری خم مَے کی تلچھٹ
اکبر کرا ہو غم افلاس سے نشّہ نہ کبھی　　مفت ملتی رہے تو مَے سے ہی اچھی تلچھٹ

قحطِ مَی سے ہین بھرے خم کے برابر دو گھونٹ — آج کل ہے مے سرجوش سے اچھی تلچھٹ
دے کے ساغر مجھے اندھا نہ بنا بادہ فروش — پانی آدھا ارے کمبخت تو آدھی تلچھٹ
خاک چھانی درِ ساقی کی سحر سے تا شام — جب ملی ہے کہین پینے کو ذرا سی تلچھٹ
مجھ بلا نوش کے پینے کا نہ پوچھو عالم — مَے سرجوش تو کیا خم مین نہ چھوڑی تلچھٹ
تر نہین ہونے کا اے شیخ ترا حلق کبھی — اونٹ کے منہ کا ہی زیرہ یہ ذرا سی تلچھٹ
فصل گل مین یہی کثرت ہی جو مینوشی کی — پھول کے مول بکے گی ارے ساقی تلچھٹ
پی گئی روح کسی مست کی آکر شب کو — مَے تو مَے آج سبو مین نہین باقی تلچھٹ
زرِ گل بن کے عجب حسن کیا ہے پیدا — جامِ گل مین یونہی ڈالی تھی ذرا سی تلچھٹ

شیخ صاحب کے گلے اس کو لگا نا تھا ریاضؔ
ایسی بیٹھی کہ اُبھارے سے نہ اُبھری تلچھٹ

بام پر آئے کتنی شان سے آج — بڑھ گئے آپ آسمان سے آج
جب کہا ہم خفا ہیں جان سے آج — بولے خوش کر دیں امتحان سے آج
کس مزے کی ہوا میں مستی ہے — کہیں برسی ہی آسمان سے آج
بے تکلف نہ ہو کوئی اُن سے — بنے بیٹھے ہیں میہمان سے آج
میں نے چھیڑا تو کس ادا سے کہا — کچھ سنو گے مری زبان سے آج
دل کے ٹکڑوں کی طرح ہم نے چُنے — ٹکڑے کچھ دل کی داستان سے آج
نیچی ڈاڑھی نے آبرو رکھ لی — قرض پی آئے اک دوکان سے آج
آ کے ہم دل جلوں کی تربت پر — کچھ سُنو شمع کی زبان سے آج
اُونچے کوٹھوں کے بیٹھنے والے — باتیں کرتے تھے آسمان سے آج
ناتواں دل کی بے زباں دل کی — آپ نے سُن لی اپنے کان سے آج

کوئی جا کر ریاضؔ کو سمجھائے
کچھ خفا ہیں وہ اپنی جان سے آج

کٹتے ہیں مصیبت کے کوئی چار پہر آج — یہ ہجر کی ہے رات نہ کل ہے نہ سحر آج
آباد کریں بادہ کش اللہ کا گھر آج — دن جمعے کا ہی بند ہے میخانہ کے در آج
محشر ہے سمجھ داورِ محشر کو ادھر آج — انصاف کا دن ہے ارے اللہ سے ڈر آج

صیّاد بہار آئی ہے گلزار میں شاید — اُڑتے ہیں ہوا میں مرے ٹوٹے ہوئے پر آج

سوتے ہیں وہ پہلو میں مرے بام پر اپنے — آغوش دعا میں ہے سرِ عرش اثر آج

میخانہ ہمارا کوئی مسجد تو نہیں ہے — تسبیح لئے کون بزرگ آئے ادھر آج

پیش آئی ہو یارب نہ چمن میں کوئی اُفتاد — آئی ہے قفس میں کوئی اُڑتی سی خبر آج

میری یہ شبِ وصل ہے شرمائیں گے گیسو — بل کھائیگی اتنے تری نازک سی کمر آج

ہے موسمِ گل ٹوٹتے ہیں زخموں کے ٹانکے — صیاد کئی بار کھلے زخمِ جگر آج

میں تھا وہ نہ تھا غیر جسے دھوکے میں دیکھا — کھوئی گئی کیا بزم میں دزدیدہ نظر آج

میخانے میں اچھلے گی ضرور آنے سی تیرے — تو آئیگا تو جائیگی واعظ ترے سر آج

جاتے ہیں یہ کہتے نگہِ ناز کے مارے — آجاؤ دکھاویں تمہیں حسرت کی نظر آج

کچھ آج سوا پی ہے جو کھلتی نہیں آنکھیں
کیا ہے کہ ریاض آپ اُٹھاتے نہیں سر آج

وحشیِ زار ہوں زنجیر نہ کھینچ — یا مصوّر مری تصویر نہ کھینچ
تنِ بیجان میں ابھی جان سی ہے — میرے سینے سے ذرا تیر نہ کھینچ
وصل کی شب نہ بنے گی شبِ ہجر — بے اثر نالۂ شبگیر نہ کھینچ
آستیں کا ہے چڑھانا کافی — نازنیں ہاتھ سے شمشیر نہ کھینچ
ٹکڑے ہو جائیگی اے دستِ جنوں — تو مرے پاؤں سے زنجیر نہ کھینچ
کھینچ نخچیر کی صورت مانی — حسرت دیدۂ نخچیر نہ کھینچ
عرش ہل جائے نہ اے دستِ دعا — اِس طرح دامنِ تاثیر نہ کھینچ
جان ہی میری نکل جائے گی — دل کو اے زلف گرہ گیر نہ کھینچ
نہ کر اس سوختہ جاں پر غصّہ — تو زباں شمع کی گلگیر نہ کھینچ

جامہ سب میرؔ کا پہنے ہیں ریاضؔ
قبر سے تو کفنِ میرؔ نہ کھینچ

جفا میں نام نکالو نہ آسمان کی طرح
کھلیں گی لاکھ زبانیں مری زبان کی طرح

فریب اثر کو کوئی دے مری فغاں کی طرح
تراشتی ہے یہ فقرے تری زباں کی طرح

یہ کس کی سایۂ دیوار نے مجھے پیسا
یہ کون ٹوٹ پڑا مجھ پر آسماں کی طرح

ضرور ڈھائیں گے آفت کچھ اُن کے ناوک ناز
چڑھے ہیں گوشۂ ابرو کڑی کماں کی طرح

رہِ حیات کٹی اس طرح کہ اُٹھ اُٹھ کر
میں بیٹھ بیٹھ گیا گردِ کارواں کی طرح

برنگ طائرِ بو میں ہوں غنچہ و گل ہیں
مرے قفس کی طرح میرے آشیاں کی طرح

نہ تیرے در سے ہٹے تیری ٹھوکریں کھا کر
وہیں جمے رہے ہم سنگِ آستاں کی طرح

ہمیں ہے گھر سے تعلق اب اس قدر باقی
کبھی جو آئے تو دو دن کو میہماں کی طرح

گیا چمن کو تو جھک کر بہت ملیں شاخیں
لیا گلوں نے مجھے میرے آشیاں کی طرح

بلا ہے یہ کوئی کھوٹا نہ جانے پیکاں کو
لہو پئے گا ہمارا غمِ نہاں کی طرح

ذرا سی جان کو لاکھوں طرح کے کھٹکے ہیں
چمن نہ لائے کہیں رنگِ آسماں کی طرح

میں آؤں آپ کے گھر کیا مجھے ڈراتے ہیں
عدو کے نقش قدم چشم پاسباں کی طرح

شریک درد تو کیا باعث اذیت ہیں
وہ لوگ جن سے تعلق تھا جسم و جاں کی طرح

تمہیں بھی دیگی مزا کچھ مری مصیبت عشق
کہیں کہیں سے سنو اس کو داستاں کی طرح

رہے کبھی نہ الٰہی مرا قفس خالی
کہ مجکو چین ملا اس میں آشیاں کی طرح

مجھے شباب نے مارا ابلائے جاں ہو کر — بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح
قفس میں لوٹ لئی کون سے مزے میں نے — دکھائے آنکھ نہ صیّاد باغباں کی طرح
کسی کو چین نہ قاتل کی شوخیوں سے ملا — مرے ہوئے بھی تڑپتے ہیں نیم جاں کی طرح
تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی — ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح
جو اپنے گھر کوئی آئے تو کون دے تکلیف — ستائے کون وہ بیٹھے ہیں میہماں کی طرح

ریاضؔ موت ہے اس شرط سے ہمیں منظور
زمیں ستائے نہ مرنے پر آسماں کی طرح

روز غم کچھ اور ہی ہے رنگ آتشبار صبح — ہر کرن سورج کی ہے برق سر کہسار صبح
دن کٹے گا کس طرح اتنا ابھی سے بار صبح — غم کے بادل لے کے سر پر آرہا کہسار صبح
رات باقی ہے ابھی کیونکر کروں اقرار صبح — تیرے صدقے دن بھی نکلے تو کروں انکار صبح
وقت سے پہلے نظر آنے لگے آثار صبح — مے چھلک کر جام ساقی سے بنی انوار صبح
صبح ہوتے گھر چلے دیکر مجھے آزار صبح — دوپہر سے پہلے پہلے ختم سے بیمار صبح
وہ گئے تو یہ گئے ایسے بھی کیا ہوش و حواس — آشنائے شب جو تھے اب وہ نہیں ہیں یار صبح
کیا بلا ہے شام غم جب دیکھئے موجود ہے — روز آتی ہے مرے گھر پھاند کر دیوار صبح
دن ہے اُن کے وصل کا آیا جو بن کر روز عید — کہہ رہے ہیں آج تو کچھ اور ہی آثار صبح
وصل کی راتیں تو اچھی لیکن اتنا عیب ہے — ساتھ اپنے کیوں لگا لاتی ہیں وہ آزار صبح
کھوئیں دولت کیوں سحر کی سونے والے ہاتھ سے — زر فشاں یکساں ہے سب پہ دامن زرتار صبح
وصل کی شب بھی کسی پہلو نہیں آتا ہے چین — شام سے دل میں کھٹکتا ہی ہمارے خار صبح
جانے والے کہہ گئے ہیں شام کو آئیں گے ہم — یاد رہنے کا نہیں ہے شام تک اقرار صبح

صبح ہونے بھی نہ پائی آگئی ہم کو اجل
ہجر کی شب لے چلے ہم حسرت دیدار صبح

وصل کے دن کی سحر بھی کیا کوئی معشوق ہے
آفتاب صبح ہے یا شعلہ رخسار صبح

خندۂ دنداں نما شب کو تمہارا یاد ہے
میں یہی سمجھا نمایاں ہو گئے آثار صبح

صبح غم پر میں ترس کھاؤں یہ ہو سکتا نہیں
اے شفق تو کیوں بنی ہے زخم دامن دار صبح

قلقل مینا۔ صدا ناقوس کی۔ شور اذاں
ٹھنڈے ٹھنڈے دیدنی ہے گرمی بازار صبح

وصل کے دن اُن کے گھر سے اُن کو لائی ہے یہی
چوم کر رخسار اُن کے چوم لوں رخسار صبح

وصل کی شب پر ترس آیا نہ گردوں کو ریاضؔ
ایسی اچھی رات کو بھی دے دیا آزار صبح

مجھ سے بڑھ کر ہے دل مرا گستاخ
نظر اس سے بھی کچھ سوا گستاخ

آنکھ میں آنکھ ڈالے منہ چڑھ کر
ہے یہ آئینہ کس قدر گستاخ

پہلے سے اور رنگ صحبت ہے
شوخ تھی اب ہوئی ہوا گستاخ

بوسہ سوتے میں لے لیا تھا کبھی
نام میرا ہے نا سزا گستاخ

آج تو پی دکھا کے واعظ کو
میں کبھی اس قدر نہ تھا گستاخ

سر چڑھا کوئی منہ چڑھا کوئی
شانہ گستاخ آئینہ گستاخ

چھیڑیں دونوں کی ہلکے آنچل سے
شوخ کچھ آپ کچھ صبا گستاخ

اُن کے تلووں سے کیوں لگی ہے آج
کچھ لگا آئی یہ حنا گستاخ

ہاتھ دستار پر رہے واعظ
کہ ہے میخانے کی ہوا گستاخ

اک حماقت کے ساتھ اُدھر واعظ
اس طرف اک ریاضؔ اک گستاخ[ملا]

کی توبہ تو مجھ پر ہوئی یہ کالی بلا سرخ
دیکھی نہ تھی بادہ کشو میں نے گھٹا سرخ

عکس مے گلگوں سے نہ ہو جائے گھٹا سرخ
برسے میں مزا دیگی مے ہوش رُبا سرخ

کس درجہ کفِ پا پہ ہوا ہے رنگ حنا سرخ
بے ذبح کئے ہاتھ میں ہے تیغ جفا سرخ

ملا۔ گستاخ مرحوم رامپوری۔

تربت کے لئے لائی ہے چُن چُن کے چمن سے
آئی ہے تو پھولوں سے ہے دامانِ صبا سُرخ

لال آندھی جب اُٹھتی ہے تو اُٹھتی ہے یہیں سے
مقتل کی زمیں سُرخ ہے مقتل کی ہوا سُرخ

پھیکا نہ کہیں حشر میں خونِ شہدا ہو
وہ آئے ہیں پہنے ہوئے محشر میں قبا سُرخ

انگشت نما ظاہر و باطن کا ہوا فرق
کیوں برگِ حنا سبز ہیں کیوں رنگِ حنا سُرخ

کچھ رنگ ترا حشر میں ہے حد سے سوا زرد
کچھ حد سے سوا آج ہے خونِ شہدا سُرخ

کچھ آنسوؤں میں خون مرے دل کا ملا ہے
آنکھوں سے مری آتے ہیں اب اشک ذرا سُرخ

بہنے کی طرح خون شہیدوں کا بہا ہے
آئیگا نظر بعد فنا بحرِ فنا سُرخ

لاتی ہے بہت رنگ نقاب اُن کی دمِ قہر
ہو جاتی ہے چہرے سی بھی کمبخت سوا سُرخ

برسانے کو پانی کے عوض آگ وہ برسائے
مجھ پر مری توبہ سے نہ اٹھی ہو گھٹا سُرخ

مے جان کے پی جائیں گے میخوار دمِ نزاع
کڑوی ہو سوا زہر سے لیکن ہو دوا سُرخ

پیری میں ریاض اب بھی جوانی کے مزے ہیں
یہ ریش سفید اور مے ہوش ربا سُرخ

بھول جائیں گے خدائی کا مزا میرے بعد — یاد آئیگا بتوں کو بھی خدا میرے بعد

کام آئی ہے مرے۔ میری دعا میرے بعد — سب جفا پیشہ بنے اہلِ وفا میرے بعد

نہ رہے شوخ حسینوں کے وہ دل ہی نہ رہے — کہ وفا کیا نہ رہی یاد وفا میرے بعد

مفتیِ شرع کو پینے میں تکلف نہ رہا — ہوئی پانی یہ مے ہوش ربا میرے بعد

نہ رہا میں تو ہی حشر پر اس کوچے میں — کہ جنازے کی طرح حشر اُٹھا میرے بعد

آشیانے ہیں قفس خانہ صیّاد و چمن — ہو گئی اور زمانے کی ہوا میرے بعد

گزرے کتنے ہی جم و خسرو و پرویز کے دور — کبھی خالی نہ رہا جام مرا میرے بعد

کون پہلو میں جگہ چیر کے پہلو دیگا — قید گیسو سے چھٹا دل تو چھٹا میرے بعد

آئے ہیں مہندی لگائے وہ مری ماتم میں — رنگ لائی ہے قیامت کا حنا میرے بعد

نہ وہ عشوہ نہ کرشمہ نہ وہ غمزہ نہ وہ ناز — نہ وہ قاتل ہے نہ قاتل کی ادا میرے بعد

ارے صیّاد نہ تھا میں تو قفس تھا میرا — جھانکنے کو کبھی آئی نہ صبا میرے بعد

خاک برسی اگر آیا جو کبھی ابرِ بہار — کیا سے کیا ہو گئی گلشن کی ہوا میرے بعد

اب کہاں نقش کفِ پائے حنائی کے چراغ — میرے گھر آئے حسینوں کی بلا میرے بعد

موج مے لاکھ بنے موجِ تبسم ساقی — نہ رہا ہائے کسی شئے میں مزا میرے بعد

بنتی جنّت نہ مرے واسطے تربت میری — میرے کام آئی حسینوں کی دعا میرے بعد

سوکھے کانٹے مری صحرا کے ہری ہو جاتے
آنکلتا جو کوئی آبلہ پا میرے بعد

خدمت شمع فروزی مرے دم تک تھی ریاض
کیسی تاریک ہے بزم شعرا میرے بعد

کہہ اٹھے چپ ہو کیوں وصال کے بعد
خود ہی شرمائے اس سوال کے بعد

آنکھ بھر کر چمن کو دیکھ تو لوں
کہ قفس دیکھنا ہے جال کے بعد

اے جوانی نہ جا بہار کے ساتھ
وہ تو آئے گی ایک سال کے بعد

میرے گھر سے نہ جاؤ غیر کے گھر
وہ خوشی کیا جو ہو ملال کے بعد

اے میں قربان شان رحمت کے
ہوئی پرسش نہ انفعال کے بعد

مے کا پینا خدا معاف کرے
عید آئی ہے ایک سال کے بعد

چال مشہور ہے قیامت کی
نہ بچی وہ بھی تیری چال کے بعد

تیرے صدقے مزے کی چیزوں میں
خواب بھی ہے ترے خیال کے بعد

جو کبھی ہے خوشی کے بعد ملال
تو کبھی ہے خوشی ملال کے بعد

داغ کے بعد رہ گئے تھے جلال
نہ رہا کوئی بھی جلال کے بعد

اب جوانی کو رو رہے ہیں ریاض
قدر نعمت ہوئی زوال کے بعد

مجکو نہ دل پسند نہ دل کی یہ خو پسند
پہلو سے میرے جائے دل آرزو پسند

تجکو عدو پسند ہے وضع عدو پسند
مجکو ادا پسند تری مجکو تو پسند

روز ازل سے تھے ڈھیر ہزاروں لگے ہوئے
چپکے سے چھانٹ لائے دل آرزو پسند

تم نے تو آستیں کے سوا ہاتھ بھی رنگے
آیا شہید ناز کو اتنا لہو پسند

اے دل تری جگہ شکن زلف میں نہیں — خو بو تری پسند نہ کافر کو تو پسند

پہنچا جو میں تو دھوم مچی بزم یار میں — آئے ہیں آج ایک بڑے آرزو پسند

مسجد میں ظرف آب نہ تھا کوئی لے چلے — آیا جو میکدے میں اچھوتا سبو پسند

جنت کی حور جیسے کوئی میری قبر پہ — اے شمع اس طرح مجھے آئی ہے تو پسند

آتا پسند کاش کچھ ان کا کلام بھی — بزم سخن میں آئے کئی خوش گلو پسند

ہو عکس آئینے میں ترا یا ہو کوئی اور — آیا ہے اک حسیں ترے روبرو پسند

دن ہیں شباب کے وہ بھرے ہیں شباب میں — مسکی ہوئی قبا میں نہیں ہے رفو پسند

میرا مذاق اور ہے مجکو تو اے کلیم — پردے کے ساتھ دور سے ہی گفتگو پسند

مے کا نہ میکدے کا نہیں کچھ رہیگا ہوش — آئے خدا کرے نہ کوئی خوب رو پسند

کس طرح اس نے رو کے ملایا ہی خاک میں — آیا نہ آنکھ کو بھی ہمارا لہو پسند

کچھ شوق ہے تو اہل خرابات سے ملو — اے صوفیو نہیں یہ ہمیں ہائے ہو پسند

آئیگا میکشو بطِ مے کا شکار یاد — جنت میں آگئی جو کوئی آبجو پسند

سو بار سر سے شیخ کے ٹکرا چکے جسے — ہم کو تو میکدے میں وہی ہے سبو پسند

جب پی لگا کے منہ دم افطار رند نے — بوتل کے منہ کی آئی فرشتوں کو بو پسند

ہو جاؤں میں بھی گم کہیں تیری تلاش میں — تیری طرح مجھے ہے تری جستجو پسند

یہ کون ہیں ریاضؔ ہیں رسوائے کوئے یار

آئے ہیں آج بن کے بڑے آبرو پسند

ہنس کے پیمانہ دیا ظالم نے ترسانے کے بعد — آج نازک سے لب ساقی ہیں پیمانے کے بعد

ٹکڑوں میں بھی نہ ہوگا ایک پیمانے کے بعد — رہ نہیں سکتی کبھی مے لب تک آجانے کے بعد

میں ہوں ساقی ہے شب خلوت ہے دور جام ہے ۔۔۔ بوسہ پر بوسہ ہے پیمانہ ہے پیمانے کے بعد

وقت ہی ایسا تھا رخصت ہو گئی اُن کی حیا ۔۔۔ بات ہی ایسی تھی کھُل کھیلے وہ شرمانے کے بعد

چھیڑتے ہیں پا کے موقع اُن کے اُترے ہار بھی ۔۔۔ بنتے ہیں کیوں دل ہمارا پھول مُرجھانے کے بعد

حُسن ہو یا عشق ہوتی ہے بری دل کی لگی ۔۔۔ جل بجھی رو رو کے آخر شمع پروانے کے بعد

کہہ کے میں دل کی کہانی کس قدر کھویا گیا ۔۔۔ ہیں فسانوں پہ فسانے میرے افسانے کے بعد

بیخودی گم گشتگی سکر و تحیّر محویت ۔۔۔ کچھ مقامات اور بھی پڑتے ہیں میخانے کے بعد

دور تک شہرت ہے اس کی طور کہتے ہیں جسے ۔۔۔ بے چراغ اک جلوہ گہ ہے میرے ویرانے کے بعد

کوئی ہیرے کی کنی سے کم نہ تھا ہنگام ضبط ۔۔۔ کچھ ہمیں پینا پڑے آنسو بھی غم کھانے کے بعد

عشق کی تاریخ دُہرائی زمانے نے ضرور ۔۔۔ نام پایا قیس نے بھی تیرے دیوانے کے بعد

شور ہے رہنا قیامت سے بہت ہی ہوشیار ۔۔۔ اُن کے کوچے سے اُٹھی ہے ٹھوکریں کھانے کے بعد

طبع ہو بھی تو کہیں دیوان میرا اے ریاض
دیکھنے کی چیز ہو گا یہ صنمخانے کے بعد

ہو بھی کچھ تو ہے بہت بیجا گھمنڈ چار دن کی زندگی پر کیا گھمنڈ
خاک میں چھپنا ہے تو کیسا غرور خاک میں ملنا ہے تو کیسا گھمنڈ
بے تکلف روندتے پھرتے ہیں دل ہائے رے حسن جوانی کا گھمنڈ
عجز سے بڑھکر نہیں ہے کوئی چیز کیسی نخوت کبر کیسا کیا گھمنڈ
حُسن ہی اللہ نے ایسا دیا تجکو زیبا سب کو نا زیبا گھمنڈ
ہاتھ بھی ان کو لگا سکتے نہیں ہے نزاکت پر انہیں کتنا گھمنڈ
ایک فقرے میں وہ میرے ہو رہے بات کہتے اس طرح ٹوٹا گھمنڈ
پیچ و تاب دل کبھی دیکھا نہیں پیچ و خم پر زلف یار اتنا گھمنڈ

کوئی گویا آپ کا ثانی نہیں
اے ریاضؔ اتنا غرور اتنا گھمنڈ

لے گیا گھر سے انہیں غیر کے گھر کا تعویذ
ہم نے دیکھا نہ سنا ایسے اثر کا تعویذ

دے کے بو زلف کی رکھ لو تہِ محرم دل کو
خواب میں پھر نہ ڈرو گے یہ ہے ڈر کا تعویذ

صدقے تیرے مجھے تسکین بہت سی تسکین ہوئی
خط ترا تھا کہ مرے دردِ جگر کا تعویذ

ہو مبارک تجھے آنکھوں میں سمانا دن رات
زیبِ بازو رہے ہر وقت نظر کا تعویذ

رہ گیا غیر کے گھر جائیے بھی لائیے بھی
آپ کے سر کی قسم آپ کے سر کا تعویذ

باندھ لے بہرِ خدا اپنے بھرے بازو پر
نظرِ بد سے بچائے گا نظر کا تعویذ

گھر گئے اپنے بنا کر وہ ہمیں راہِ عدم
وصل کی شب کی نشانی ہے کمر کا تعویذ

ہاتھ بھی آئیں تو ہے ہاتھ لگانا مشکل
سرِ بازو ہے بندھا خاص اثر کا تعویذ

ڈر سے اُن کے بھرے بازو کئی کاغذ اُترے
ہاتھ تھا ہاتھ شبِ وصل کہ سر کا تعویذ

دل ہے اب ناگ کے آغوش میں دن رات ریاضؔ
یہ تو سر چڑھ کے بنا یار کے سر کا تعویذ

ڈالے نظر تمہاری بلا لالہ زار پر — تم بجلیاں گراؤ دل داغدار پر

صیاد گھات میں ہے تُلا ہے شکار پر — آنکھوں میں کیوں کھٹکتے ہیں بلبل کے چار پر

بنت عنب کے عقد میں کچھ دیر ہے ابھی — تقریب اُٹھ رہی ہے یہ فصل بہار پر

اُٹھ کر پہنچ تو جائے لحد سے یہ تا فلک — آنکھ آسماں کی ہے ہمارے غبار پر

اتنا قفس سے تیز گیا میں سوئے چمن — جیسے لگا دیئے ہوں کسی نے ہزار پر

عمامہ و عبا و قبا سب ہیں رہن مے — اب دے کوئی اُدھار تو کس اعتبار پر

مشکل ہماری نزع میں آسان ہو گئی — وہ کہہ گئے ہم آئیں گے تیرے مزار پر

اُودی گھٹائیں بادۂ گلرنگ سبزہ زار — پریوں کے ناچ کا ہے مزا کوہسار پر

مہندی لگا کے ہاتھ میں بیٹھوں شب وصال — یہ بھی کوئی ادا ہے کہ جھنجھلائے پیار پر

ملنا مقام قیس کا مشکل تھا اے جنوں — برسوں چلے ہیں دشت میں ہم نوک خار پر

بیکس سی رات دن مرے گھر میں پڑی رہی — آیا نہ تم کو رحم شبِ انتظار پر

دامن میں پھول لیکے چلے تھے عدو کے گھر — حسرت پکار اٹھی کہ ہمارے مزار پر

سہرا جنوں کا باندھنے والے تھے ہم ریاضؔ
یہ رسم اُٹھ رہی مگر اب کی بہار پر

گنبد مدفن ہے یا ہے آسماں بلائے سر — یہ مکیں رکھتے ہیں سب اپنے مکاں بالائے سر

یوں لئے ہوں حشر میں بار گراں بالائے سر — دوش پر خم ہے گنہ کی گٹھریاں بالائے سر

چھوٹی سی کشتی بنا ہے آسماں بالائے سر — سیل اشک اسطرح چشم خوں فشاں بالائے سر

زیر مسجد میکدہ۔ میں میکدے میں مست خواب — چونک اٹھا جب ہی موذن نے اذاں بالائے سر

ہم ہیں سوئے سایۂ گل میں نہیں اتنا خیال — اے عنادل اس طرح شور فغاں بالائے سر

نخل گل کی طرح دیوانوں سے بھی مانوس ہیں — لیتے ہیں بلبل جگہ اے باغباں بالائے سر

یہ نرالی تیری خلقت شمع اس پر حسن بھی — ہم نے دیکھی ایک تیری ہی زباں بالائے سر

خوش کیا یوں باغ میں لاکر مجھے صیاد نے — شاخ کے نیچے قفس ہے آشیاں بالائے سر

بیچتے پھرتے ہیں مے ہم اس طرح رستے گلی — جائے خم چھوٹی سی ہی مے کی دکاں بالائے سر

رحم کر مالک کہ ہیں دو دو فرشتے بھی لدے — اور پھر عصیاں کا بھی بار گراں بالائے سر

پیچھے کارواں کے ہم تھکے ماندے ہیں یوں — پاؤں میں چھالے ہیں گرد کارواں بالائے سر

پاؤں کے نیچے سے نکلی جاتی ہے یارب زمیں — کھائے ہیں چکر اتنے آسماں بالائے سر

میں وہ ہوں محشر کے پیاسوں کو پلاؤں تو بھی — حوض کوثر ہوگا اے پیر مغاں بالائے سر

آتش رنگ حنا و زلف پیچاں دیکھیے — آگ تلووں میں لگی نکلا دھواں بالائے سر

لینے جاتا ہی حرم سے کیا کہیں تم کو ریاض
طاق پر رکھی ہے بوتل مہرباں بالائے سر

فریاد جنوں اور ہی بلبل کی فغاں اور — صحرا کی زباں اور ہی گلشن کی زباں اور

کٹ جائے زباں تیری تو ہو گرم زباں اور — اللہ نے دی ہے تجھے اے شمع زباں اور

جنت بھی ہے دوزخ بھی ہی سینے میں ہمارے — یہ داغ نہاں اور ہے یہ سوز نہاں اور

ہو جائے سیچ۔ افلاس میں سنتا ہوں رہیگا — دو چار مہینے ابھی ماہ رمضاں اور

آغاز محبت میں یہ دل خون ہوا ہے — روئینگے ابھی دیدۂ خوں نابہ فشاں اور

دنیا میں اب ایسا قدر انداز نہیں ہے — ہوتے ہی ہدف دل کے چڑھی ان کی کماں اور

جو پیتے ہیں پیتے نہیں وہ بھی رمضان میں — سُنتا ہوں کوئی بند ہوئی مے کی دکاں اور

اچھا ہے رہیں جا کے الگ دونوں جہاں سے — عشاق کے رہنے کو بنے ایک جہاں اور

پینے کا مزا جب ہے کہ مُنہ خم سے لگا ہو — مجھ رند سے ساقی یہ کہی جائے کہاں اور

نکلا ہے مرا نام کہ بے نام و نشاں ہوں — مجسا بھی نہ ہوگا کوئی بے نام و نشاں اور

سُنتا ہوں مسلمانوں میں اب ننگ بہت ہے — ڈرتا ہوں مے ناب نہ ہو جائے گراں اور

پہنچے در و دیوار کو نقصاں تو کیا غم — رونے کے لئے لینگے کرایہ کا مکاں اور

تیز آتش سیال ہے پہلے سے زیادہ — اب آگ لگائے نہ ذرا پیر مغاں اور

دی ہم نے جگہ دل کو بھی آنکھوں کی برابر — آنکھوں میں سمائے نہیں وہ ہو کہ جواں اور

مرنے کا ریاض اپنے ذرا نام نہ لینا
جینا ابھی مرمر کے تجھے ہے مری جاں اور

پردے پردے میں یہ کر لیتی ہیں راہیں کیونکر — پار ہو جاتی ہیں سینے کی نگاہیں کیونکر

دل میں آنے کی نکل آتی ہیں راہیں کیونکر — اوپر اُٹھ جاتی ہیں وہ نیچی نگاہیں کیونکر

کر لیا کرتے تھے دل کھول کے آہیں کیونکر — اب یہ رونا ہے کراہیں تو کراہیں کیونکر

گدگدانے نہیں آتی ہیں سر بام تمہیں — عرش پر کھیلتی ہیں جا کے یہ آہیں کیونکر

نکلیں گھونگھٹ میں یہ مژگاں کے جو نکلیں بھی کبھی — شوخ ہو جاتی ہیں شرمیلی نگاہیں کیونکر

تو بھی جانے کہ ملا چاہنے والا تجھکو — تو بتا دے ترے صدقے تجھے چاہیں کیونکر

کیا خبر ہے تجھے او چین سے سونے والے — کہ دم سرد بنا کرتی ہے آہیں کیونکر

طور والو وہ لبِ بام ہیں آنے والے — دیکھیں لڑتی ہیں نگاہوں سے نگاہیں کیونکر

شوق ادھر شرم ادھر بات نئی رات نئی — دیکھیں ملتی ہیں نگاہوں سے نگاہیں کیونکر

یہ امنگیں یہ ترنگیں یہ جوانی یہ شباب — توبہ کر کے یہ بتاؤ کہ نباہیں کیونکر

شرم کے پتلے کو آجاتی ہے کیونکر شوخی — بجلیاں بنتی ہیں شرمیلی نگاہیں کیونکر

ہم ریاضؔ اوروں سے خوددار سوا ہیں لیکن

رہ کے معشوقوں میں ہم وضع نباہیں کیونکر

بام سے پوچھتے ہو تم کو بتائیں کیونکر — چاند سے چہرے کی لیتے ہیں بلائیں کیونکر

یونہی ہو جائیگا نشہ ہمیں پینے والے — ہم تو پیتے نہیں ہم تجکو پلائیں کیونکر

وصل کو ہجر نزاکت نے بنا رکھا ہے — ایسے نازک کو شب وصل ستائیں کیونکر

آئینہ سامنے آتا ہے تو شرماتے ہیں — شرم کے پتلے ہیں وہ سامنے آئیں کیونکر

داغ کی طرح دکھانے کی تو یہ چیز نہیں — درد کو پوچھتے ہیں ان کو بتائیں کیونکر

سایۂ زلف چلا بن کے پری کا سایہ — دیکھنا یہ تھا کہ آتی ہیں بلائیں کیونکر

غیر کی جان پر اے جان ذرا بن جاتی — دیکھتے ہم بھی کہ ہوتی ہیں جفائیں کیونکر

شرم جاتی بھی نہیں شمع ہٹاتی بھی نہیں — ہم لگی دل کی شب وصل بجھائیں کیونکر

بوسے یہ کہہ کے شب وصل لیئے ہیں میں نے — گنی جاتی ہیں مری آج خطائیں کیونکر

بڑھتی جاتی ہے بہت اہل جنوں کی تعداد — کوئی روکے یہ جنوں خیز ہوائیں کیونکر

حشر آشوب وہ ہنگامے زمانے میں نہیں — سوتے فتنے ترے کوچے کی جگائیں کیونکر

چھیڑتی ہے شکنِ زلف شب وصل ہمیں — لیں سنوارے ہوئے گیسو کی بلائیں کیونکر

موج بو بھی نہیں گیسو کی سہارے کو ریاضؔ — ضعف سا ضعف ہی ہم آپ میں آئیں کیونکر

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

گری تھی آج تو بجلی ہمیں پر
یہ کہئے جُھک پڑے وہ ہمنشیں پر

لہو بیکس کا مقتل کی زمیں پر
نہ دامن پر نہ اُن کے آستیں پر

بلائیں بن کے وہ آئیں ہمیں پر
دعائیں جو گئیں عرش بریں پر

یہ قسمت داغ جس میں درد جسمیں
وہ دل ہو لوٹ دستِ نازنیں پر

رُلا کر مجکو پونچھے اشک دشمن
رہا دھبا یہ اُن کی آستیں پر

اُڑائے پھرتی ہے ان کو جوانی
قدم پڑتا نہیں ان کا زمیں پر

ارے او چرخ دینے کے لئے داغ
بہت ہیں چاند کے ٹکڑے زمیں پر

نزاکت کوستی ہے مجکو کیا کیا
طبیعت آئی اچھی نازنیں پر

تمنّائے اثر او چشم حسرت
اُٹھا رکھ اب نگاہِ واپسیں پر

دھری رہجائے گی یونہی شبِ وصل
نہیں لب پر شکن ان کی جبیں پر

خدا جانے دکھائیگی یہ کیا رنگ
دعائیں جمع ہیں عرش بریں پر

نگاہِ شوق گرم اتنی کہ بجلی
نہ آنچ آئے کہیں اس نازنیں پر

مجھے ہی خون کا دعویٰ اُنھی سے ہے
اِنہیں پر داورِ محشر انہیں پر

ریاض اچھے مسلماں آپ بھی ہیں
کہ دل آیا بھی تو کافر حسیں پر

رہے ہم آشیاں میں بھی تو برقِ آشیاں ہو کر
لگا دی آگ اپنے گھر میں گرمِ فغاں ہو کر

نہ اپنے غمزدوں کو خوش کرو اب مہرباں ہو کر
بنو تم خوش رہو ہم کیا کریں گے شادماں ہو کر

کھلے غنچے نہ بو چھوٹی نہ شاخِ گل پھلی پھولی
قفس میں جب سے ہم آئے بہار آئی خزاں ہو کر

چلے ہو گل بداماں کچھ تو کہتے جاؤ اُن سے بھی | کہ تم سی کہہ رہے ہیں کچھ عنادل ہم زباں ہو کر
جواں ہونے نہ پائے تھے کہ دل آیا حسینوں پر | اجل یہ کہتی آئی کیا کروگے تم جواں ہو کر
ہوئے پست ایسے اُن کی خاک بھی اُڑتے نہیں دیکھی | رہے رہنے کو کتنے اس زمیں پر آسماں ہو کر
جو کھلکر وار ہوسکی پر تو ہم پر چوٹ پڑے ہیں | وہی جلوہ عیاں ہو کر وہی جلوہ نہاں ہو کر
قیامت اُن کی چھیڑیں ہیں مرے بیتاب کرنے کو | جو ناوک آئے چٹکی سے تو اُن کی چٹکیاں ہو کر
ملایا خاک ہو کر حسرتوں کو اپنی مٹی میں | چھپایا کارواں کو ہم نے گرد کارواں ہو کر
کبھی تقریر ساقی میں جو لغزش اس نے پائی ہے | تو موج مے نے ہم سے گفتگو کی ہے زباں ہو کر
یہ رنگیں نعرۂ مستانہ کس کے ہیں ارے زاہد | صدا ناقوس کی دے دی کہیں گونجی اذاں ہو کر
ترے کوچے میں پیسا ہی اسی نے ہم غریبوں کو | گرا ہے سایۂ دیوار ہم پر آسماں ہو کر
کسی محرم سنبھالیگی نہ ڈھلے ہوئے آنچل | رہیں گے وہ نہ قابو میں کسی کے بھی جواں ہو کر
دکن میں کیا وزیر فوج نے مہماں نوازی کی | جناب شادؔ[۱] کے در سے پھرے ہم شادماں ہو کر

ریاضؔ اس وضع سے پہنچے کہ بھولے میکدے والے
بزرگ خضر صورت آئے جنت میں جواں ہو کر

بالائے بام غیر ہے میں آستان پر | چاہیں جسے چڑھائیں حضور آسمان پر
کیوں نامراد آہ گئی آسمان پر | ٹوٹے نہ آسماں کہیں میری جان پر
رسوائیاں ہیں ساتھ وہ چھپکر ہزار جان | سو سو کے سر جھکے ہیں قدم کے نشان پر
آنا اُسے ضرور گو ہوں لاکھ اہتمام | عاشق ہے ان کی نیند مری داستان پر
تھا رازدار حسن وہ کافر جو کہہ گیا | معشوق دل کی بات نہ لائیں زبان پر

۱۔ حضور مہاراجہ کرشن پرشاد بہادر بالقابہ حال وزیر اعظم دکن۔

ان کی گلی میں رات میں اس وضع سے گیا
گھبرا کے پاسبان گرے پاسبان پہ

نازک سی تیغ یار ہی کیا زہر کی بجھی
کھائے ہوے ہیں زہر مرے امتحان پہ

بنتے ہیں شوخیوں سے وہ سورج بھی چاند بھی
نقش قدم بھی آپ کے ہیں آسمان پہ

خلوت میں بھی چلی ہیں کہیں سینہ زوریاں
اس طرح آپ تن کے اُٹھے کس گمان پہ

ذکر مے طہور نے تڑپا دیا ریاضؔ
جانا پڑا ہمیں کسی اونچی دکان پر

ترے پائے حنائی آئے جب سبزے کے دامن پر
کھل اُٹھے پھول سبزہ لہلہایا میرے مدفن پر

نہ تیری آستیں پر چھینٹ آئیگی نہ دامن پر
رہیگا میرے قاتل خون میرا تیری گردن پر

قفس سے ہم بھی جا رہتے ذرا شاخ نشیمن پر
کہ جوش لالہ و گل سے بہار آئی ہے جوبن پر

لہو کا داغ لیگی پارسائی اپنے دامن پر
چھُری میری چلیگی اے بط مے تیری گردن پر

چمن سے اُڑکے برگ گل قفس پر چھائے جاتے ہیں
مرے ٹوٹے ہوئے پر چھائے رہتے ہیں نشیمن پر

بھرے بیٹھی کچھ وہ نرگس ہے مگر آتے ہی گلشن میں
جو منہ آئے تو غنچوں پہ زباں کھولی تو سوسن پر

جو میری تاک میں تو ہی اُڑیں گے تجھسے تنکے بھی
ارے صیاد ابھی کیا ہے نکالے گا نشیمن پر

یہ خون بے گنہ ہی ہاتھ کی منہدی نہیں ظالم
رہیگا تیرے دامن پہ رہیگا تیری گردن پر

بتو ہو بدگمان جس سے۔ حرم کے کچھ موذّن ہیں
یہ آوازے نہیں کستے ہیں ناقوس برہمن پر

کچھ ایسے سادہ دل ہم ہیں ہمیشہ دھوکا کھاتے ہیں
گماں رہبر کا ہوتا ہے ہمیشہ ہم کو رہزن پر

سیئے جاتے ہیں زخم دل کہ ڈورے ڈالے جاتے ہیں
ارے او بخیہ گر میری نظر ہی چشم سوزن پر

لگی ہے آگ سی یارب۔ بھڑکتی ہے نہ بجھتی ہے
چمک تو دل میں ہے لیکن نظر ہے دشت ایمن پر

بہار ایسی کبھی آئی نہ تھی اے باغباں پہلے
مٹے ہیں آجکل صیاد و گلچیں میرے گلشن پر

مجھے دو کرکے ان کی تیغ کتنی صاف نکلی ہے
وہ ایسے ہیں لہو کی چھینٹ آنے دینگے دامن پر

نگاہیں اس سے ہٹتی ہیں نہ وہ نظروں سے ہٹتی ہے
پڑی ہے آنکھ میری آج کس نازک سی چلمن پر

گہاں کے شمع رو معشوق دس جائیں تو بیس آئیں
رہیں جھرمٹ حسینوں کے الٰہی میری مدفن پر

انہیں کا عکس میرے نامۂ اعمال پر ہوگا
نظر آتے ہیں جتنے داغ عصیاں میرے دامن پر

رہا کرتی ہے روشن تیرہ شب میں برق کی مشعل
یہ آ آکر چمکتی ہے ہمیشہ میرے خرمن پر

بہار آئے نہ آئے اے ریاضؔ اس ضعف پیری میں
نہ زور اپنا گریباں پر نہ اپنا زور دامن پر

خدا کرے رہے جاری پیام یار نثار
کہ تیرے بعد یہ ہے تیری یادگار نثار

کسی کی بھی نہیں سنتے ہیں آج یار نثار
ہزار کوئی پکارا کرے نثار نثار

چھلکتے جام ہیں حوریں ہیں باغ جنت ہے
اڑا رہے ہیں مزے کیا مزار نثار

دم اخیر مجھے اس طرح پھیر لیں آنکھیں
نہ تھے زمانے میں گویا کسی کے یار نثار

رواروی میں اتارے نہ عکس بھی اترا
ہوا کے گھوڑے پر آئے تھے کیا سوار نثار

یہ اس کی شان کریمی نثار کو بخشا
ہزار بار فدا ہیں ہزار بار نثار

بچھڑنے والو کبھی تم نہ چھوڑنا دامن
چلے ہیں لوٹنے فردوس کی بہار نثار

ابھی یہ پھوٹ کے روئے نہ لوں جو ضبط سے کام
بھری ہے مجھ سے بہت چشم اشکبار نثار

ریاضؔ فاتحہ پڑھنے نہ تم گئے اب تک
تمہارے واسطے ہیں محو انتظار نثار

ہوئی ہے میری جوانی فدائے گورکھپور
لحد سے آئیگی آواز ہائے گورکھپور

یہاں کی موت بھی ہے زندگانی جاوید
ہوائے باغ جناں ہے ہوائے گورکھپور

پرستش ان کی ہمارا تو دین و ایماں ہے
عجیب چیز ہیں اہل وفائے گورکھپور

اودھ کی شام بنارس کی صبح صدقے ہو
کہ اک جہاں سے جدا ہے ادائے گورکھپور

اٹھائے دور سے انگلی بلال بھی سوِ بام
نظر پڑے جو کوئی مہ لقائے گورکھپور

پکارتی ہیں یہی دلفریبیاں اس کی
کہ آکے ہو جسے جانا نہ آئے گورکھپور

ہم اپنے خون تمنا سے سینچ آئے ہیں
حسیں لگائیں منگا کر حنائے گورکھپور

نہیں ضرور ہے ستنا مراسنوں نہ سنول
غزل یہ گائے کوئی خوشنوائے گورکھپور

مزار سے شہدا کے یہ آرہی ہے صدا
فضائے باغ ارم ہے فضائے گورکھپور

نہ مٹ سکیں گے کبھی نقش بھولی باتوں کے
ہمارے دل میں بسی ہے ادائے گورکھپور

چمن بھی حور بھی حسن شباب بھی مے بھی
جسے بہشت میں جانا ہو آئے گورکھپور

گیا وصال کا دن آگئی وصال کی شب
مزے کی چیز ہے مہمان سرائے گورکھپور

ریاض تم نے کہی ہے اسی لیئے یہ غزل
برا کہیں نہ تمہیں دلربائے گورکھپور

صیاد کہاں جائیں گے گلشن سے نکلکر
ہم موت کے منہ میں ہیں نشیمن سے نکلکر

فرہاد نہ جاتا ہو کہیں قیس سے ملنے
یہ کون چلا کوہ کے دامن سے نکلکر

اک عام جگہ طور تھی دل میرے کا گھر تھا
کھل کھیلے کہاں وادی ایمن سے نکلکر

کیوں ہاتھ مرے ٹوٹیں میں ان ہاتھوں کے صدقے
ہیں تیری کمر میں تری گردن سے نکلکر

ہونا ہے جو کچھ حشر ہمارا وہ یہیں ہو
جائیں گے نہ اب ہم کہیں مدفن سے نکلکر

اللہ بچائے نگہ پردہ نشیں سے
گھر کرتی ہے دل میں بھی روزن سے نکلکر

تم زخم سیو رہنے دو اس کو مرے دل میں
آئی ہے گرہ رشتۂ سوزن سے نکلکر

جاؤں جو حرم کو تو خود آواز کے ہمراہ ناقوس چلے دست برہمن سے نکلکر
کہتی ہے یہ شوخی نگہِ شوق بھی ہٹ جائے آتا ہے کوئی آنکھ میں چلمن سے نکلکر

پہنے کفنی کیا یہ ریاضؔ آئے حرم میں
یا کوئی بزرگ آئے ہیں مدفن سے نکلکر

ہے عرش بریں اور مدینے کی زمیں اور اللہ یہاں کے ہیں مکاں اور مکیں اور
اُٹھ اُٹھ کے چلے ساتھ کئی طور نشیں اور جو کعبے کو جاتے ہیں وہ جائینگے کہیں اور
آخر تجھے کس بات کا دعوےٰ ہے زلیخا تو کوئی دکھا دے مری یوسف سا حسیں اور
ہے عرش بریں فرش رہ گنبد خضرا ہے میری جبیں اور فرشتوں کی جبیں اور
دونوں ہیں مقام ایک مکاں ایک مکیں ایک کعبے سے کوئی جا کے مدینے میں نہیں اور
بدلوں دلِ پُر نقش سے کیا مُہرِ سلیماں وہ نقش و نگیں اور ہے یہ نقش و نگیں اور
سیدھا سا مسلماں ہوں سمجھتے ہیں برہمن بھی ملّت نہ مری اور نہ میرا کوئی دیں اور
فرمائیں گے مجکو شرف اندوز زیارت ٹھہرا ہے سینے میں جو دم باز پسیں اور
دن دن ہوئی جاتی ہے جو نزدیک قیامت وعدے کی وفا کا مجھے ہوتا ہے یقیں اور
منہ پونچھ کے کہنا وہ مرا شیخ حرم سے ہاں نام سے زمزم کے ذرا قبلۂ دیں اور
تربت ہو قیامت ہو جہنم ہو کہ جنّت ہم اللہ کے نہ جائیں گے ترے در سے کہیں اور

لو کھول دیں آنکھیں شرف سجدۂ در نے
ہیں اپنی نگاہوں میں ریاضؔ آج ہیں اور

گرد دامن بن گیا صحرا کا داماں دیکھکر پاؤں پھیلائے ہیں میں نے بھی بیاباں دیکھکر
تو نہ جا جانے بھی دے اب کوئی لیلیٰ کا خیال قیس دنیا کیا کہے گی تجکو عریاں دیکھکر

دن میں چرچے خلد کے شب میں مے کوثر کے خواب
ہم حرم میں آرہے میخانے ویراں دیکھکر

نکلے میرے جرم میرے علم سے باہر بہت
دم بخود ہوں روزِ محشر فردِ عصیاں دیکھکر

نجد سے آکر غبارِ قیس لیتا ہے قدم
ہم وہ ہیں بیٹھے ہیں جو کتنے بیاباں دیکھکر

ہر طرف سے شور اٹھا خون دو عالم ہی معاف
حشر کے دن میرے قاتل کو پشیماں دیکھکر

صبح پیری آنکھ اپنی جب کھلی تو یوں کھلی
جیسے کوئی چونک اُٹھے خواب پریشاں دیکھکر

ہوش میں ہوں۔ تو بھی آتے جاتے ای فصلِ جنون
دور سے کھنچتا ہی دل دیوار زنداں دیکھکر

مجکو کیا حسنِ مہ تو لاکھ ہو عالم فریب
کون دیکھے ان حسینوں کا گریباں دیکھکر

چشمِ حسرت دیدۂ عبرت تھے ذرے ہی خاک کے
رو دیے ہم عالمِ گورِ غریباں دیکھکر

دل سے بڑھکر پھول ہیں سبزہ رگِ جاں سے سوا
پاؤں رکھنا میری تربت پر مری جاں دیکھکر

سحر ہیں اعجاز ہیں سب چیدہ اشعارِ ریاض
معتقد ہم بھی ہوئے حضرت کا دیواں دیکھکر

نظر ہے حضرت واعظ کی خلد و کوثر پر
بہت ہی اونچے گئے یہ پہنچ کے منبر پر

جمے تھے پہلے سے ہم رند حوضِ کوثر پر
نگاہیں دور سے ڈالیں ہجومِ محشر پر

کہا تھا ہم سے کہ آئیں گے پہنچے غیر کے گھر
وہ کل کی بات گئی آج روزِ محشر پر

نگاہیں مستوں کی ہیں اور آنکھ ساقی کی
یہ موجیں وہ ہیں جو چھائی ہیں مے کی ساغر پر

یہ خشک آج ہوئے ہیں ذرا۔ لہو رو کر
بہت ہنسیں نہ لبِ زخم دیدۂ تر پر

قفس کی ٹوٹی ہیں کچھ تیلیاں بھی اے صیاد
بہت سے پر ہیں قفس میں بہت سے باہر پر

وہ خود ہی پھوٹے گا فصاد دل کا پھوڑا ہے
یہ اُٹھ رہیگا نہ تجھ پر نہ تیرے نشتر پر

چھلکتے جام کی موجیں ہیں میرے ہونٹھ نہیں
جو اُٹھ کے ہوتی ہیں صدقے ترے لب تر پر

کسی کا ہاتھ یہ بہکا بُرا ہو واعظ
وہ سمجھے آرہی مسجد کی چھت مرے سر پر

اِس انتظار میں اس شوق میں وہ آئیں گے
کِھلے جو پھول وہ مرجھا چلے ہیں بستر پر

اُٹھیں گے ہم نہ جنازہ ہمارا اُٹھے گا
ہماری خاک ہمیں لائی ہے ترے در پر

چھپا ہی آج تو کیا۔ کل کھُلے گا قتل کا حال
یہ بات آئے گی اک دن زبانِ خنجر پر

یہ سمجھے رند کہ ہی اس کو توڑنے کا خیال
کہ بعد توبہ نگاہیں مری تھیں ساغر پر

شکستہ جام گلی واعظو بہت ہی مجھے
نہ تم ہنسو مرے پھوٹے ہوئے مقدر پر

شریک میری صُراحی کے قہقہے بھی ہوئے
بڑھا یہ شور بھی ہنگامہائے محشر پر

مرا خیال رہے تجھکو اے گراں جانی
بہت ہی ناز ہی قاتل کو اپنے خنجر پر

نصیب سنگِ لحد کو ہوئی نہ نقشِ قدم
اُتر گئے مرے دل میں پڑے جو پتھّر پر

وہ تابشِ درِ دنداں وہ جنبشِ لبِ تر
رواں ہے کشتیِ مے کیسی آبِ گوہر پر

وبا نہ قلقلِ مینا سے سخت دل واعظ
اثر نہ ڈال سکے میرے شیشے پتھر پر

اُڑا کے لے گئے گلشن میں خانۂ صیّاد
یہ ہم نے رہ کے قفس میں نکالے کیونکر پر

بڑھی ہماری سیہ اختری کی یہ تاثیر
سیاہی شبِ غم چھا گئی ہے اختر پر

میں ہوں وہ بندۂ آزاد ناز مجکو ہے
خدائے برتر و آقائے[1] بندہ پرور پر

ریاض ہائے رے تیرا وہ خواب کا انداز
سُبو تو ہے تہِ سر دستِ شوق ساغر پر

ع۱۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

اُن کے ہوتے کون دیکھے دیدہ و دل کا بگاڑ
پڑ گیا دونوں میں فرطِ رشک سے کیسا بگاڑ

اس کی محفل کا مرقع کھینچ اے مانی مگر
اس مرقع میں ذرا تو غیر کا چہرا بگاڑ

تیرے جھکنے سے جھکے ہیں دل کے لینے کو حسیں
کم لگا کر دام اے ظالم نہ تو سودا بگاڑ

دختِ رز کو شکل تیری دیکھکر نفرت نہ ہو
تلخیِ مے سے ارے زاہد نہ منہ اپنا بگاڑ

ہاں وہی پھر کعبہ بن جائے گا اے شیخ حرم
بتکدے کا پہلے نقشہ کھینچ پھر نقشا بگاڑ

ہو تعلق گلرخوں سے تو مزا ہر بات میں
کیا بناوٹ کیا کھنچاوٹ کیا لگاوٹ کیا بگاڑ

میرے حالِ زار پر آجائے تجکو آپ رحم
او بنانے والے میرے مجکو تو اتنا بگاڑ

کوئی ہوں - کافر ہوں یا اللہ والے اے ریاض
چار دن کی زندگانی میں کسی سے کیا بگاڑ

میرے بیاں پہ آج ہے طرزِ بیاں کو ناز
میری زباں پہ آج ہے اُردو زباں کو ناز

بیداریوں پہ اپنی ترے پاسباں کو ناز
سوتے نصیب پر مرے خوابِ گراں کو ناز

گرتے ہیں ٹوٹ ٹوٹ کے خود صید تیر پہ
مژگاں پہ اپنی ہے مری ابرو کماں کو ناز

دونوں سے رات دن ہے تعلق کہیں ہوں
مجھ پر قفس کو ناز مرے آشیاں کو ناز

تم نے ملائے خاک میں لاکھوں تو کچھ نہیں
مجھ کو ملا کے خاک میں ہے آسماں کو ناز

اُس سنگِ در کو بار ہا سجدہ جبیں
رکھتے جو پاؤں غیر تو اس آستاں کو ناز

بو زلف کی ہے رنگ ہی اس میں شباب کا
ایسی پری کھینچی کہ ہے پیرِ مغاں کو ناز

اٹھا دھواں جگر سے مگر اُف کبھی نہ کی
ہم دل جلوں پہ آج ہے سوزِ نہاں کو ناز

سو بار امتحان نگہِ ناز لے چکی
مجھ پر رؔیاض ہے نگہِ امتحاں کو ناز

کوئی ان دونوں سے بچ جائے نشیمن یا قفس — بجلیاں ہی بجلیاں ہیں آشیاں سے تا قفس
دم مرا گھٹتا ہے مل جاتی ذرا تازہ ہوا — کوئی لے جاتا سوئے گلشن سوئے صحرا قفس
چھوٹ کر بھی ٹوٹ کر آتا ہوں بجلی کی طرح — دور سے میں نے کھلا دیکھا جہاں اپنا قفس
سو بہاریں آچکیں لیکن نہ یہ بد لا گیا — میرے دل سے بھی سوا ٹوٹا ہوا میرا قفس
کونپلیں پھوٹیں بہار آئے کھلیں گُل مجکو کیا — میں ہوں بے بال و پری ہے اور ہی میرا قفس
تول کر پر رہ گیا میں آج اے بادِ بہار — سیر ہوتی سوئے گلشن لے کے اُڑ جاتا قفس
مجکو اے صیّاد وہ راحت ملی ہے میں تو کیا — جھانکنے کو بھی نہ آئے گا مرا سایا قفس
شاخِ گل شاخِ قفس شاخِ نشیمن ایک ہے — مردہ دل کو کیا گلستاں کیا نشیمن کیا قفس
بولتا ہی طوطی مینا ہے مے قلقل نہیں — موجِ مے طوطی ہے گویا اور ہی مینا قفس

صدقے ہونیکو ریاض آئی گلستاں کی بہار
اس طرح صیاد نے پھولوں سے کچھ چھپایا قفس

ہے بُری شئے کاتبِ اعمال انساں کی ہوس — لے چلا میں بھی تمہارے ساتھ عصیاں کی ہوس
دامن الجھائیگی میرا میرے داماں کی ہوس — اے جنوں چنوائے گی تنکے بیاباں کی ہوس
سر سے پانی ایک دن ہو جائیگا اونچا ضرور — مجکو لے ڈوبے گی اک چاہِ زنخداں کی ہوس
میں فدا ہو گیسوؤں والے ستائے گی تجھے — مجھ پریشاں کی تمنّا مجھ پریشاں کی ہوس
ٹوٹ کر دل میں ہے یا ڈوب کر دل میں ہے — اک ذرا سے دل کو ہی چھوٹے سے پیکاں کی ہوس

پڑتے ہیں اس راہ میں میدان محشر سیکڑوں — لے چلی ہے اب تو ہم کو کوئی جاناں کی ہوس

صدقے دستِ ناز کے ارمان پورا ہو گیا — ساتھ ہی نکلی گریباں کے گریباں کی ہوس

قبر میں بھی حشر میں بھی ہو گی میرے دل میں کیا — ساتھ جاتی ہی نہیں جاتی ہے انساں کی ہوس

آنے والے حشر کا ہنس ہنس کے وہ لیتے ہیں نام — اچھی نکلی سچے سچے قول و پیماں کی ہوس

شوق ہے دامن سے نکلے دامن دل میں ہے — اے جنوں اب ہے یہ میرے خارِ داماں کی ہوس

کچھ سیہ کاری کی حد بھی ہے بہ ایں ریش سفید
اے ریاض اس عمر میں ہے تم کو عصیاں کی ہوس

تو بھی صیاد نہیں مرغِ گرفتار کے پاس — اور رکھا ہے قفس باغ کی دیوار کے پاس

غیر بھی انجمنِ ناز میں ہے یار کے پاس — باغ میں خار بھی ہے پھول بھی ہے خار کے پاس

بند آنکھیں ہیں مری حال نہیں کھلتا ہے — دور ہیں آپ کہ ہیں طالبِ دیدار کے پاس

ہے بڑی شوخ قیامت تجھے معلوم نہیں — آتی جاتی ہے ترے فتنۂ رفتار کے پاس

لے کے تم ان کو کلیجے میں عدو کے رکھنا — خارِ حسرت ہیں کئی میرے دلِ زار کے پاس

بوسہ لینے کے لئے میری لب شوق کہاں — بجلیاں کان کی ہیں آپ کے رخسار کے پاس

اُٹھ گئے کہہ کے بلالے کوئی فرہاد کو آج — بیٹھ کر رات ذرا کاٹ دی بیمار کے پاس

دیکھ لے شیخ کہن سال تو آنکھیں کھل جائیں — جام اک جم کے زمانے کا ہے میخوار کے پاس

قیس نے نجد لیا طور لیا موسیٰ نے — لی جگہ تھوڑی سی ہم نے تری دیوار کے پاس

دامنِ تر نے دیا کام کچھ لئے گرمیِ حشر — زاہدِ خشک بھی بیٹھے ہیں گنہگار کے پاس

ضعفِ پیری سے ریاض اب نہیں اٹھا جاتا — گاہے ماہے کبھی جا رہتے ہیں سرکار[1] کے پاس

۱۔ سر مہاراجہ محمود آباد اعلی اللہ مقامہ۔

جو پلائے وہ رہے یارب مے و ساغر سے خوش
خوش رہے پیر مغاں جاتے ہیں اس کے در سے خوش

سنگ خوں آلودہ کو سمجھے ہیں یہ گلشن کا پھول
توڑ کر سر تیرے دیوانے ہیں کیا پتھر سے خوس

اس گلی کے رہنے والے بھی مزی کے لوگ ہیں
فتنۂ محشر سے خوش ہنگامۂ محشر سے خوش

یوں گلے سے کیوں لگا تا سخت جانوں کو کوئی
ہم گلے مل کر ہوی کیا کیا ترے خنجر سے خوش

خم کے خم بھر بھر کے جائیں کم نہ ہووے بوند بھر
زاہد و ہم ہیں تمہارے چشمۂ کوثر سے خوش

خون بہا بی ایک میرا ہو گیا ان کے لئے
اپنے زخم دل سے خوش ہوں اپنی چشم تر سے خوش

دل میں گھر کرتی ہے وہ کافر مژہ کافر نگہ
میں ترے پیکاں سے خوش ہوں میں ترے نشتر سے خوش

خانہ باغ غیر میں تھے یا کھلے میدان میں
وہ کہیں سے آئے ہوں آئے ہیں کچھ باہر سے خوش

میکدی میں آکے پیتے ہیں پلاتے ہیں ریاض
کہہ رہی ہے وضع ان کی ہیں یہ اپنے گھر سے خوش

نہیں مینا یہ اے شراب فروش
ہے کوئی شاہد شباب فروش

پہنچے کعبے میں ہم شراب فروش
لیکے مشکیزہ بن کے آب فروش

سمجھے ہیں خود کو کیا شباب فروش
دن جوانی کے ہیں حباب فروش

نقد دل لے کے ہیں سراپا لطف
تھی ادائے غضب عتاب فروش

سن کے یہ - بیچتا ہوں - دل کی بیاض
بولے پیشہ - کہا کتاب فروش

رات دن گرد مسجدِ جامع
میکدے سی سوا کباب فروش

کیسی مے۔ مول لونگا حج کا ثواب
ہے کہاں حاجی ثواب فروش

خوب ہیں شاہدان بازاری
ہم سیہ کار و حضاب فروش

آگ لیں بادہ کش شراب کے مول
ہو جہنم اگر عذاب فروش

زال دنیا ہو یا ہو دختر رز
بنتی ہے نوجوان شباب فروش

صرف دولت عبث ہی بہرِ خطاب
جب حکومت نہیں خطاب فروش

غیر کے پاس میرے خط کا جواب
مل گیا قاصد جواب فروش

مول لوں بے قرار دل کے لئے
برق ہو کاش اضطراب فروش

بیل انگور کی ہے کاہکشاں
تارے توڑینگے آفتاب فروش

حشر میں دونگا ایک کے دس دس
دے مجھے قرض اے شراب فروش

کام کی چیز ہے ملے تو ریاض
نوجوان دختِ رز شباب فروش

میرے دل کو ہے غمِ یار کی حرص — مجھ سے بڑھکر مرے غمخوار کی حرص

حرص زر سے نہیں خالی کوئی — وہ جو مل جائیں تو ہے چار کی حرص

حرص پیری میں سیہ کاری کی — ہائے مجھ پیر سیہ کار کی حرص

جب کبھی پی تو پلا کر ہم نے — اور بدنام ہے میخوار کی حرص

دل میں ہر دم اسے بڑھتے دیکھا — ہائے ری لذت آزار کی حرص

کچھ عجب چیز ہیں دیوانۂ زلف — رکھتے ہیں طول شب تار کی حرص

خون پینے سے نہیں پھیرتی منہ — اُف ری ظالم تری تلوار کی حرص

پھر گیا خنجر خونخوار کا منھ — مٹ گئی خنجر خونخوار کی حرص

ابھی معشوق سے ہے ربط ریاضؔ
ابھی پیری میں ہے کچھ پیار کی حرص

رات فرقت کی بنے زلف رسا کو کیا غرض
وصل کی شب تل بنے تل کی بلا کو کیا غرض

غیر کے کوچے میں جانا آپ کا وہ کیوں چھپاے
خاک آنکھوں میں وہ ڈالے نقش پا کو کیا غرض

کام تو اس کا ہے گل کرنا چراغ گور کا
پھول لائے قبر پر باد صبا کو کیا غرض

جو ادا پر مر رہے ہیں شوق سے مرتے رہیں
جا ئے بن بن کر قضا اُن کی ادا کو کیا غرض

میرے لب تک ضعف میں آجائے تو احساں ہے
کیوں اُٹھائے آسماں سر پر دعا کو کیا غرض

شوق سے جائیں عدو کی محفل ماتم میں وہ
پاؤں پڑ پڑ کر انہیں روکے حنا کو کیا غرض

شکر جور اُن کی زباں پر ہونٹھ پر شکر ستم
شکوہ بیداد سے اہل وفا کو کیا غرض

دختر رز شب کو آجاتی ہی چھپکر میرے گھر
میکدے میں جاؤں مجھسے پارسا کو کیا غرض

کفر و ایماں سے نہیں کچھ بحث رکھتا ہی ریاض
کیوں پڑے جھگڑے میں اس مرد خدا کو کیا غرض

وہ ہنس کے کہہ رہے ہیں مقامِ اثر غلط
نالوں کی دھوم اور کہاں عرش پر غلط

واعظ ترا یہ وعظ نہیں سربسر غلط
حصّہ ترے بیان کا ہے بیشتر غلط

سر پر ہمارے سایۂ دیوار یار جھوٹ
درباں کے ہوتے سجدۂ در سربسر غلط

چلتے ہیں ناز سے تو لچکتی ہے کچھ ضرور
بل لاکھ لاکھ کھاتی ہے ان کی کمر غلط

چوری سے تھا قفس کے اُڑانے کا اہتمام
صیّاد نے اڑائی ہماری خبر غلط

چُبھتی ہوئی ہے سب یہ انہیں کی زبان کی
یہ بھی ہے کوئی بات کہے نامہ بر غلط

دیکھی ہے ہم نے عمر دو روزہ میں ایک بار
شامِ شب فراق تو سچ ہے سحر غلط

دیوانہ آرہا ہے کوئی کوئے یار میں
ہنگامہائے حشر سرِ رہگزر غلط

جب سُن چکے وہ حال تو یہ کہہ کے اُٹھ گئے
او جھوٹے۔ ہی بیان ترا کس قدر غلط

تجھ میں پڑی رہی گی مری جان رات دن
تیرا قدم پڑے نہ کہیں نامہ بر غلط

کیوں کہہ گئی صبا کہ کٹے گی تری زباں
سوسن تری زبان کی ٹھہری اگر غلط

بنتے ہیں کچھ ریاضؔ بھی اس فن کے مدعی
اشعار ان کے خوب ہیں دعوے مگر غلط

کافر بتوں کے نام ہوں کیونکر تمام حفظ
اتنے خدا کہ ہو نہ سکیں جن کے نام حفظ

مطلب نہ خبط ہو کوئی فقرہ نہ چھوٹ جائے
قاصد نے حرف حرف کیا سب پیام حفظ

رونا مرا ہو اور بھی باعث ثواب کا
پڑھتا ہوں سوز میں نے کیے ہیں سلام حفظ

دوزخ کا ڈر نہیں ہے تو پتھر کی آگ کیا
کافر بتو ہمیں ہے خدا کا کلام حفظ

پیتے ہی یاد آ گئے بھولے ہوئے سبق
پوچھو کسی مقام سے ہے ہر مقام حفظ

میخانے میں نماز جو کی تو نے جلد ختم
سورہ بڑا نہ تھا کوئی تجھکو امام حفظ

تجھکو قفس میں تیری سناؤں گا گفتگو
صیاد باتیں کی ہیں تری زیر دام حفظ

کس کو نہیں ہے قدر ہمارے کلام کی
لوگوں کو ہے ریاضؔ ہمارا کلام حفظ

وہ لوٹنے کو بیٹھے ہیں تیری بہار شمع
بڑھ کر نہ گل بنے کہیں پھولوں کا ہار شمع

جلوے سے تیرے بزم میں روشن ہزار شمع
قربان شمع چاند سے رخ پر نثار شمع

میری لحد پر آکے مکدر ہوئی ہے تو
پروانے پر نکال نہ دل کا غبار شمع

بے بات یونہی کاٹی گئی بزم میں زبان
بے اعتبار شمع ہے بے اعتبار شمع

موج رواں سے پھیلی ہے بجلی کی روشنی
روشن ہے میکدے میں کوئی سو ہزار شمع

اللہ جل رہی ہے یہ کیسی بجھی ہوئی
میرے مزار پر ہے مری سوگوار شمع

اُس انجمن کی آگ ہے دل میں لگی ہوئی
پروانے سے سوا ہو جہاں بیقرار شمع

خلوت میں اُٹھ کے تو بھی گئی تھی عدو کے ساتھ
کب سے مچی ہے بزم میں تیری پکار شمع

کچھ کم نہیں کسی سے ترا حسن دلفروز
پُرپیچ موج دود سے گیسو سنوار شمع

رُخ پر ہوا سے آتی رہی بار بار زلف
گل انجمن میں آج ہوئی بار بار شمع

ہم بھی گئے تھے آج مزارِ ریاضؔ پر
پژمردہ چند پھول تھے اِک اشکبار شمع

نیا دل ہے نئی اُلفت نیا داغ — سزا دل کی دکھائے جو مرا داغ

بہار آئی ہے اے بلبل ملیں گے — چمن کو پھول دل کو خوشنما داغ

بُرے ہم۔ داغ پایا دل کے بدلے — تم اچھے۔ لے لیا دل دیدیا داغ

وہ دل کے مدعی یہ کون دل کا — بُری ہو گی اگر ابھرا ذرا داغ

مُبارک آرسی کو چاند سی شکل — مبارک میرے دل کو چاند سا داغ

ارے ظالم مرا خون گشتہ دل ہے — لگایا تونے دامن میں بُرا داغ

پھلے پھولے ہوئے سو باغ صدقے — ارے مجکو بہت پھولا پھلا داغ

ہمارے زخم تو ہنستے تھے ہم پر — بنے اب خندۂ دنداں نما داغ

جو چمکا آفتاب حشر بن کر — ابھی تو میرے دامن میں یہ تھا داغ

ملی[ا] مٹی میں اور اک چاند سی شکل — بڑا پہلے سے بھی یہ دوسرا داغ

یہ کس کی موت مجھ سے کہہ رہی ہے — نہ دے ایسا کسی کو بھی خدا داغ

بظاہر کچھ نہیں واقع میں یہ ہے — مٹے ہم مٹ گیا دل مٹ گیا داغ

ہمارے داغ سے ہے قبر روشن — چراغ گور سے اچھا رہا داغ

انہیں غم نے اُنہیں کھایا اجل نے — ریاض اب ہیں نہ اب ہیں میرزا داغ

ا ۔ واقعات ۔

سرکار حسن سے یہ ہوئی ہے سزائے زلف — چوٹی نے کس دیئے ہیں بُری دست و پائے زلف
مشاطہ سر چڑھی ہے کوئی کیا بلائیں لے — موتی پرو کے بن گئی وہ تو خدائے زلف
دیکھے تو کوئی گیسوؤں والوں کی شوخیاں — اب میرے دل کا نام ہے نا آشنائے زلف
ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے اُس کے شکن بھی جائے — اس طرح آستیں نہ ہم پر چڑھائے زلف
اس لاگ کا لگاؤ کا باعث نگاہ ہے — دل کی نہ کچھ خطا ہے نہ کچھ ہی خطائے زلف
دل کو ہے پیچ و تاب کہ یہ چاہتی ہے کیا — کچھ زلف ہی کھلے تو کھلے مدعائے زلف
گیسو سنوارنے کی ادا کہہ رہی ہے کچھ — دشمن کے گھر کی بات کہاں تک بنائے زلف
طوق گلو کی یاد نہ ہم کو کبھی ستائے — زندان سے ہم جب آئیں گلے سے لگائے زلف

اک تم نہیں کہ زلف کو ہو ناز اے ریاضؔ
دیوانے سو ہزار ہیں تم سے فدائے زلف

روٹھے ہوئے کہ اپنے ذرا اب منائے زلف — پیارا ہے دل تو ناز بھی دل کے اٹھائے زلف
درگزرے دل کی یاد سے ہم جان تو بچی — پیچھے پڑی ہے جان کے اب کیوں بلائے زلف
وہ کیوں بتائے ہم کو دل گم شدہ کا حال — پوچھیں جناب خضرؑ تو رستہ بتائے زلف
بکھرائے بال دیکھ لیا کس کو بام پر — ہر وقت ہائے زلف ہی ہر لحظہ ہائے زلف
کس طرح ان حسینوں کے بھرتی رہی ہے کان — پہنچے نہ تیرے کان میں اے دل صدائے زلف

بل کھا کے دوش ناز سے گرنا اِدھر اُدھر ۔۔۔ وہ زلف اور ہائے وہ کافر ادائے زلف
لیکر بلائیں خود وہ کشاکش میں پڑ گیا ۔۔۔ دل زلف کو ستائے نہ دل کو ستائے زلف
پھندے میں اس کے طائر دل آرہیگا آپ ۔۔۔ مرغ نظر کو دام میں پہلے پھنسائے زلف
پینگائے اور یہ جو جنوں رہنمائے دل ۔۔۔ صد سالہ زاہدوں کو تو برسوں جھلائے زلف
آشفتگان زلف کا برہم ہے کیوں مزاج ۔۔۔ کہتا ہے کون کوئی نہ ہو مبتلائے زلف
سائے سے اس کے بھاگتے ہیں لوگ دور دور ۔۔۔ بگڑی ہوئی ہے آج کل ایسی ہوائے زلف

تم نام اُن کی زلف کو رکھتے ہو کیوں ریاضؔ
سُن لے تو ایک ایک کی سو سو سنائے زلف

حشر میں بات کیا تھی وہ جس نے کیا عرق عرق
وہ بھی ہوئے عرق عرق میں بھی ہوا عرق عرق

رنگِ شراب سے بھی سُرخ رنگِ شباب سے بھی سُرخ
دیکھ کے رنگِ خونِ ما ہو گئی حنا عرق عرق

یار کا چہرۂ عتاب آج بنا ہے آفتاب
حشر میں ڈر سے ہے جنابِ خلقِ خدا عرق عرق

کیسی بھنسی قفس میں آج جاں گھٹی قفس میں آج
آ کے ہوئی قفس میں آج بادِ صبا عرق عرق

حال ہے کیا دمِ وصال شکل ہوئی ہے کیوں نڈھال
قطرہ فشاں ہے بال بال زلفِ رسا عرق عرق

بس توبہ اے جناب دیکھ کے مے سے اجتناب
شیشہ ہوا جو آب آب جام ہوا عرق عرق

داورِ حشر عفو کر اُن کی جفا سے درگزر
تیرے کرم سے ہوں نہ آج اہلِ وفا عرق عرق

پی کے ہوئی تھی بے حجاب تو نے پی کہاں شراب
تم تھے سحر کو آب آب غیر بھی تھا عرق عرق

اور ہوا میں تھے یہ کل حشر میں کیا ہوا وہ بل
آج ہیں کاتبِ عمل مجھ سے سوا عرق عرق

اہلِ حرم کو ہو نہ عار آج تو زمزمی ہیں یار
بادۂ ناب و خوشگوار کہہ کے بھرا عرق عرق

دیکھ کے شیشۂ شراب آئی نہ محتسب کو تاب
اُس نے کہا شرابِ ناب میں نے کہا عرق عرق

توبہ نہیں ہے اب عذاب مانگیں ریاضؔ اگر شراب
کہہ دو نہیں ہے اے جناب ہوں تو ذرا عرق عرق

دل لگانے کے ہیں ہزار طریق
جان جانے کے ہیں ہزار طریق

کبھی منہدی تو ہے عتاب کبھی
رنگ لانے کے ہیں ہزار طریق

بات کیا چاہیے بگڑنے کو — روٹھ جانے کے ہیں ہزار طریق
غیر کے ہونے پر نہیں موقوف — منہ بنانے کے ہیں ہزار طریق
روٹھیں سو بار کچھ نہیں پروا — کہ منانے کے ہیں ہزار طریق
غیر کے گھر کی سینکڑوں راہیں — ان کے جانے کے ہیں ہزار طریق
کہتے ہیں وہ مرے جواب میں شعر — منہ چڑھانے کے ہیں ہزار طریق
کھلے رستے ہیں زلف کے اے دل — چلے آنے کے ہیں ہزار طریق
کہہ رہی ہیں ادائیں ساقی کی — مے پلانے کے ہیں ہزار طریق

کہہ رہا ہے یہ دست شوق ریاضؔ
گدگدانے کے ہیں ہزار طریق

تھکا لے اور دورِ آسماں تک — پھر آخر گردشِ قسمت کہاں تک
بڑی اس دل کی بیتابی یہاں تک — ہمیں ہم ہیں زمیں سے آسماں تک
دمِ وعدہ اُنہیں ہے بار ہاں تک — زباں تھک جائے جو آئے زباں تک
مجھے پینا پڑے آخر وہ آنسو — جو بھر جاتے زمیں سے آسماں تک
کوئی سو بار اُڑے سو بار بیٹھے — قفس سے یوں ہم آئے آشیاں تک
گلہ بھی تھا کسی کا راز کوئی — کہ آ کر رہ گیا میری زباں تک
سلامت ہیں اگر میرے پر و بال — قفس جائے گا اُڑ کر آشیاں تک
مری بیداریاں بیکار کیوں جائیں — اُنہیں پہنچا دو چشمِ پاسباں تک
کچھ اس نے اس طرح کاٹی مری بات — کہ ٹکڑے ہو گئی میری زباں تک
جنوں سے ہم نہ کوتاہی کریں گے — ہمارا ہاتھ پہنچے گا جہاں تک
خدایا میرے سجدے دور ہی سے — پہنچ جائیں کسی کے آستاں تک
سہارا کچھ تو درماندوں کو ہوتا — پہنچ جاتے جو گردِ کارواں تک
مری فریاد سُن کر چپ رہیں گے — اسے پہنچائیں گے وہ آسماں تک
مجھی پر چھوڑ دو میری مئے تلخ — مزا۔ اس کا ہے کچھ میری زباں تک
کلیسا و حرم دونوں ہیں آباد — مرے ناقوس تک میری اذاں تک

کچھ ایسا ربط ہے صیاد کے ساتھ — ہمیں ہم ہیں قفس سے آشیاں تک

ہمیں ٹھکراتے جائیں جو وہاں جائیں — پہنچ جائیں یونہی ہم آستاں تک

معاصی کے سوا دو دو فرشتے — انہیں لادے پھروں یارب کہاں تک

پہنچ جاؤں جو یارب میکدے میں — مرا بابا نی بھرے پیر مغاں تک

وہ خوگر نالۂ دشمن کا ہو جائے — نہ سنتا ہو جو حرف داستاں تک

ریاضؔ آنے میں ہے ان کے ابھی دیر
چلو ہو آئیں مرگِ ناگہاں تک

نہیں چھپتا ترے عتاب کا رنگ — کہ بدلنے لگا نقاب کا رنگ

بھر گیا آنکھ میں شراب کا رنگ — ظالم اُف ری ترا شباب کا رنگ

اب تو لائے ہیں جان مضطر کے — اور ہی کچھ ہے اضطراب کا رنگ

تیرے آتے ہی ہو گئی پانی — اڑ گیا محتسب شراب کا رنگ

رنگ لائے گا دیدۂ پُر آب — دیکھنا دیدۂ پُر آب کا رنگ

داغ دامن نے بھی کیا پیدا — حشر کے روز آفتاب کا رنگ

شیخ جانا ہے تجکو جنت میں — دیکھتا جا مری شراب کا رنگ

صدقے میں اپنی پارسائی کے — کہ بڑھاپے میں ہے شباب کا رنگ

خون ہے جیسے واسطہ ہی نہیں — صاف ہے خنجر پُر آب کا رنگ

ریش واعظ سفید ہے کتنی — نہیں چڑھتا کبھی خضاب کا رنگ

رنگ کا اس کے پوچھنا کیا ہے — جس کا سایہ بھی دے گلاب کا رنگ

سچ ہے اے حضرتِ ریاض یہ بات
کہ جدا سب سے ہے جناب کا رنگ

آتے ہی چھا گیا شراب کا رنگ — پیتے ہی آ گیا شباب کا رنگ

اور ہے اور ہے نقاب کا رنگ — پھوٹ نکلا ترے شباب کا رنگ

چہرے پر آگیا عتاب کا رنگ
قہر ہے مہر اس نقاب کا رنگ

ساتھ تھا مے کے، ابرِ رحمت بھی
ہر گنہ پر چڑھا ثواب کا رنگ

قدم آئے یہ کس کے محشر میں
ہو گیا زرد آفتاب کا رنگ

برق تاب ایک ایک تارِ نقاب
ہے نرالا ترے حجاب کا رنگ

وہ مے سُرخ وہ سیہ بوتل
وہ بہار اور وہ سحاب کا رنگ

دور سے بوسہ لیں مرے لبِ شوق
ٹپکے رخ سے تری شباب کا رنگ

چھا گیا سر پر آکے ابرِ بہار
جم گیا آتے ہی شراب کا رنگ

بوسہ لیتے ہی نیند بن کے اُڑا
دیکھنا میرے مستِ خواب کا رنگ

اُترا اُترا وہ بام پر چہرہ
پھیکا پھیکا وہ ماہتاب کا رنگ

پہلے مُو سے بھگو لی ریشِ سفید
دیکھ اے شیخ پھر خضاب کا رنگ

گلِ عارض نے یہ اثر ڈالا
بن کے بلبل اُڑا گلاب کا رنگ

آتشِ تر نے اور سُرخ کیا
مے سے ملنے لگا کباب کا رنگ

ہم نے ان سے کیا ہی صاف سوال
دیکھنا ہے ہمیں جواب کا رنگ

چشمِ پرخوں کا رنگ لانا کیا
کیا حباب اور کیا حباب کا رنگ

حُسن ۔ انساں کو دے کے دیکھ لیا
آتش و باد و خاک و آب کا رنگ

لیں وہ دامن میں کیا گلاب کے پھول
بارِ دامن جنھیں گلاب کا رنگ

ہائے رنگیں کی خاک بھی تو نہیں
کیا دلِ خانماں خراب کا رنگ

جان کاہے عذاب ہجر کی رات
کتنا کالا ہے اس عذاب کا رنگ

خون رُلواتے ہیں جنابِ ریاضؔ
کیا اُڑائے کوئی جناب کا رنگ

کوئی پوچھے نہ ہم سے کیا ہوا دل — ہوا کیا لٹ گیا دل مٹ گیا دل
یہ کہہ کر دے دیا مجکو مرا دل — ہمیں کوسے گا دے گا بددعا دل
مزا دے جائے گی مجکو تری آنکھ — مزا دے جائے گا تجکو مرا دل
چمن میں جو کھِلا گل میں یہ سمجھا — کہ ہے میرا یہ مرجھایا ہوا دل
اُٹھے گا لطف صحبت کا ابھی تو — نئے تم ہو نئے ہم ہیں نیا دل
کسی سے یوں دغا کرتے نہیں ہیں — ارے او بے مروت بے وفا دل
قیامت ہے تمہاری چلبلی شکل — قیامت ہے ہمارا چلبلا دل
ہمارا دل ہمارے کام کا ہے — کہاں پائیں تمہارے کام کا دل
بہت ہی جم کو اپنے جام پر ناز — ذرا لانا مرا ٹوٹا ہوا دل
کسی کا زور پھر چلتا نہیں ہے — کسی سے جب کسی کا مل گیا دل
اسے کس منہ سے کہتے ہو بُرا تم — تمہیں کس دل سے دیتا ہے دعا دل
گیا وہ داغ لے کر داغ دے کر — نشانی دے گیا دل لے گیا دل
حسیں اس کو بُرا سمجھے بچی جال — بُرا بن کر بہت اچھا رہا دل
کہیں کیا کس نے لوٹا کس کو لوٹا — لٹے ہم تم لٹا جوبن لٹا دل
وہی اچھا تھا اس چھاتی کی سل سے — بدل دیتا کسی بُت سے خدا دل

تمہاری راہ میں وہ بھی پڑا ہے — ذرا دیکھے ہوئے ٹوٹا ہوا دل

کوئی اب مفت بھی خواہاں نہیں ہے
ریاضؔ ایسا گیا گزرا ہوا دل

قیامت شوخ آفت چلبلا دل — مرا دل اور پھر کیسا مرا دل
ترے گیسو سے ہی اُلجھا ہوا دل — بہت اب حد سے اپنی بڑھ گیا دل
تمہارے ہاتھ کا تِل بن گیا دل — تمہیں دھوکا نہ دے بہروپیا دل
خدا کو جان سونپی دل بتوں کو — ہمارے پاس کیا تھا جان یا دل
مجھے دیکھا تو بولے بزم میں وہ — نئے آئے ہیں لے کر یہ نیا دل
ترے گیسو سے یہ بل کر رہا ہے — کچھ اب او زلفوں والی بڑھ چلا دل
ہماری جان پر بن بن گئی ہے — نہ دے دشمن کو بھی ایسا خدا دل
نہ رنگ آئے تو اس کی کیا خطا ہے — حنا کے ساتھ کیوں سانا گیا دل
منائے کون کس کو کون سمجھائے — اِدھر معشوق اُدھر بگڑا ہوا دل
اُبھر کر داغ لایا ہے نیا رنگ — برابر دل کے ہی اک دوسرا دل
مرے حق میں یہ پتھر کا بنا تھا — خداوندا بتوں سے مِل گیا دل
حسینوں کو سمجھتا ہی نہیں کچھ — بہت بنتا ہی خود بیں خود نما دل
ملیں گے حشر میں دل لینے والے — مِلے گا حشر میں بچھڑا ہوا دل
رہے گا یاد دل کا دل سے مِلنا — مِلی دنیا، مِلے ہم تم، مِلا دل
بہار آئی کہ آئی وصل کی شام — کِھلے غنچے کِھلی کلیاں کِھلا دل
وہ ناوک کو نگاہِ ناز سمجھا — اِسی دھوکے میں تو مارا پڑا دل

بہت ہی لطف سے اُن سے ملی آنکھ — بہت ہی لطف سے اُن سے ملا دل

دلِ مرحوم آتا ہے بہت یاد
ریاضؔ ایسا کہاں اب چلبلا دل

چھیڑتے ہیں گُدگُداتے ہیں پھر ارماں آج کل — جھوٹے سچے کوئی کر لے عہد و پیماں آجکل
گھونٹ دی میرا گلا کچھ زور اگر اس کا چلے — ہاتھ سے میرے ہی تنگ اتنا گریباں آجکل
چڑھ گئے دیوارِ زنداں پر کبھی اُترے کبھی — ہم بنے ہیں سایۂ دیوارِ زنداں آجکل
روز راتوں کو سُنا کرتا ہوں یہ آوازِ قیس — پھاڑے کھاتا ہے مجھے خالی بیاباں آجکل
اے عروسِ تیغ کچھ تجکو حیا بھی چاہیے — کیوں گلے پڑتی ہے تو ہو ہو کے عریاں آجکل
سنگِ دل کافر کا شاید ٹوٹتے دیکھا ہے کفر — ٹوٹ کر ملتے ہیں مجھسے اس کے دربان آجکل
آگیا ایسا ہی اب کافر زمانہ کیا کریں — دابے پھرتے ہیں بغل میں لوگ ایماں آجکل
رات دن ہے میری تربت پر حسینوں کا ہجوم — دیکھنے کی چیز ہے گورِ غریباں آجکل

دن کو روزہ عید شب کو ہے عجب شغل ریاضؔ
رات بھر پیتا ہے یہ مردِ مسلماں آجکل

آفت ہماری جان کو ہے بیقرار دل — یہ حال ہے کہ سینے میں جیسے ہزار دل
لے اے نگاہِ شوخ یہ ہے بیقرار دل — سینے سے میرے لیکے چلی تو ہزار دل
داغوں کا باغ کوئی ہے یہ داغدار دل — پھولوں کی اپنے لوٹ رہا ہے بہار دل
ہٹتا نہیں ہے آنکھ سے میری کسی طرح — پُتلی بنا ہوا ہے شبِ انتظار دل
یہ جان کر کہ دل ہے کوئی کھیلنے کی چیز — کس پیار سے وہ مانگتے ہیں بار بار دل
ظالم بتوں کے جور اُٹھانے کے واسطے — دیتا نہیں ہے کوئی ہمیں مستعار دل

اے حسنِ یار تیری وہ الفت نہیں رہی | اب آرزوئے یار کو کرتا ہے پیار دل
بیٹھے رہو درازیٔ مژگاں لیے ہوئے | بے ناوک نگاہ نہ ہوگا شکار دل
دونوں ہیں ایک دوسرے کے درد کی شریک | میں دل کا غمگسار مرا غمگسار دل
دل سے بھری بھری ہے تری چشم سرمگیں | رکھتا نہیں کسی سے ذرا بھی غبار دل
وہ دن گئے گئیں غمِ الفت کی لذتیں | اب تو ہے مبتلائے غمِ روزگار دل
اللہ رے داغہائے جنوں کی شگفتگی | بن کر رہا حسینوں میں پھولوں کا ہار دل
اتنا تو ہو۔ کہ آنکھ میں معشوق دیں جگہ | پیدا کرے نگاہ میں کچھ اعتبار دل
بدخو بھی، بدمزاج بھی شیدائے حسن بھی | اچھا مجھے دیا مرے پروردگار دل

اس خوف سے ریاض گئے ہم نہ سوئے طور
بجلی سے لڑ نہ جائے کہیں بے قرار دل

جو تھے ہاتھ مہندی لگانے کے قابل | ہوئے آج خنجر اٹھانے کے قابل
عنادل بھی کلیاں بھی گل بھی صبا بھی | یہ صحبت ہی ہنسنے ہنسانے کے قابل
حنا بن کے میں چوم لوں دستِ نازک | ترے ہاتھ ہیں رنگ لانے کے قابل
جوانی کا اب رنگ کچھ آچلا ہے | وہ اب ہو چلی ہیں ستانے کے قابل
مجھے دیکھ کر دختِ رز تن رہی ہے | یہ کھنچ کر ہوئی ہے اڑانے کے قابل
قیامت میں دیکھیں گے کیونکر انہیں ہم | نہیں شرم سے آنکھ اٹھانے کے قابل
بنا میں نہ اب اس کو اب شمعِ محفل | جلا دل نہیں ہے جلانے کے قابل
چمن میں اڑا اُن کو اے بادِ صرصر | مرے ٹوٹے پر ہیں اڑانے کے قابل
بنے شعلے بجلی کے قسمت سے میری | جو تنکے تھے کچھ آشیانے کے قابل

بڑھاپے میں ثابت ہوئی وزدے ہم   نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل

یہ کہتی ہے حضرت کی ریش حنائی
ریاض اب بھی ہیں رنگ لانے کے قابل

ہوئے ہیں وہ مہندی لگانے کے قابل   ہوئے ہیں وہ اب رنگ لانے کے قابل
کن آنکھوں سے دشمن کو تم رو رہے ہو   یہ آنکھیں ہیں آنسو بہانے کے قابل
یہ کلیاں صبا ہیں ترے چھیڑنے کو   حسیں ہیں مرے گدگدانے کے قابل
جو خلوت میں مل جائے میں بھی نہ چھوڑوں   پری شیشے کی ہے اُڑانے کے قابل
بُرا ہو ترا تو نے اے شوق عصیاں   نہ رکھا ہمیں منہ دکھانے کے قابل
یہ اُفتادہ دل ہے جنازہ عدو کا   نہ چھونا نہیں یہ اُٹھانے کے قابل
سُنے میں نے حالات فرہاد و مجنوں   یہ ٹکڑے ہیں میرے فسانے کے قابل
زمانہ بناوے جنہیں اب وہی ہیں   زمانے کے لائق زمانے کے قابل
وہ یونہی جھکی پڑتی ہے بار گل سے   نہیں شاخ گل آشیانے کے قابل
دیا تیری رحمت نے سجدے کا موقع   نہ تھا سر ترے آستانے کے قابل
بڑی ہی مصیبت سے تنکے چُنے تھے   نہ ٹھہرے ہمیں آشیانے کے قابل

ریاض آسماں کے ستائے ہوئے ہیں
نہیں اے بتو یہ ستانے کے قابل

شگفتہ پھول حسینوں کے ہار کے قابل   جو خشک ہوں تو ہمارے مزار کے قابل
ہزاروں داغ دل داغدار کے قابل   ہزاروں چاند سی شکلیں ہیں پیار کے قابل
یہ سُرخ سُرخ سی شئے اک سیاہ بوتل کی   بغیر ابر بھی ہے سبزہ زار کے قابل

مآلِ حشر میں کچھ ہو مرے گناہوں کا — مجھے ہے ناز کہ نکلے شمار کے قابل

جو دل میں داغ نہ ہوتی تو پیش ہم کرتے — یہ ایک لاکھ میں تھا نذرِ یار کے قابل

ہزاروں گورِ غریباں کہاں کہاں سے چنوں — ہزاروں ذرّے ہیں میرے مزار کے قابل

عبث ہی رشک جوانوں کو میری پیری پہ — ملے خزاں کو جو دن تھے بہار کے قابل

مرے گناہ مرے اعتبار کے دشمن — سفید ریش مری اعتبار کے قابل

خدا ہی جانے، مرا راز مٹ کے میں کیا ہوں — جو کچھ زباں سے نکالوں تو دار کے قابل

وہ بن کے آنکھ کی پتلی رہے، کرم اُن کا — یہ چشمِ کور نہ تھی انتظار کے قابل

مزے کی چیز اُتاری خدا نے دنیا میں — شرابِ تلخ ہے مجھ میگسار کے قابل

فلک کی تاروں بھری کہکشاں بُری کیا ہے — یہ چادر اچھی ہے میرے مزار کے قابل

بڑے مزے سے گزرتی جو کوئی مل جاتا — حسین شوخ دلِ بے قرار کے قابل

دباتی گور نہ کچھ زور آسماں چلتا — زمینِ شعر نہ نکلی مزار کے قابل

ریاضؔ کوئی نہ اُن کی بہار دیکھ سکا
یہ داغِ دل تھے کسی لالہ زار کے قابل

پھول شبنم سے بنے مے کی پیالے بلبل — اوس سے اپنی لگی آج بجھالے بلبل

چمنِ حسن کے ہیں سب سے نرالے بلبل — دیکھ کر بول گئے زلفوں کو کالے بلبل

آشیانے سے نکل کر نہ ہوا باغ کی کھا — کہیں تجھ کو نہ ہوا باغ کی کھالے بلبل

سب مجھے زہر کی ہیں، ایک سے ہی ایک بڑھا — اُن کے ناوک، مری آہیں، تری نالے بلبل

نخلِ گُل سینچنے کو یوں نہ بہا خوں اپنا — پہلے منقار سے تو کھود لی تھالے بلبل

آشیانوں میں ہے کیوں نہ شراروں کا ہجوم — بجلیوں نے بھی پر و بال نکالے بلبل

ایسے نازک ہیں کہ وہ جب ہوئی سرگرم فغاں / بولے پڑجائیں زباں میں تری چھالے بلبل

باغباں رعب یہ گلشن میں جما ہے تیرا / پنکھڑی کیا کوئی تنکا تو اُٹھا لے بلبل

مجکو صیاد نے، صرصر نے نشیمن کو لیا / آسماں ٹوٹ پڑا پھٹ پڑے ڈالے بلبل

تیری منقار سے یہ پھول تو اُٹھنے کے نہیں / کیوں لُنڈھا جاتی ہے تو مے کے پیالے بلبل

باغباں تو نہیں صیاد کہ سُن لے اُس کی / اب قفس میں تو ذرا چونچ سنبھالے بلبل

گل نشیمن کے لئے دامن گلچیں میں کہاں / میری تربت سے کوئی پھول اُٹھا لے بلبل

اے صبا چاک بھی ہے پاک بھی ہے دامن گُل / اب بھی مُنہ سے نہ کوئی بات نکالے بلبل

مُنہ بندھی کلیوں کے جوبن کا یہ کہتا ہے اُبھار / اپنے سینے سے نہیں کوئی لگالے بلبل

کہیں یہ بھی نہ نکل جائے سہارا پاکر / نالہ کرنے میں ذرا دل کو سنبھالے بلبل

ایک کانٹے کی تلی ایک ہی سانچے کی ڈھلے / کچی کلیاں ہیں کہ دل کے ترے چھالے بلبل

ایک میں بلبلِ گویا ہوں گلستاں میں ریاضؔ
اب کہاں باغ میں ہیں بولنے والے بلبل

اُن کے کوچہ میں اگر جاتے ہیں ہم
راہ چلتے دامن اُلجھاتے ہیں ہم

چُوم کر مُنہ گالیاں کھاتے ہیں ہم
اس سزا میں بھی مزا پاتے ہیں ہم

کیا ہوا کیوں ہم سے شرماتے ہو تم
کیا ہوا کیوں تم سے شرماتے ہیں ہم

جب کوئی تدبیر بن پڑتی نہیں
اپنے دل کو آپ سمجھاتے ہیں ہم

تو بتا دے تیری صورت کے نثار
تیرے صدقے کیوں ہوئے جاتے ہیں ہم

نشۂ مے سی جھکی پڑتی ہے آنکھ
کہہ رہی ہیں نیند کے ماتے ہیں ہم

کوئی جاتا ہو چھڑے پہنے کہیں
گود میں اپنی اٹھا لاتے ہیں ہم

اپنی تربت کا یہی ہو گا چراغ
داغ جو دل پر لئے جاتے ہیں ہم

اس مزے سے کچھ کلیم آگاہ ہیں
بے خودی میں جو مزے پاتے ہیں ہم

بس نہیں چلتا حسینوں سے ریاض
کچھ مزے میں ایسے آ جاتے ہیں ہم

کہنے بھی کچھ نہ پائے تھے آہِ رسا سے ہم
سُنا پڑا کہ آج لڑیں گے ہوا سے ہم

ضد آپ کو اثر سے، اثر کو دعا سی لاگ
فرمائیے تو ہاتھ اُٹھا لیں دعا سے ہم

پیسیں کسے یہ کہتے ہیں فتنے دمِ خرام
اتنی بڑے حضور قیامت قزا سے ہم

محشر میں پائی جام بکف حور زاہدو
اچھے رہے یہاں بھی تمہاری دعا سے ہم

سوتے میں کام آئی نہ کچھ چشمِ نیم باز — کھُل کھیلے آج یار کے بندِ قبا سے ہم
ہم جانتے ہیں خوب اداؤں کی شوخیاں — ہم ہیں ادا شناس ڈریں کیا قضا سے ہم
اُٹھ جائے بارِ شرم تو سو فتنے ہم اُٹھائیں — کہتی ہے وہ نگاہ دبے ہیں حیا سے ہم
حوروں کے بدلے ہوں بتِ کافر ہمیں نصیب — تم کو اگر ستائیں تو پائیں خدا سے ہم
کرتے نہ ہم وفا تو نہ بڑھتے جفا و جور — شرمندہ وہ جفا سے تو اپنی وفا سے ہم
ممکن ہے جا کے عرصۂ محشر میں سر اُٹھائیں — تیری گلی میں دب کے رہے نقشِ پا سے ہم

اُن کے لئے مرے کی سزا ہے یہی ریاضؔ
محشر میں مانگ لیں گے بتوں کو خدا سے ہم

دیکھئے جاتے ہیں کب تک گور کے دامن میں ہم — آنکھ کی پتلی رکھ آئے دیدۂ مدفن میں ہم
سایہ اس کا جنت الفردوس تھا بہرِ نگاہ — رنگ و بو اب وہ نہیں پاتے کسی گلشن میں ہم
یاد دلواتا ہی کس کی جا بجا اے جوشِ بہار — باغ کے بدلے رہیں گے آتشِ گلخن میں ہم
حسنِ صورت حسنِ سیرت کو ملا کر خاک میں — بہرِ تسکیں خاکِ تربت لائے ہیں دامن میں ہم
اپنے کیا تاثیرِ غم سے غیر بچ سکتے نہیں — درد کہتا ہے جگہ لیں گے دلِ دشمن میں ہم
زار اتنا کر دیا ہم کو غم و اندوہ نے — رشتۂ تارِ نظر ہیں دیدۂ سوزن میں ہم
وائے حسرت تربتِ پرنور میں روزن نہیں — پتلی رکھ آتے چھپا کر دیدۂ روزن میں ہم
نرم و نازک خندۂ گل سے تری آواز تھی — ڈھونڈھتے ہیں نغمہائے بلبلِ گلشن میں ہم
سایۂ خاتونِ جنت میں رہے اُن کی کنیز — جان دے کر جائیں گے اب خلد کے گلشن میں ہم
نور کا پتلا ہوا شائد کوئی واصل بحق — جلوہ کس کا دیکھتے ہیں آج اس مدفن میں ہم
نور بن کر چشمِ تربت میں رہے واہ اے ریاضؔ — داغ بن کر اب رہیں گے لالۂ گلشن میں ہم

مل جائے تو شراب کے دریا بہائیں ہم — اللہ دے اگر تو پئیں ہم پلائیں ہم
چھیڑا شبِ وصال یہ کہہ کر ستائیں ہم — بولے وہ ہنس کے بات اگر مان جائیں ہم
سجدے کریں کبھی نہ کبھی سر جھکائیں ہم — پائیں تو اِن بتوں کو گلے سے لگائیں ہم
زورِ جنوں کے جھوٹے فسانے سنائیں ہم — قلابے آسمان و زمیں کے ملائیں ہم
لائیں کہاں سے حلقۂ گیسوئے خم بہ خم — اے موج گردبار تجھے سر چڑھائیں ہم
یوں بھی ہو شغلِ مے کہ پئیں ہم پلاؤ تم — یوں بھی ہو شغلِ مے کہ پیو تم پلائیں ہم
اے طور شوخ بت بھی تو پتھر کی آگ ہیں — دیکھے ہوئے ہیں یار کی یہ سب ادائیں ہم
او سونے والے آج اسی کام کی ہے رات — لے لے کے بوسے آنکھ کے جادو جگائیں ہم
جائیں حرم میں توبہ کریں ہو کے پاک صاف — لت پت ہیں پہلے تو سرِ زمزم نہائیں ہم
پھولوں کا فرش گھر میں بچھائیں گے دل کے داغ — اے شوقِ یار راہ میں آنکھیں بچھائیں ہم
مل جائے دل انہیں تو ابھی آرسی بنائیں — مل جائے آرسی تو ابھی دل بنائیں ہم
ایک ایک کر کے آج تو چن لیں ہمارے لب — او سونے والے شوق ہے افشاں چھڑائیں ہم
اے آسمان وہ در سے اٹھاتے نہیں ہمیں — ڈر ہے انہیں زمیں نہ سر پہ اٹھائیں ہم
امڈی ہوئی یہ کالی گھٹائیں یہ رُت یہ رات — او زلفوں والے آج تو لے لیں بلائیں ہم
پھانسیں نکال دے جو ہمارے جگر کے تو — صیاد تیرے دل میں نشیمن بنائیں ہم
دیوانگانِ زلف کو ہے ایک ہی سا خبط — ہر ایک چاہتا ہے کہ زنداں کو جائیں ہم
زخمِ کہن ہی تازہ کریں ناخنِ جنوں — جب تک بہار آئے نئے گل کھلائیں ہم
رحمت سے تیری آنہ سکیں یہ شمار میں — گنوا رہے ہیں حشر میں اپنی خطائیں ہم
اٹھتا ہے ایک پاؤں تو تھمتا ہے ایک پاؤں — نقشِ قدم کی طرح کہاں گھر بنائیں ہم

محشر میں منفعل جو گئے بھی تو کیا گئے
جی چاہتا ہے شکل نہ اپنی دکھائیں ہم

پیرِ مغاں بچے نہ کوئی مغبچے بچے
اس طرح حج کے واسطے کعبے کو جائیں ہم

افلاس بھی، مرض بھی، بڑھاپا بھی، ضعف بھی
کیا جا کے اب نصیب کہیں آزمائیں ہم

دیں گے ضرور حضرت ساحر سخن کی داد
سرکار کو ریاضؔ غزل یہ سنائیں ہم

پایا جو تجھے تو کھو گئے ہم
بیدار ہوئے تو سو گئے ہم

دل میں لئے غیر کو گئے ہم
ایک آئے عدم سے دو گئے ہم

محشر میں لگی بجھانے اے شیخ
سیدھے تسنیم کو گئے ہم

سمجھے نہ وہ زخم و داغ دل ہے
لے کر نئے پھول دو گئے ہم

بھر کر دمِ نزع اک دمِ سرد
جنت کی ہوا میں سو گئے ہم

اب وحشت نور و عشق جو ہو
اس راہ میں کانٹے بو گئے ہم

کوثر کا تقاضا کر حوضِ مے پر
ہم کہہ کے گرے کہ لو گئے ہم

اللہ بچائے دختِ رز سے
یہ آئی کہ مست ہو گئے ہم

اب کشمکش حساب کیسی
کچھ حشر میں آ کے کھو گئے ہم

سو کعبۂ دین تھے جلوہ افروز
خمخانے ہیں آج جو گئے ہم

میخانے میں جب کبھی ہم آئے
ڈاڑھی رو کر بھگو گئے ہم

اس حج میں وہ بت بھی ساتھ ہوگا
یہ سچ ہے ریاضؔ تو گئے ہم

حشر میں بے خلد و کوثر کہنے والے لوگ ہیں
میکدے والے تو دنیا سے نرالے لوگ ہیں

رہبرانِ عشق کی کچھ اور ہی ہوتی ہی شان
خضر کیا الیاس کیا سب دیکھے بھالے لوگ ہیں

حشر میں رندوں کو چھیڑا ہی تو اُچھلے گی بُری
ہر طرف کیوں پگڑیاں اپنی سنبھالے لوگ ہیں

قدر اُن کی چاہیے ائے خوبرویانِ فرنگ
معرکے ہیں سرخرو ہوں یہ وہ کالے لوگ ہیں

جاں دیکر ان کے خنجر کو لگائیں گے گلے
کیسے کیسے من چلے کیسے جیالے لوگ ہیں

اُٹھ تو بیٹھے ڈر سی لیکن حشر میں آتے نہیں
اپنی اپنی تربتوں سے سر نکالے لوگ ہیں

دے کے دل جو چاہی لے لی حلقۂ آغوش میں
حُسن کے پُتلے بھی کیسے بھولے بھالے لوگ ہیں

سرگرانی ہو نہ اِن کو اے قیامت یوں اُٹھا
قبر کے آغوش میں نازوں کے پالے لوگ ہیں

دیکھ کر ہنستے ہو کیا تم صورتِ پاکِ ریاضؔ
یہ بڑے پہنچے ہوئے اللہ والے لوگ ہیں۔

جو دیکھی بات تہ کی اپنے مرشد کے پیالے میں
یہ گہرائی کہاں اچھے سی اچھے ظرف والے میں

سویدا میرے دل کا چشم نرگس میں بنے پتلی
نہ ایسا چاند میں دھبّا نہ ایسا داغ لالے میں

عدو نے کیوں کہا اپنی بات تیری کان میں ڈالی
جو پتّے ہیں نہ بالی میں نہ بجلی میں نہ بالے میں

ترے ہنسنے سی چمکیں بجلیاں کیتنی کھلیں کلیاں
مری رونے سی پانی آگیا ندّی میں نالے میں

سنبھل جاتا تو اک دنیا بدل جاتی ترے گھر کی
اثر کتنا تھا اے بیمارِ غم تیرے سنبھالے میں

چمک جائے مری قسمت بلائیں لے لوں چہری کی
یہ حلقہ گردِ رخ زلفوں کا ہے یا چاند ہالے میں

یہ چھالے پھوٹ جاتے سب اگر میں پھوٹ کر روتا
یہ کم رونے سے پانی آ گیا ہر ایک چھالے میں

وہ کیا سمجھے اِسے جاڑے میں لپٹے جب وہ سوتی کو
دبا کر دل کو پہلے رکھ دیا روئی کے گالے میں

تری محفل کے نغمے رہ گئے منہ دیکھتے میرا
بھری تھیں بجلیاں کتنی مرے ایک ایک نالے میں

کہاں یہ بات حاصل ہے تری مسجد کو اے زاہد
سحر ہوتے جو ہم نے دیکھے ہیں جھرمٹ شوالے میں

بہت دیکھی ہے ہم نے خونچکانی دل کے داغوں کی
کلیجا آ گیا منہ کو وہ دیکھا داغ لالے میں

شرابِ ناب کو دیکھا ہے شہد و شیر بن جاتے
نہاں ہیں طاقتیں کیا کیا ہر اک اللہ والے میں

ریاضؔ اس درجہ وہ نواب[1] کی بخشش پہ عاشق تھی
لپٹ کر رہ گئی تقدیر خلعت کے دوشالے میں

وہیں اِن پھول بن کر جو رہا ہے گلعذاروں میں
تُلا ہے رنگِ گُل سے آج کانٹے پر ہزاروں میں

وہیں چل کر ذرا اب جام چھلکیں میگُساروں میں
گھٹائیں ہیں کہ پریاں ناچتی ہیں سبزہ زاروں میں

ابھی کم سن ہیں کیا جانیں وہ رسمِ تعزیت کیا ہے
یہ کیا کم ہے جو ہنستے آئے میرے سوگواروں میں

فرشتوں کا بھٹکنا کیا بھلا معلوم ہوتا ہے
مزے کیا کیا دکھاتی ہے یہ تاریکی مزاروں میں

بڑھا دی شوق سے صیاد کچھ طول اسیری کو
مزے لوٹے ہیں ہم نے بھی بہت اگلی بہاروں میں

وہ ڈرتے ہیں ذرا تھم تھم کے یا رب بجلیاں چمکیں
تڑپ کر آ رہیں وہ بھی نہ اپنے بے قراروں میں

ہمارا جوشِ مستی میں کوئی کھُل کھیلنا دیکھے
دبا لی ایک بوتل اور پہنچے سبزہ زاروں میں

سنور کر جب نکلتے ہیں تو ان کے روک لینے کو
ہماری خاک ہوتی ہے پریشاں رہگزاروں میں

دبا جاتا ہوں محشر میں اُٹھاؤں آنکھ اوپر کیا
نگاہیں سب کی مجھ پر ہیں ہزاروں شرمساروں میں

---

[1] خلد آشیاں نواب کلب علی خاں بہادر والی رام پور۔ نواب تخلص دم اپہ بجائی یہ کے اس وقت متروک نہ تھا۔

بہت ہی یونہی رہ جائے اگر زندہ قیامت تک
ہمارا نام نکلا ہی تمہارے دلفگاروں میں

ہمارے دیدہ و دل ایک ہیں ہاں ہم کو کوئی غم ہو
یہ اُس کے غمگسار ہیں وہ اُس کے غمگساروں میں

یہ میخانہ بچاتا ہی انہیں کتنے گناہوں سے
یہاں بیہوش جتنے ہیں وہ سب ہیں ہوشیاروں میں

مرے گھر آبلے بھر لائے کچھ کانٹے بیاباں کے
مری دامن کی یہ ہیں دھجیاں صحرا کے خاروں میں

نئے گل اُسے حسینو موسم گل نے کھلائے ہیں
ہمارے داغ دل جاکر بنے ہیں پھول ہاروں میں

ریاضؔ اُٹھ کر وہاں سے یوں نگہ نیچی کیئے آئے
کہ جو دیکھے یہ جانے ہیں بڑے پرہیزگاروں میں

ہماری داغ یوں چمکے نہ تھی پچھلی بہاروں میں
لگا دی آگ ہم نے آب کی جاکر لالہ زاروں میں

اثر خود ڈھونڈنے آیا ہی بجلی کے شراروں میں
کہ نالے اونچے ہو کر گم ہوئی ہیں آج تاروں میں

ہمیں سودا یہ تھا ہم ایک نکلیں گے ہزاروں میں
ہزاروں سر بکف دیوانے دیکھے لالہ زاروں میں

گئے میخانوں سے کتنے حرم کو خانقاہوں کو
ہمیں اک رہ گئی ہیں اب پرانی بادہ خواروں میں

تڑپ دل میں ہے بجلی کی تڑپ بجلی میں ہے دل کی
مزے کی چیز دونوں ہیں تمہاری بیقراروں میں

رہی زندہ قیامت تک الٰہی نام دونوں کا
یہ قیس و کوہکن بھی تھی مرے بچپن کے یاروں میں

مبارک جلوۂ دختِ رز کی ہو ماہ مبارک کو
کہ صبح عید بن کر شام آئے روزہ داروں میں

ہماری طرح کتنے جن کی گنتی ہو نہیں سکتی
ہزاروں اچھے اچھے ہیں وہاں امیدواروں میں

ٹھہرا ہے حشر اتنا نیند اُن کی پوری ہو جائے
پڑی سوتے ہیں جو یوں پاؤں پھیلائی مزاروں میں

تری دیوانے تیری زلف سمجھے شام غربت کو
کہاں سے آئی یہ کالی بلا شامت کی ماروں میں

جو رہ رہ کر تجھے دھوکا سا دیتی ہو مری دل کا
کلی ایسی بھی ہی کوئی تری پھولوں کے ہاروں میں

سر بام آئی وہ موقع نہ تھا کچھ کھل کے کہنے کا
ہوئیں کچھ دور سے باتیں اشاروں ہی اشاروں میں

چھلکتے جام کی موجیں نگاہیں جن کی منتی ہیں / نہیں پیتے کچھ ایسے مست بھی ہیں میگساروں میں

خبر غفلت میں کس کو حشر زا دینا کہاں پہنچی / یہ ہم اپنے گھروں میں ہیں کہ مُردے ہیں مزاروں میں

حسینوں پر ریاضؔ اب ہاتھ اپنا ڈال دیتے ہیں
جنوں ہے ڈھونڈتی پھرتی ہیں دل پھولوں کے ہاروں میں

عبث اُمیدِ محشر پر ہمارے دن گزرتے ہیں / وفا ہوتا ہی دشمن ہے جو وعدہ ہم سے کرتے ہیں

میں چپ ہوں وعدۂ محشر پر اُن کے وہ ڈرتے ہیں / کہ مُنہ سے جو نہیں کہتے ہیں وہ کچھ کر گزرتے ہیں

نہیں ہے آنکھ ڈیوڑھی ہی مرے کاشانۂ دل کی / اسی پردے میں وہ آکر سواری سے اُترتے ہیں

بلائے دام میں آنے کی صورت ایک تھی سب کی / کن آنکھوں سے اُنہیں دیکھوں جو صدقے میں اُترتے ہیں

شبِ فرقت میں ہم نے ڈوبنا تاروں کا دیکھا ہے / ہمارا دل اُبھرتا ہے نہ دل کے داغ اُبھرتے ہیں

ہماری حسرتِ پرواز پر صیاد کا کہنا / اُڑانے کو ہوا میں ہم تمہارے پر کترتے ہیں

دل پر داغ کا اتنا اثر ہے خاک ہونے پر / دھواں اُٹھتا ہے سینے سے جب اس کو یاد کرتے ہیں

حقیقت سے ہماری تو نہیں واقف ہی اے زاہد / یہ عصیاں ہم نہیں کرتے ہیں، اس پہ ناز کرتے ہیں

سُنا تو یہ سُنا وہ محوِ تزئیں ہیں شبِ وعدہ / دیے جاتے ہیں خم زلفوں کو بتی میں سنورتے ہیں

سمجھتا ہے اسے لغزش اگر زاہد سمجھنے دو / بہت ڈر ڈر کے اس کی راہ میں ہم پاؤں دھرتے ہیں

یہ لہراتے ہیں کالے گیسوؤں کے دوش پر کس کی / وہی تو ہیں جو اپنے سایۂ گیسو سے ڈرتے ہیں

قفس میں حسرتِ پرواز دیکھیں کب نکلتی ہے / یہ سُن کر روح کا کہنا کہ ہم پرواز کرتے ہیں

کسی کا ہنس کے کہنا موت کیوں آنے لگی تم کو / یہ جتنے چاہنے والے ہیں سب بے موت مرتے ہیں

بہت مشہور اسی سے ہے درازی تیری مژگاں کی / یہ چھوٹی چھوٹی ناوک دور سے دل میں اترتے ہیں

نہ منہ آنا غضب ہے واعظو پینا وہاں شیشے / کہ اُن کے منہ میں جو آتا ہے یہ بھی کہہ گزرتے ہیں

دباتی ہی ہماری طرح خاک گوران کو بھی ہماری قبر کے تختے یہ ہم سی کیوں ڑتے ہیں

یہ کیوں مجھ سی تجلّی گاہ کا ہر ذرّہ کہتا ہے جو کُھل کھیلے تھے موسیٰ سی وہ تم سی پردہ کرتے ہیں

وہ جائیں تو چمن میں مسکراتی ہیں بہت کلیاں جو میں دیوانہ جاؤں تو عنادل شور کرتے ہیں

ریاضؔ اُس شوخ نے گلگیر اب تو نام رکھا ہے
یہ خدمت ہی ہماری شمع کا ہم گُل کترتے ہیں

نشہ سا ہے شراب کا ہر چند پی نہیں یہ رنگ ہے شباب کا تو زندگی نہیں

صدقے تمہارے ہونٹھوں کے جن پر مسی نہیں اِس ضبط کے نثار کہیں گدگدی نہیں

میرا یہی خیال ہے گو میں نے پی نہیں کوئی حسین پلائے تو یہ شئے بُری نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اُڑا ہم گل جلوں کے ہاتھ کی گویی رُکی نہیں

ناصح کے سر پہ ایک لگائی تڑاق سے پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

آتا ہی مجھسے ملنے کو شاید غبارِ قیس اس زور سے کبھی کوئی آندھی اُٹھی نہیں

رنگت نہیں ہے شوخ شراب طہور کی تیزی بہت سہی مگر اچھی کھنچی نہیں

سو آئیں میکدے سے حرم سی کُھلا ہے در یہ گھر فقیر کا ہے یہاں کچھ کمی نہیں

چھیڑوں سے میری وصل کی شب جو نہ مسکرائے پھولوں کی ہار میں کوئی ایسی کلی نہیں

ہلکی مے طہور ہے یہ خانہ ساز سے ہر چند خانہ ساز بھی اچھی کھنچی نہیں

مسجد میں آج ہم بھی گئے تھے پئے نماز دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں

شام شب وصال مری بے قراریاں اُن کا وہی زبان سے کہنا ابھی نہیں

سمجھیں نہ بزمِ وعظ اِسے یارانِ میکدہ محشر کی باز پرس ہے کچھ دل لگی نہیں

ہم جانتے تھے پہلے سی دونوں میں کج ادا دو دن بھی زلف یار سے دل کی بنی نہیں

بیٹھا ہوں میں یہاں سے مجھے کوئی کیوں اٹھائے
دشمن کے گھر کی راہ ہے اُن کی گلی نہیں

میرے سپر دمیکدے میں ظرفِ مے رہیں
سب جانتے ہیں یہ مری نیت بُری نہیں

جُبّہ بدن سے سر سے عمامہ اُتر گیا
پینے کے بعد وضع پُرانی نبھی نہیں

پوچھیں گے آپ کو نہ ریاضؔ اہل لکھنؤ
شاعر یہاں ہزار ہیں ایک آپ ہی نہیں

یہ بلا میرے سر چڑھی ہی نہیں
میں نے کچے گھڑے کی پی ہی نہیں

آگ ایسی کبھی لگی ہی نہیں
کہ لگی دل کی پھر بجھی ہی نہیں

پی بھی یوں جیسے میں نے پی ہی نہیں
مُنہ سے میرے کبھی لگی ہی نہیں

دل نہ جب تک ہوا شریک حنا
مہندی اُن کی کبھی پسی ہی نہیں

شکن زلف حلقۂ گیسو
بیڑیاں بھی ہیں ہتکڑی ہی نہیں

کون لیتا بلائیں پیکاں کی
آرزو کوئی دل میں تھی ہی نہیں

کس قدر ہوں بنا ہوا میں بھی
جیسے میں نے شراب پی ہی نہیں

دل میں کیا آئے کیا چلے دل سے
تم نے چٹکی تو کوئی لی ہی نہیں

صبح کا جھٹپٹا تھا شام نہ تھی
وصل کی رات رات تھی ہی نہیں

کیوں سُنے شیخ قلقل مینا
اُس نے ایسی کبھی سُنی ہی نہیں

آئے آنے کو فصل گل سو بار
میرے دل کی کلی کھلی ہی نہیں

ہائے سبزے میں وہ سیہ بوتل
کبھی ایسی گھٹا اُٹھی ہی نہیں

لاگ بھی دل سے ہی لگاؤ کے ساتھ
دشمنی بھی ہے دوستی ہی نہیں

مُنہ لگا نام اِک آفت تھا
خُم میں وہ چیز جیسے تھی ہی نہیں

بزمِ آرائے حشر کے صدقے محفل ایسی کبھی جمی ہی نہیں
کچھ مزے میں ہم آ گئے ایسے توبہ پینے سے ہم نے کی ہی نہیں
کوئی ناخوش ریاضؔ سے کیوں ہو
اس روش کا وہ آدمی ہی نہیں

جو اُن سے کہو وہ یقین جانتے ہیں وہ ایسے ہیں کچھ بھی نہیں جانتے ہیں
بڑے جنتی ہیں یہ میخوار زاہد مئے تلخ کو انگبیں جانتے ہیں
جوانی خود آتی ہے سو حسن لے کر جواں کوئی ہو ہم حسیں جانتے ہیں
شبِ ماہ بنتی ہے ہر شب مری گھر یہ سب بادہ وش مہ جبیں جانتے ہیں
بناوٹ بھی اک فن ہے جو جانتا ہو تری سادگی کچھ ہمیں جانتے ہیں
نگاہیں نہ آنکھوں کے گھونگھٹ سے نکلیں ادائیں غضب شرمگیں جانتے ہیں
تری کم نگاہی سے اُبھری ہیں فتنے تجھے غیر چیں بر جبیں جانتے ہیں
مری جان پر رات بن بن گئی ہے مرا حال کچھ ہم نشیں جانتے ہیں
جو واقف نہیں لطف تجدید سے کچھ وہ توبہ کی لذت نہیں جانتے ہیں
وہ شرمیلی آنکھیں وہ شرمیلی باتیں وہ ہنسنا بھی کھُل کر نہیں جانتے ہیں
مری بت پرستی بھی ہے حق پرستی مرا مرتبہ اہل دین جانتے ہیں
بڑے پاک طینت بڑے صاف باطن
ریاضؔ آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ریاضؔ اک چلبلا سا دل ہو ہم ہوں حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں
کہا لیلیٰ سے کس نے دل ہو تو ہو کبھی تو ہو ترا محمل ہو ہم ہوں

مزا دے جائے ہم کو خواب غفلت — مزا آجائے تم غافل ہو ہم ہوں

ذرا ہم بھی سنیں تم نے کہا کیا — عدو سے جب سر محفل ہو ہم ہوں

لئے حلقے میں ہوں سب اہل محشر — کمر میں ہاتھ ہو قاتل ہو ہم ہوں

بنے تل آنکھ کا گھٹ کر شب وصل — ہماری آنکھ میں یہ تل ہو ہم ہوں

تری الٹی چھری دل میں اتر جائے — عدو جب اس طرح بسمل ہو ہم ہوں

یہ تھک کر بیٹھنا ہو وجہ آرام — مزا ہے سختی منزل ہو ہم ہوں

نہ خلوت چاہئے ہم کو نہ معشوق
رؔیاض اک آرزوئے دل ہو ہم ہوں

منہ دکھا کر منہ چھپانا کچھ نہیں — کچھ نہیں یہ منہ دکھانا کچھ نہیں

تھا جو کیا کچھ بات کہتے کچھ نہ تھا — آدمی کا بھی ٹھکانا کچھ نہیں

گل ہیں معشوقوں کے دامن کے لئے — قبر عاشق پر چڑھانا کچھ نہیں

ہے ستانے کا بھی لطف اک وقت پر — ہر گھڑی ان کو ستانا کچھ نہیں

بے منائے من گئے ہم آپ سے — ایسے روٹھے کو منانا کچھ نہیں

ہاتھ سی گلچیں کے جھٹکے کون کھائے — شاخ گل پر آشیانا کچھ نہیں

یہ حسیں ہیں پیار کر لینے کی چیز — ان حسینوں کو ستانا کچھ نہیں

اے حباب اپنی ذرا ہستی تو دیکھ — اس پہ اتنا سر اٹھانا کچھ نہیں

تو نے توبہ کی تو ہے لیکن رؔیاض
بات کا تیری ٹھکانا کچھ نہیں

روز کا حیلہ بہانا کچھ نہیں — روز کا مہندی لگانا کچھ نہیں

میری ہستی کچھ نہیں یونہی سہی — کچھ بن نہیں کچھ میں نے مانا کچھ نہیں

اس کے آگے پھر قفس اک چیز ہے
مال تو ہے آشیانا کچھ نہیں

ایسی ہنس مکھ شکل پر اے شمع بزم
یہ ترا آنسو بہانا کچھ نہیں

کہتی ہے، بل کھاتی وہ نازک کمر
نازنینوں کو ستانا کچھ نہیں

شوق سے قاضی کے گھر نالش کرو
میفروشو ہم سے پانا کچھ نہیں

کہہ گیا محفل میں اک خلوت نشیں
کھل کے یوں پینا پلانا کچھ نہیں

آپ ہوں یا آپ سے بڑھکر کوئی
ہم نہیں تو اک زمانا کچھ نہیں

اتنے جھگڑے زندگانی کے لئے
زندگانی کا ٹھکانا کچھ نہیں

سب حسیں تم کو ستائیں گے ریاضؔ
بات کہتے روٹھ جانا کچھ نہیں

وہ کون لوگ ہیں جو مے اُدھار لیتے ہیں
کہ میفروش تو ٹوپی اُتار لیتے ہیں

یہ پاس پردہ نشینوں کا ہی کہ نالے بھی
جو اونچے ہوتے ہیں پردہ پکار لیتے ہیں

وہ کہتے ہیں ابھی اللہ اتنی طاقت ہے
جو کروٹیں کبھی ہم بے قرار لیتے ہیں

بچائیں گے گل و بلبل کو دام گلچیں سے
جو کوئی پہنچے تو فصل بہار لیتے ہیں

یہی ہیں کام نکلتا ہے جن کا بے طاعت
مزے کرم کے ترے شرمسار لیتے ہیں

اُترتے عرش سے ڈرتا ہے تو دعا والے
اثر کو ہاتھ بڑھا کر اُتار لیتے ہیں

شراب کے لئے بیہوش منہ ہیں پھیلائے
جمھائیاں نہیں وقت خمار لیتے ہیں

گناہگار ہیں اتنے ہی ان بتوں کے ہم
کہ پانچ وقت خدا کو پکار لیتے ہیں

جما یہ رنگ کہ اب وقت زمزمہ سنجی
چمن میں مجکو عنادل پکار لیتے ہیں

پہنے ہوں کتنی ہی لیکن یہ ہوش رہتا ہے
کہ سوتے وقت وہ زیور اُتار لیتے ہیں

ریاضؔ باتوں میں اپنی اگر نہیں جادو
پری کو شیشے میں یونہی اُتار لیتے ہیں

خاک آنکھوں میں مری ڈال دیا کرتے ہیں
شوخیاں آپ کی نقشِ کفِ پا کرتے ہیں

نزع میں یار سے پیمانِ وفا کرتے ہیں
اُس دغاباز سے ہم آج دغا کرتے ہیں

چھیڑتے ہیں ہمیں معشوق بُرا کرتے ہیں
ہم بھری بزم میں منہ چوم لیا کرتے ہیں

سونپتے جاتے ہیں اللہ کو اُن کی باتیں
ہم نہ شکوہ نہ شکایت نہ گلا کرتے ہیں

دل لہو ہونے کا افسوس ہے کتنا اُن کو
منہدی ملتے نہیں اب ہاتھ ملا کرتے ہیں

وہ بھی کیا وقت ہی ہوتی ہیں شگفتہ جب دل
وہ بھی کیا وقت ہی جب پھول کھلا کرتی ہیں

آپ سوئیں تو سہی آنکھ لگائیں تو سہی
وا ابھی ہم گرہِ بندِ قبا کرتے ہیں

کہتے ہیں کون کفن منہ سے ہٹائے اُن کے
آنکھ حوروں سے لگائی ہی حیا کرتے ہیں

اُن کے جوڑے میں جگہ پائی ہی کیا حضرتِ دل
نہیں کھلتا ہی کہاں آپ رہا کرتے ہیں

آسماں کو وہ مجھے سونپے ہیں پسِ دفن
ہاتھ اٹھائے جو سوئے چرخ دعا کرتے ہیں

اچھے بل کھائے ہوئے آپ بھی سیدھے مجھ پر
یہ خطا میری ہے یا تیر خطا کرتے ہیں

ہم کفن میں وہ دوپٹے میں چھپائے ہیں مُنہ
کچھ حیا اُن کو ہی کچھ ہم بھی حیا کرتے ہیں

مے و معشوق سے لطف آٹھ پہر رہتا ہے
چین دن رات ہی دن رات مزا کرتے ہیں

سجدے کرتے تھے بتوں کو کبھی دن رات ریاضؔ
اب تو ہم خدمتِ خاصانِ خدا کرتے ہیں

کوئی لائے اس کو ذرا ہوش میں
یہ واعظ ہی کس خوابِ خرگوش میں

شبِ وصل اُٹھائے یہ باہم مزے
نہ وہ ہوش میں ہیں نہ ہم ہوش میں

خمِ مے کا ڈر سے لہو خشک ہے — پڑا جام دستِ بلا نوش میں
میں صدقے کسے آج پیار آ گیا — یہ کون آ گیا میرے آغوش میں
نہ چھیڑو نکل جائے گی جان ابھی — دبی ہے وہ لبہائے خاموش میں
بڑھی ہیں دل آویزیاں حسن کی — زمرد کے آویزے ہیں گوش میں
سرِ بزم واعظ سے دبنا پڑا — وہ خُم سے سوا اتقائے توش میں
ٹھکانا ہے کیا شیخ بدمست کا — کبھی کہہ دیا ہوگا کچھ جوش میں
فرشتے مرے بانٹ لیں کچھ گناہ — کمی ہو گرانباری دوش میں
نہیں پاؤں میں صرف مہندی لگی — لگے لال ہیں ان کی پاپوش میں
خدا جانے کہتا ہوں مستی میں کیا — خدا جانے بکتا ہوں کیا جوش میں
بنے دیر الٰہی یہ کعبہ مرا — رہیں بت دلِ حق فراموش میں

ریاضؔ اب کہاں وہ جوانی کے دن
کہاں اب حسیں کوئی آغوش میں

ان اچھی شکل والوں سے ہم کچھ خفا بھی ہیں — یہ بات مان جائیں تو ان پر فدا بھی ہیں
بیجا گلے ترے، ارے ظالم بجا بھی ہیں — گو یار وا ترے ستمِ ناروا بھی ہیں
ہاں ہاں یہی دعائیں جو جاتی ہیں چرخ پر — اُلٹی پھریں تو حق میں ہمارے بلا بھی ہیں
آئے نظر نہ کوچۂ دشمن میں یہ کبھی — چلتے ہوئے حضور کے کچھ نقشِ پا بھی ہیں
کہتا ہے یہ فریبِ نمودِ شرارِ سنگ — دو ایک کیا ہزاروں کے یہ بت خدا بھی ہیں
پِس کر الگ یہ رنگ جماتی ہیں اس کے ساتھ — ٹکڑے جدا ہیں دل کے شریکِ حنا بھی ہیں
یوں تو وہ ابھی شوخ ہے اُن کی نگہ بھی شوخ — موقع حیا کا ہو تو سراپا حیا بھی ہیں

مژگاں ہوں یا وہ شوخ نگاہیں کسی کی ہوں — جو دور سے چبھیں وہی تیر قضا بھی ہیں
افسردہ ہوں کبھی نہ مری داغہائے عشق — روشن رہیں تو مشعل راہِ فنا بھی ہیں
آنا سنور کے روز لب بام دن رہے — خود بینیوں کے ساتھ حسین خود نما بھی ہیں

جب دیکھئے تو ہے مے و معشوق پر نگاہ
با ایں ہمہ ریاضؔ بڑے پارسا بھی ہیں

ہم سے وفا کریں کہ وہ ہم پر جفا کریں — پائیں خدا سے ہم جو بتوں سے دعا کریں
صیاد اڑا دیا مجھے سر سے اتار کر — صدقے ترے ہمارے سر پر اڑا کریں
وہ دن خدا دکھائے کہ ہم بھی انہیں ستائیں — یہ نازنیں حسین ہمارا گلا کریں
آنکھوں میں اشک آئے تو ہنسنے کا لطف کیا — اتنا نہ گدگداؤ کہ ہم رو دیا کریں
سمجھا دی جا کے تو ہی انہیں اے نگاہِ یاس — اب کوسنے کا وقت نہیں ہے دعا کریں
رکھ لیں ہم آپ لاؤ دلِ بے قرار میں — ایسا نہ ہو کہ تیر تمہارے خطا کریں
ہم لاکھ پارساؤں کے ایک پارسا سہی — موقع ہے تم کو پائیں تو بتلاؤ کیا کریں
پژمردہ پھول بن کے رہے نامراد دل — کھل کر تمہارے ہار کی کلیاں ہنسا کریں

وہ دن کہاں ریاضؔ وہ راتیں کہاں ریاضؔ
بیٹھے ہوئے کسی کی بلائیں لیا کریں

عیش و عشرت سب سہی دم ہیں نہیں تو کچھ نہیں — ایک دنیا ہو تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں
سرمگیں آنکھوں میں اشکِ غم نہیں تو کچھ نہیں — دست رنگیں سے مرا ماتم نہیں تو کچھ نہیں
صبح کو شب کے ستانے کا گلا شکوہ عبث — جب پریشاں گیسوئے برہم نہیں تو کچھ نہیں
عشق سے تھوڑا بہت تو ہو ہر انساں کو لگاؤ — دل میں کچھ کچھ درد کچھ کچھ غم نہیں تو کچھ نہیں

اس کمر پر اس نزاکت پر یہ سیدھی چال کیوں — بل نہیں تو کچھ نہیں کچھ خم نہیں تو کچھ نہیں

اس کی شوخی نے اسے اے دل چھپا رکھا کہاں — حشر میں وہ فتنۂ عالم نہیں تو کچھ نہیں

ملنے والوں کا بہم مل بیٹھنا بھی لطف ہے — جمگھٹے شب کو سرِ زمزم نہیں تو کچھ نہیں

اس کی رونق اور ہے اس کا اثر کچھ اور ہے — ان کی محفل میں مرا ماتم نہیں تو کچھ نہیں

پیارے پیارے اچھے اچھے منہ سے ہاں کہہ دی کبھی — تیری صدقے یہ تری ہر دم نہیں تو کچھ نہیں

بال کھولے تم نے تو کیا چوڑیاں توڑیں تو کیا — میرے مرنے کا جو دل سے غم نہیں تو کچھ نہیں

بات جس کی تھی گئی ساقی وہ اس کے دم کے ساتھ — جام جم ہو بھی تو کیا جب ہم نہیں تو کچھ نہیں

پھوٹ کر رونا نہیں تو پھوٹ ہی جائیں ریاضؔ
کام کے جب دیدۂ پرنم نہیں تو کچھ نہیں

کچھ ایسی کم تو بارشِ ابرِ کرم نہیں — شرمندہ ہوں جو سبزۂ تربت بھی نم نہیں

جھوٹی قسم بھی میری تسلّی کو کم نہیں — لیکن حضور غیر کے سر کی قسم نہیں

آنکھیں تہیں فرشِ راہ اڑا لیگیا کوئی — پھر کر جو دیکھتے ہیں تو نقشِ قدم نہیں

وعدہ غلط کیا ہے کسی نے وصال کا — کیوں ہونٹھ پر نہ آئے ہنسی کچھ ستم نہیں

دیکھے چھدی ہوئے جگر و دل نہ ایک ساتھ — چلتے ہوئے کچھ آپ کے تیرِ ستم نہیں

کس شوق سے وہ پھول چڑھانے کو آئے ہیں — آتا ہی رشک قبر میں دشمن کے ہم نہیں

رسوا وہ آپ ہوتے ہیں پھر پھر کے رات کو — روشن چراغ راہ میں نقشِ قدم نہیں

لکھتا ہوں خطِ شوق کسی گلعذار کو — منقارِ عندلیب ہے میرا قلم نہیں

لائے گی کیوں اڑا کے صبا میری قبر پر — پھولوں کی پنکھڑی ترے نقشِ قدم نہیں

سب دوڑ دھوپ تھی مری تربت کیواسطے — اب بے قرار سایۂ ابرِ کرم نہیں

ہم دل میں خوش کہ سبزۂ تربت ہرا ہوا　　وہ اس ادا سے روئی کہ پلکیں بھی نم نہیں

ہم کو تو لوٹنا ہیں مزے عفو کے ریاض
یہ کیوں کہیں کہ اس کے گنہگار ہم نہیں

جو کرنا ہیں جفائیں وہ کئے جائیں　　دعائیں ان کو لینا ہیں لئے جائیں
کسی سے ہائے ساقی کا یہ کہنا　　لہو میرا پئیں جو بے پئے جائیں
گلا کیا ہے دعائیں دے رہا ہوں　　یہ آخر ہونٹھ میرے کیوں سئے جائیں
گھٹا اُٹھتے ہی بوچھاریں یہ ہم پر　　ارے واعظ کہاں تک ہم پئے جائیں
نہ پہچانیں تو لیں ہم بوسہ انعام　　مزا ہے بن کے ہم بہروپئے جائیں
بچے گی جان تو دل مل رہے گا　　بچا لیں جان، دل تم کو دیئے جائیں
ہم اے رندو خدا سے چاہتے ہیں　　پلائے جائے کوئی ہم پئے جائیں
کہاں تک ہم لکھے جائیں خطِ شوق　　کہاں تک ڈاکیوں پر ڈاکئے جائیں
نہ سمجھایا کریں رندوں کو ناصح　　ملیں موقع سے تو سمجھا دیئے جائیں
پلاتے ہیں مے گلگوں عدو کو　　لہو کے گھونٹ ہم کب تک پئے جائیں
ترے دیوانے رخصت ہو رہے ہیں　　ذرا کہہ دے بلائیں تو لئے جائیں
جفا سے شرم انہیں آتی نہیں ہے　　جفا پر بھی ہم اپنی سی کئے جائیں

ریاض اُلٹی سمجھتے ہیں نہ سیدھی
جو اُن کے دل میں آئے وہ کئے جائیں

یہ کیوں ہم مفت اپنی جان سے جائیں　　جو تم کہہ دو تو دشمن کو بھی لے جائیں
سلامت ہم رہیں یا جان سے جائیں　　اُنہیں لینا ہی دل وہ آ کے لے جائیں

وہ کہتے ہیں مجھے سب کچھ ہے منظور
کہیں یہ روز کے شکوے گلے جائیں

تڑپنے کا مزا جانے نہ پائے
وہ بیٹھے دل کو چٹکی سے ملے جائیں

مزا آئے ہمیں بھی گالیوں میں
ذرا ہم بھی ترا منہ چومتے جائیں

دم وصل آئینہ پیش نظر ہو
وہ اپنا رنگ بھی تو دیکھتے جائیں

ستانے ہم کو وہ آئے یہاں بھی
ہم اُٹھ کر قبر سے ہی کیا چلے جائیں

لگی دل کی سُنی تو بولے ہنس کر
یونہی قسمت میں جلنا ہی جلے جائیں

ہمارے آڑے آئے رحمت اس کی
جب اس کے آگے سب اچھے بُرے جائیں

ہمارا دل گراں اُن کو نہ ہم کو
اسے سو بار دے جائیں لے جائیں

ہمارے گھر وہ ہنستے کھیلتے آئیں
عدو کے گھر وہ روتے پیٹتے جائیں

ڈبوئی آبرو کیا آنسوؤں نے
یہ عالم ہے جہاں جائیں ہنسے جائیں

بلائیں اس لئے ہم لے رہے ہیں
یہ زلفوں والے ہم کو کوستے جائیں

ریاض اب وہ طبیعت میں نہیں لطف
مزے کے شعر ہم سے کیا کہے جائیں

نہ رہنے پائے بلبل جی کی جی میں
کہ اب رَس آچلا ہے ہر کلی میں

جو پوچھا جان لوگے دل لگی میں
تو بولے ہنس کے، ہی کیا آدمی میں

جگہ دو دل کو آئینے میں اپنے
ہماری آنکھ رکھ لو آرسی میں

نہ چھیڑ اب اے خیال یار جا بھی
کوئی ہوتا ہے کس کا بیکسی میں

رہیں اب میکدے میں رند و زاہد
بسر مِل جُل کے کر لیں ایک ہی میں

عنادل ہیں صبا میں چل گئی تھی
اُڑا دی بات پھولوں نے ہنسی میں

فلک سے بڑھ کے دشمن تھا مرا کون | رہے تم اُس سے بڑھکر دشمنی میں
جو یہ کھل جائے تو سب راز کھل جائے | کوئی شئے بند ہے دل کی کلی میں
مری توبہ یہ کیسا دور آیا | مزا باقی نہیں اب میکشی میں
کرن سورج کی نکلی جام مے سے | یہ کیسی دھوپ پھیلی چاندنی میں
ہر ایک ساعت ہو جس کی حاصلِ عمر | کہاں وہ دن ہماری زندگی میں
یہ بت کیسے بتوں کا ہوش کس کو | نہ تھا کوئی خدا تھا بیخودی میں
رہا تقدیر کا رونا ہمیشہ | ہماری عمر تو گزری اسی میں
نگاہِ محتسب کی قید ہے سخت | پڑی ہے جان شیشے کی پری میں

محبت اور اُن کافر بتوں کی
ریاضؔ اس عمر میں اس مفلسی میں

جو بے حجاب کہیں سینہ تانے جاتے ہیں | کھلے خزانے وہ جوبن لٹانے جاتے ہیں
ہماری قبر پر اب خاک اُڑانے جاتے ہیں | مٹے ہوؤں کا وہ شکوہ مٹانے جاتے ہیں
کلیم جا کے جہاں ہوش اپنے کھو آئے | وہاں تو روز ہم آنکھیں لڑانے جاتے ہیں
ستم ستم ہے نہ کچھ لطف نزع کے وقت | ہماری یاد سے اب یہ فسانے جاتے ہیں
سکون و صبر چلے اب ہی اضطراب و تپش | نئے رفیق ملے ہیں پرانے جاتے ہیں
ہمارے نالے تو ہم سے بڑھے چڑھے نکلے | وہ بام پر ہیں یہ اُن کو سنانے جاتے ہیں
نکال لائیں گے دشمن کی لاش قبر سے کیا | وہ اپنے روٹھے ہوئے کو منانے جاتے ہیں
کہاں چلے ہیں جبیں پہ چُنے ہوئے افشاں | کہاں وہ حسن کی دولت لٹانے جاتے ہیں
کشیدہ رہتے ہیں ہم سے جو تیغ کی صورت | ہم اُن کو آج گلے سے لگانے جاتے ہیں

طریقِ عشق کے رہرو کبھی کبھی اب بھی — جنابِ خضر کو رستہ بتانے جاتے ہیں
حنا لگا کے جو آئے ہیں غیر کے گھر سے — وہی اب آگ مری گھر لگانے جاتے ہیں
چلے یہ کہہ کے بجھانے وہ شمعِ تربت کو — کسی کے دل کی لگی ہم بجھانے جاتے ہیں
ڈریں گے حشر سے کیا نازنیں بتِ کافر — وہی تو حشر جسے یہ اُٹھانے جاتے ہیں
ہوا چلی ہے یہ کیسی کہ آج سوئے قفس — چمن سے اُڑتے ہوئے آشیانے جاتے ہیں

نظر بچائے بغل میں دبائے شیشۂ مے
کہیں ریاضؔ بھی پینے پلانے جاتے ہیں

اپنے خرامِ ناز پر اترائے جاتے ہیں — چلنے میں لاکھ لاکھ وہ بل کھائے جاتے ہیں
بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں — ہم اُن میں ہیں جو دور سے ترسائے جاتے ہیں
صیاد کو بہار میں موج آ گئی یہ کیا — پھولوں سے آج سب کے قفس چھائے جاتے ہیں
چل دور بھی ہو پاس سے ای شمع بے حجاب — وہ اور تجکو دیکھ کے شرمائے جاتے ہیں
سوفار ان کے تیروں کے کھولے ہوئے ہیں منہ — دل کے لئے یہ جان مری کھائے جاتے ہیں
رات آپ کی ہے چین سے پہلو میں سوئیے — کیوں آپ سہمے جاتے ہیں گھبرائے جاتے ہیں
تر دامنوں کی قید تھی او آفتابِ حشر — سب لوگ کیوں یہ دھوپ میں بٹھلائے جاتے ہیں
کیا کیا خوشامدیں ہیں کہ پی لوں بہار میں — سر پر یہ ٹکڑے ابر کے کیوں چھائے جاتے ہیں
درباں اُن کے ہیں سگ ورسی بڑھے ہوئے — اس طرح دیکھتے ہیں مجھے کھائے جاتے ہیں
مہندی چھڑا کے آئیں بھی وہ دیر اب نہیں — ہم خاک میں ملانے کو نہلائے جاتے ہیں
شامت کہ بے بلائے گئے بزمِ ناز میں — ہم بھی انہیں میں ہیں جو نکلوائے جاتے ہیں
وعدے پر اپنے آج بھی شاید نہ آئیں گے — بستر کے پھول شام سے مرجھائے جاتے ہیں

پروانوں سے حجاب نہ گلگیر سے حیا
عریانیوں سے شمع کی شرمائی جاتے ہیں

آیا ہے اب پیام کہ فرصت نہیں ہے آج
ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ آئی جاتے ہیں

دنیا کی اور بات نہیں کوئی بھی یہاں
افسانے پچھلے حشر میں دُھرائی جاتے ہیں

آنے کو ہے ریاضؔ سا اک پارسا بزرگ
مینا و جام بزم سے اُٹھوائے جاتے ہیں

رہ گئے تیر نظر ہو کے ترازو دل میں
رُک گئے چلتی ہوئی آنکھ کے جادو دل میں

فرق باہم نہیں رکھتے ہیں سر ہو دل میں
دل ہے گیسو میں سے رہتے ہیں گیسو دل میں

دل تجھے کیوں نہ کرے پیار مری جان ہے تو
دل کو میں کیوں نہ کروں پیار کہ ہے تو دل میں

کیا ہوئی ہائے لگی دل کی بجھانے والے
نہیں آنکھوں میں لگانے کو بھی آنسو دل میں

دل میں کیا بیٹھے ہو آغوش میں میرے آجاؤ
تنگی دل سے نہیں چین کا پہلو دل میں

اب حسینوں سے بھی کھتا ہے یہ بڑھ چڑھ کے دماغ
آگئی چار ہی دن میں تری خو بو دل میں

گوشے گوشے میں ہے ارمانوں کا ماتم دن رات
ایک ٹپس سی پڑی رہتی ہے ہر سو دل میں

نہ وہ چبھتی ہوئی پھانسیں نہ کھٹکتے ہوئے خار
پھرتے ہی ان کی نظر پھر گئی جھاڑو دل میں

مُنہ سے نکلی تھی دم حشر خدا لگتی کچھ
لے رہا بات مری وہ بت بدخو دل میں

ہو کلیجا تو کرے غیر ہماری تقلید
لخت دل آنکھ میں کچھ آنکھ کی آنسو دل میں

کتنی ہلکی مے گلگوں مجھے دی ہے ساقی
دل میں جو بوند گئی بن کے رہی بو دل میں

خلش ناخن غم ہو نہ سوا ڈرتا ہوں
چٹکیاں لیتی ہے کیوں جنبش ابرو دل میں

مے پیے، توبہ کئے، گزری ہے اک عمر مگر
ہے وہی لطف وہی رنگ وہی بو دل میں

یہ بہانہ تھا نکالیں گے وہ پھانسیں دل کی
آکے وہ پھیر گئے اور بھی جھاڑو دل میں

پشکیاں لیتی جو امید ہماری ہوتی بیٹھے ہیں کچھ وہ چھپائے تہِ زانو دل میں

رہنے سہنے سے چمن میں یہ ہوئی ہے تاثیر گل و بلبل کی بہت آگئی خو بو دل میں

کوئی دامن سے نہیں پونچھنے والا اِن کا آنکھ تک آکے پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

کیا بنایا ہے دمِ حشر حسینوں نے ریاضؔ
سوچ کر آئے تھے ہم وصل کے پہلو دل میں

گنہ بھی کیے ہیں تو پنہاں کیے ہیں فرشتوں سے چھپ چھپ کے عصیاں کیے ہیں

ٹپکتا ہے یہ خونچکاں آبلوں سے ہزاروں بیاباں گلستاں کیے ہیں

بہت دولتِ حسن لوٹی ہے ہم نے حسینوں کے گھر ہم نے ویراں کیے ہیں

کہاں تم نے دشمن کا ماتم کیا ہے بُری طرح گیسو پریشاں کیے ہیں

سرِ حشر بھی میری گردن جھکی ہے بہت میرے قاتل نے احساں کیے ہیں

ترے صدقے باقی نہیں کوئی حسرت وہ پورے ہوئے ہیں جو ارماں کیے ہیں

جو تو نے سنوارے تھے مشاطہ پہروں وہ گیسو ہمیں نے پریشاں کیے ہیں

ذرا ناز کرنا نہ تم خالِ رُخ پر بہت ہم نے ہندو مسلماں کیے ہیں

مزا وہ بھی دے جائیں گے حشر کے دن کبھی جھوٹے سچے جو پیماں کیے ہیں

ریاضؔ اُن میں بھی کوئی بات اچھی ہوگی
بُرے شعر جو درج دیواں کیے ہیں

اثر اتنا ہے بلبل کی زباں میں گلوں کا رنگ کھنچ آیا فغاں میں

مرے نالے کہاں پہنچے شبِ غم ستارے ہیں کہ روزن آسماں میں

ہمیں کو وہ سمجھتا ہے کوئی ہو ہمیں ہم ہیں نگاہِ پاسباں میں

مزے کا درد جو دل میں اُٹھا تھا — وہی اُٹھ کر چلا آیا فغاں میں
ادائے ناز سے ابرو کھنچے ہیں — کھڑے ہیں تیر جوڑے وہ کماں میں
عدو کے کام آئی تو شبِ ہجر — ترا کالا ہو منھ دونوں جہان میں
جب اُترے حلق سے دو گھونٹ مے کے — پھلے پھولے چمن دیکھے خزاں میں
سمجھ بیٹھے ہیں مجکو پارسا وہ — مری گنتی ہے اب اہلِ جناں میں
یہ کیا پائے حنائی رکھ دیے تھے — جڑے ہیں لعل سنگِ آستاں میں
یہاں بھی لو خزاں میں اُڑ گئی خاک — نہیں کچھ میفروشوں کی دکاں میں
قفس میں تو پڑا میں پھنک رہا ہوں — لگانے آگ جاؤں آشیاں میں
میں صدقے اُن بلاؤں کے جو آئیں — وہ پریاں ہیں مرے اُجڑے مکاں میں
پکڑتی ہے گلا کچھ یادِ ناقوس — یہ کیوں آواز بیٹھی ہے اذاں میں
جو آدھی بات دشمن کو کہی ہو — الٰہی چھالے پڑ جائیں زباں میں

سُنیں تو بُت بھی تیرا چوم لیں مُنھ
ریاضؔ اتنا اثر تیری زباں میں

کھٹکتے ہیں نگاہِ باغباں میں — جو ہیں دو چار تنکے آشیاں میں
ہر اک سختی میں عالم نزع کا تھا — ہماری عمر گزری امتحاں میں
چھڑالے سجدہ کرنے میں نہ کوئی — لگے ہیں لال سنگِ آستاں میں
شرارے ہیں مرے نالوں کے قائم — کہ تارے جڑ دیے ہیں آسماں میں
قریب اب فصلِ گُل شاید ہے صیّاد — مزا آنے لگا میری فغاں میں
ترس آتا نہیں مجھ پر کسی کو — ہیں فریادِ جرس ہوں کارواں میں

اثر مے کا ہے یا توبہ کا ناصح
کہ تلخی سی ہے کچھ اب تک زبان میں

تڑپنے والوں میں بھی تفرقہ ہے
قفس میں ہم ہیں بجلی آشیاں میں

کسی سے چھوٹ کر عالم ہی کچھ اور
پڑا ہی تفرقہ سا جسم و جان میں

ریاضؔ اُستاد نے رتبہ یہ بخشا
ہماری دھوم ہے ہندوستان میں

وہ دل کو مَل کے جگر کو مَسل کے جاتے ہیں
وہ رنگ بزم کا میری بدل کے جاتے ہیں

اُنہیں گلا ہی تجھے آ کے ہم نہیں پاتے
لحد سے روز کہاں ہم نکل کے جاتے ہیں

جو رکھ کے ہار کے پھولوں میں دل مرا سوئے
وہ چٹکیوں سے دمِ صبح مل کے جاتے ہیں

سبوئے مے ہیں گراں وزن یوں تو اے واعظ
اُچھالنے سی بہت دور اُچھل کے جاتے ہیں

اب اتنے نامِ خدا ہو گئے ہیں طفل سرشک
کہ پاؤں پاؤں گلی تک یہ چل کے جاتے ہیں

بتوں سے ہو کہ فرشتوں سے ہو کہ واعظ سے
خدا کے سامنے ہم بھی سنبھل کے جاتے ہیں

یہ اُن کے آنے سے پہلے نکل گیا ہے کہیں
وہ آج دل کے لئے ہاتھ مل کے جاتے ہیں

وہ اپنے ہار کے پھولوں میں ان کو رکھیں گے
کہیں یہ داغ بھی دل سے نکل کے جاتے ہیں

وہ گا کے نور کے سانچے میں ان کو ڈھالیں گے
جو شعر چُن کے ہمارے غزل کے جاتے ہیں

بہار آئی ہے لینے کو اے ریاضؔ ہمیں
جو گھر سے ہم سوئے صحرا نکل کے جاتے ہیں

وہ آج ہم سے نئی چال چل کے جاتی ہیں
لگانے آگ کہیں منہدی مل کے جاتی ہیں

خبر فرشتوں کے لیتے ہیں کاگ بوتل کے
یہ آسمان سے اونچے اچھل کے جاتی ہیں

تمہارے کوچے میں آئیں یہی قیامت ہے
کہاں یہ لوگ لحد سے نکل کے جاتی ہیں

یہ مجکو دیکھ کے ہیں بیقراریاں ساقی — کہ اُبلے پڑتے ہیں خم جام چھلکے جاتے ہیں
کھٹکتے سائے سے اپنے ہیں ان کے کوچے میں — بہت ہی بچ کے بہت ہی سنبھل کے جاتے ہیں
اٹھا جنازہ تو دیوانگی مری بولی — یہ ملنے خاک میں کپڑے بدل کے جاتے ہیں
نہیں عمامہ تو سر پر سبوئے رکھ لیں — جناب شیخ بہت آج ہلکے جاتے ہیں
وہ ٹھنڈی ہو کے جو اُٹھتی ہے شمع محفل ہے — تمہارے بزم سے ہم روز جل کے جاتے ہیں

ریاض بار گراں تھے ہمیں گناہوں سے
ہمیں ہیں چار کے کاندھے جو ہل کے جاتے ہیں۔

اسی عروس کا جلوہ ہے چشم بلبل میں — بہار ہے کہ دُلھن ہے لحافۂ گل میں
مزا بھرا ہے جو مینائے مے کی قلقل میں — کہاں وہ خندۂ گل میں نوائے بلبل میں
کسی کے گیسوئے شبگوں سے اس کو نسبت کیا — وہ رنگ و بو ہے نہ وہ پیچ و تاب سنبل میں
چمن میں جا کے سحر ہوتے دیکھ آتے ہیں — چھپی ہوئی ہے ہنسی تیری خندۂ گل میں

یہ خاص رنگ ہمیشہ سے تیرا حصّہ ہے
ریاض مانتے ہیں سب تجھے تغزّل میں

یہ مے تلخ ترے مُنہ سے لگی ہے کہ نہیں — سچ بتا دے ارے زاہد کبھی پی ہے کہ نہیں
اُٹھ کے بوتل طرف جام جھکی ہے کہ نہیں — یہ گھٹا شیخ کے حجرے میں اُٹھی ہے کہ نہیں
بزم ماتم میں جو آئے ہیں بتا دیں اتنا — منہدی ہاتھوں میں کبھی ایسی رچی ہے کہ نہیں
جی میں آتا ہے ابھی جا کے خود اس سے پوچھوں — بات قاصد کی ترے منہ کی کہی ہے کہ نہیں
دیکھکر شوخ حسینوں کو بتا اے ناصح — گدگدی دل میں کبھی تیرے اٹھی ہے کہ نہیں
آتش گل کی لپٹ کیوں نہ قفس تک آئے — ہر طرف آگ گلستاں میں لگی ہے کہ نہیں

شرر اس کے ہیں بنے موجِ تبسم بھی کبھی — روتے روتے کبھی یہ شمع ہنسی ہی کہ نہیں
قبر پر آنے میں ان کو نہ تکلف ہو کہیں — بیکسی تیرے سوا اور کوئی ہی کہ نہیں
لگی تلووں سے ہی بھڑکا برگِ حنا میں دل بھی — بے لگائے ہوئے یہ آگ لگی ہی کہ نہیں

شعر تر میرے چھلکتے ہوئے ساغر ہیں ریاضؔ
پھر بھی سب پوچھتے ہیں آپ نے مَے پی کہ نہیں

پانی میں آگ مرے نالے لگا دیتے ہیں — نفس سرد انہیں اور ہوا دیتے ہیں
ہم کسی کو ترے کوچے کی ہوا دیتے ہیں — خضر بھی ہوں تو انہیں راہ بتا دیتے ہیں
تو قفس سے لئے جا سوئے نشیمن اُن کو — اپنے ٹوٹے ہوئے پر تجکو صبا دیتے ہیں
میکدے والو ادھر بھی نگہِ لطف رہے — دور سے کعبہ نشیں تم کو دعا دیتے ہیں
رنگ دونی نکلیں گے ہم پس کے رہِ الفت میں — رنگ کیا پینے پر برگِ حنا دیتے ہیں
وہ سمجھتے ہیں کہ انگارے بھرے ہیں اس میں — دل پر داغ کو دامن کی ہوا دیتے ہیں
آپ سنتے کبھی نالے کسی دیوانے کے — بھیگتی رات میں کانوں کو مزا دیتے ہیں
میکدہ چھوڑ رکھے ہیں گوشے میں گھر کے لیکن — کوئی آجائے تو دو گھونٹ پلا دیتے ہیں
ابھی آجاتی ہے کعبے میں ہمیں دیر کی یاد — بیٹھے بیٹھے کبھی ناقوس بجا دیتے ہیں
ہم نشیں اب ہی وہاں غیر میں ہم میں یہ فرق — ہم پہنچتے ہیں تو پردہ وہ اٹھا دیتے ہیں
گالیاں بھی نہیں تقدیر میں ان کے منہ کی — ان کے دربان کبھی دو چار سنا دیتے ہیں
کہیں آنے کو وہی آج نہ ہوں بات ہی کیا — آنے والے مجھے پیغامِ قضا دیتے ہیں
وصل کی رات بھی رہتا ہی حیا کا پہلو — شرم سے شمع وہ خلوت میں بجھا دیتے ہیں
تو نے دیکھی ہی نہیں چیز وہ کوثر والی — شیخ انگور جھلک اس کی ذرا دیتے ہیں

یاد آتی نہیں افلاس کے غم کی لذت — رمضاں میں ہمیں روزے وہ مزا دیتے ہیں

شیخ فانی کبھی رندوں میں جو آجاتا ہے — مے کے بدلے اُسے ہم آبِ بقا دیتے ہیں

ارے او بام کو بھی عرش سمجھنے والے — نالے کس کے ہیں کلیجا جو ہلا دیتے ہیں

دل ہدف اور وہاں تیر بھی چٹکی میں نہیں — بس کے ناوک ہیں وہ بے پر بھی اُڑا دیتے ہیں

آپ سے میں بھی چلا، آئی ہے کیا فصلِ بہار — کیوں مجھے نالۂ عنادل کے مزا دیتے ہیں

پسِ پردہ یہ تماشا ہے کہ چلمن بن کر — بجلیاں گرتی ہیں پردہ جو اُٹھا دیتے ہیں

اللہ اللہ یہ کئے وجم کا شرف ہے کہ ریاض
جام میں اپنے مے ہوش رُبا دیتے ہیں

ہم کو پروا نہیں وہ ہم کو بلاتے بھی نہیں — جان جاتی نہیں ہم جان سے جاتی بھی نہیں

نزع حیلہ ہے کہ وہ دیکھنے آتے بھی نہیں — وہ جو آتے نہیں ہم جان سے جاتی بھی نہیں

رکھ کے احسان شبِ وصل وہ فرماتے ہیں — لو الگ بیٹھے ہیں ہم تم کو ستاتی بھی نہیں

پھُک گیا طور وہ جلوے نے گرائی بجلی — اس طرح جا کے کہیں آگ لگاتی بھی نہیں

مجمعِ حشر میں ان پر ہیں نگاہیں سب کی — شکل چھپتی بھی نہیں شکل چھپاتی بھی نہیں

آپ کی آنکھ سے کیوں نیند اڑی جاتی ہے — آج تو مرغِ سحر شور مچاتی بھی نہیں

خوف یہ ہے نہ کلائی کی نزاکت کھل جائے — آستینیں کبھی مجھ پر وہ چڑھاتی بھی نہیں

ایک ہم ہیں کہ جلاتی ہے ہمیں غیر کی آگ — ایک وہ ہیں کہ لگی دل کی بجھاتی بھی نہیں

جلوہ گر ہیں نگہِ شوق سے پنہاں دل میں — ہم سے پردہ بھی نہیں سامنے آتی بھی نہیں

چشمِ بد دور بڑھا حسن یہ دن دن اُن کا — اب تو یہ حال ہے آنکھوں میں سماتی بھی نہیں

جس کا سودا نہ بنے اس کے خریدار نہیں — تم جو یوسف نہیں ہم دام لگاتی بھی نہیں

نام روشن نہ محبت میں کہیں ہو میرا
اب مرے نام کو وہ آگ لگاتے بھی نہیں

دل کے دینے سی پڑی جان کے لالے ہم کو
دل جو دیتے نہیں وہ جان سے جاتے بھی نہیں

وہ ستائیں تو ستانے کا ہی شکوہ دن رات
نہ ستائیں تو گلہ ہے کہ ستاتے بھی نہیں

چپ کھڑے ہیں وہ سرِ حشر خدا کے آگے
بات بنتی بھی نہیں بات بناتے بھی نہیں

مرگیا غیر، مرے سر کی قسم سچ کہئے
ہاں مرے سر کی قسم آپ تو کھاتے بھی نہیں

کون گھُل گھُل کے مرے ان کی محبت کر کے
جان کو مفت کا ہم روگ لگاتے بھی نہیں

بیٹھے ہیں وصل کی شب شرم کے پُتلے بن کر
آنکھ کھُلتی بھی نہیں نیند کے ماتے بھی نہیں

ہم نے بھی اب دلِ بدخو کا منانا چھوڑا
ہر گھڑی روٹھنے والے کو مناتے بھی نہیں

جا کے وہ پھول چڑھائیں گے مری تربت پر
آکے پھولوں میں مرے پھول اٹھاتے بھی نہیں

لے کے سو رہتے ہیں پہلو میں انہیں چپکے سے
ہم حسینوں کو شبِ وصل ستاتے بھی نہیں

منہ لپیٹے ہوئے کیوں قبر میں لیٹے ہو ریاضؔ
روز آ کر وہ تمہیں اب تو ستاتے بھی نہیں

بہار نام کی ہی کام کی بہار نہیں
کہ دستِ شوق کسی کے گلے کا ہار نہیں

جو آج وصل میں اس طرح چوسی جاتی ہیں
انہیں لبوں سے سُنی ہم نے لاکھ بار نہیں

بتانِ ماہ جبیں سیر گاہ سمجھے ہیں
یہ داغ داغ جگر کوئی لالہ زار نہیں

حرم کی طرح نہیں میکدے میں بیداری
سوا ہمارے یہاں ایک ہوشیار نہیں

یہ کس نے ناقۂ لیلیٰ کو نجد میں گھیرا
بگولے دشت کے ہیں قیس کا غبار نہیں

رہیگی یاد انہیں بھی مجھے بھی وصل کی رات
کہ اُن سا شوخ نہیں مجھسا بیقرار نہیں

جنابِ شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہی کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

سحر بھی ہوتی ہے چلتے ہیں اے اجل ہم بھی — اب اُن کے آنے کا ہم کو بھی انتظار نہیں
اذیت اس دلِ مردہ کو کیوں ہے پہلو میں — عذاب گور نہیں گور کا فشار نہیں
بجھی چراغ لحد بجھتے ہی بجھے قبر کے پھول — اب اُن کے نقش قدم بھی سرِ مزار نہیں

حنا لگا کے پہنچتے ہیں گل رخوں میں ریاضؔ
کچھ ان کے ریش مبارک کا اعتبار نہیں

گریباں چاک کچھ ٹکڑے لئے دامن کے بیٹھے ہیں — جو ہوش آیا تو اب محتاج پیراہن کے بیٹھے ہیں
ذرا اُن سے یہ کہہ دو جو اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں — گلی میں رہنے والے وادی ایمن کے بیٹھے ہیں
وہی ہم ہیں نہ چھوڑا تار تک ہم نے گریباں کا — وہی ہم ہیں کہ اب ٹکڑے لئے دامن کے بیٹھے ہیں
جو آجائے گی دل میں اُٹھ کے سیرِ طور کر لیں گے — ابھی تو سنگ در پر اس بت پرفن کے بیٹھے ہیں
ہوئی مٹی حنا اُن کی لگی ہے آگ تلووں سے — مٹانے والے وہ دیکھو مرے مدفن کے بیٹھے ہیں
مسی مالیدہ لب کیوں ہیں یہ جو سیر آج گلشن میں — وہ مجھ سے مُنہ چھپائے سایۂ سوسن کے بیٹھے ہیں
بڑھیں گے پینگ نشہ کے جھلائیں گے حسینوں کو — ابھی ہم پاؤں توڑے منتظر ساون کے بیٹھے ہیں
لگا لاتے ہیں اپنے ساتھ یہ گم کردہ راہوں کو — ہمارے رہنما ہیں پاس جو رہزن کے بیٹھے ہیں
یہ ظالم کیا ابھر کر تیرے جوبن کو دبائے گا — دلِ پر داغ پر سکتے تری جوبن کے بیٹھے ہیں
بھرے خم کی طرح ہم میکدے سے اُٹھ نہیں سکتے — یہاں بھی ہم جو بیٹھے ہیں تو لاکھوں من کے بیٹھے ہیں
وفا میری جفا اپنی انہیں کچھ یاد آئی ہے — نظر نیچی کئے وہ سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں
ارے وہ حشر میں اترانے والے یوں نہ چل تن کر — یہاں بھی لوٹنے والے تری جوبن کے بیٹھے ہیں
بیاں کیا ہو نیاز و ناز حسن و عشق کا عالم — اِدھر چلمن کے ہم ہیں وہ اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں
غضب ہے بے چھوئے چھیڑے جھجکنا چونکنا ڈرنا — یہ عالم ہے کہ گویا گھر میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

عدو آیا تو فرمایا چلو محفل سے خلوت میں
یہاں پہچاننے والے مری چتون کے بیٹھے ہیں

ذرا اے آرزوئے وصل موقع ہاتھ آنے دے
کہ وہ روٹھے ہوئے پہروں کے اب کچھ من کے بیٹھے ہیں

اُٹھانے سے ریاضؔ اُٹھتے نہیں یہ ماجرا کیا ہے
درِ دولت پہ ان کے آج سائل بن کے بیٹھے ہیں

پھوٹ سی پھوٹ پڑی رات کو میخواروں میں
محتسب خوب چلی خوب چھنی یاروں میں

پھول بلبل جو لئے پھرتے ہیں منقاروں میں
مانگ ہے غنچۂ پیکاں کی دل افگاروں میں

دل کی ہے قدر تو کچھ حُسن کے سرکاروں میں
یہ وہ سودا نہیں بک جائے جو بازاروں میں

ہم نشیں نالے مری جا کے فلک پر چکرائے
کچھ تو گم ہو گئے کچھ رہ گئے سیّاروں میں

تیشہ بردوش نظر آتی ہے شب کو اک شکل
روح فرہاد پھرا کرتی ہے کہساروں میں

تیرے دامن سے بندھی ہے مری امید اے چرخ
میری قسمت کا ستارا ہے ترے تاروں میں

نہ قفس سے نہ کچھ افتادِ قفس سے واقف
میں ہوں صیّاد ترے تازہ گرفتاروں میں

اہل عصیاں کی کمی حشر میں دیکھی نہ گئی
ایک ہم اور ملے آ کے گنہگاروں میں

مے ریاضؔ آپ بھی پیتے ہیں ہاں ریش سفید
ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

نہ رہی پرسشِ دل حُسن کی سرکاروں میں
گر گیا نرخ اب اس جنس کا بازاروں میں

دل سے جاتا ہی نہیں ابرو و مژگاں کا خیال
پڑ گئے تیروں میں ہم گھر گئے تلواروں میں

تیری صدقے کہیں کھل جائیں نہ یہ بھی شبِ وصل
ناشگفتہ کئی کلیاں ہیں تری ہاروں میں

دل کے داغوں میں دھرا کیا ہے جو تم ڈرتے ہو
اب وہ انگارے کہاں خاک ہے انگاروں میں

ہو رہا ہے نئے انداز سے زنداں تعمیر
چن کے دیوانے چُنے جاتے ہیں دیواروں میں

نشہ کے پینگ نہیں جانا تھا کہیں لینے کو ‌ ‌ ‌ موج مے تیغ بنی چل گئی میخواروں میں
اس لئے میں نے تری جرم کیئے دانستہ ‌ ‌ ‌ میری گنتی بھی ہی تیرے گنہگاروں میں

غیر کے گھر بھی مری جان کا رونا ہے ریاضؔ
غیر کے گھر بھی وہ ہیں میرے عزاداروں میں

وہ ہوں مٹھی میں ان کی دل ہو ہم ہوں ‌ ‌ ‌ یونہی پردہ سا کچھ حائل ہو ہم ہوں
ستائیں ہم اسی طرح جس طرح چاہیں ‌ ‌ ‌ کوئی نشہ میں یوں غافل ہو ہم ہوں
تمہارا بام رشکِ آسمان ہو ‌ ‌ ‌ اگر تم ہو مہِ کامل ہو ہم ہوں
مزا خلوت کا آئے قتلگہ میں ‌ ‌ ‌ وہاں کوئی نہ ہو قاتل ہو ہم ہوں
ہر اک گوشے میں جیسے حشر برپا ‌ ‌ ‌ نئے فتنے ہوں وہ محفل ہو ہم ہوں
نہیں پروا نہ سبزہ ہو لبِ جو ‌ ‌ ‌ یہ مینا ہو لبِ ساحل ہو ہم ہوں
ہمارے ہاتھ میں ہو تیغ قاتل ‌ ‌ ‌ نہ ہو کوئی عدو بسمل ہو ہم ہوں
گرہ ہو زلف کی دل میں ہمارے ‌ ‌ ‌ ہمارا عقدہ مشکل ہو ہم ہوں
پرانے نجد میں اب ہوں نئے آج ‌ ‌ ‌ نئی لیلیٰ نیا محمل ہو ہم ہوں
یونہی ہم اپنی ہستی سے گزر جائیں ‌ ‌ ‌ ہماری سعی لاحاصل ہو ہم ہوں
یہ کم بخت اک جہان آرزو ہے ‌ ‌ ‌ نہ ہو کوئی ہمارا دل ہو ہم ہوں
نہ ہم اٹھیں نہ کوئی ہاتھ اٹھائے ‌ ‌ ‌ گلے پر خنجرِ قاتل ہو ہم ہوں
یہ سہو و محو ہوں ہم سیرِ گل میں ‌ ‌ ‌ ہر اک غنچہ ہمارا دل ہو ہم ہوں

ریاضؔ اس شوخ کو بھی تم سنا دو
وہ کیا ہے چلبلا سا دل ہو ہم ہوں

خیال شبِ غم سے گھبرا رہے ہیں
ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں

وہ کچھ غیر سے وعدہ فرما رہے ہیں
مرے سر کی جھوٹی قسم کھا رہے ہیں

یہ ہیں شوخیاں اپنی تصویر دے کر
شبِ وعدہ وہ ہم کو بہلا رہے ہیں

نہ افتاد کچھ پیش آئے الٰہی
ذرا ہم چمن کی ہوا کھا رہے ہیں

اٹھائیں نہ فتنہ یہ محشر میں کوئی
حسین لے چھوئی چھیڑی جھنجلا رہے ہیں

دمِ وعظ کیسے مزے میں ہیں واعظ
بھرے جام کوثر کے چھلکا رہے ہیں

یہ انسان بن جائیں کچھ ساتھ رہ کر
فرشتوں کو ہم راہ پر لا رہے ہیں

نہ لوں راہ میخانہ کس طرح واعظ
یہ بادل جو سر پر مرے چھا رہے ہیں

چنیں گے وہ افشاں سرِ بام کب تک
شبِ وعدہ کیوں تارے گنوا رہے ہیں

گلے کل ملیں گے وہ مینائے مے سے
جو پیتے ہوئے آج شرما رہے ہیں

لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں
جنازہ لئے دل کا ہم جا رہے ہیں

یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیا شیخ صاحب
بڑھاپے میں کیوں ڈاڑھی نُچوا رہے ہیں

قیامت بھی جاتی ہے ہر قدم پر
یہ کون آ رہا ہے؟ وہی آ رہے ہیں

دعا دی رہا ہوں یہ دیوانگی میں
چنیں پھول تنکے جو جنوا رہے ہیں

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاضؔ آ رہے ہیں

شیخ صاحب کیا چرا کر لے چلے رومال میں
کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

دن خوشی کا ایک بھی دیکھا نہ میں نے سال میں
میں ہوں خوش اس میں بھی اس کا شکوہ ہر حال میں

کچھ نہ ہو پھر بھی قفس اک گوشۂ آرام ہے
آشیاں بر باد خود پھنستے ہیں آ کر جال میں

دم اُلجھتا ہی مرا کیوں کر ملے مجکو نجات
رات دن دنیا کے جھگڑے جان ہی جنجال میں

کاتبِ اعمال کو مشقِ خطِ ساغر نہ تھی
حُسنِ خط آیا کہاں سے نامہ اعمال میں

کہتی ہے محرم نگاہِ شوق ہو یا دستِ شوق
اب نہیں حصّہ کسی کا اس اچھوتے مال میں

بوسہ لینے میں یہ سمجھے ہم گلوری ہے دبی
گالیاں لاکھوں بھری تھیں بھولی بھولی گال میں

غیر کے گھر سے پھری تو اب نہیں اُٹھتا قدم
ایسے نازک فرق آتے جلد آیا چال میں

کیوں مُصر ہیں رند چل کر کیجیے کچھ زہر مار
شیخ صاحب کچھ نہ کچھ کالا ہی بیشک دال میں

مرغِ جان کو لینے پھندے میں لکیریں ہاتھ کی
طائرِ رنگِ حنا تو آچکا ہے جال میں

ساتھ ہی سرکار[۱] کے جانا تھا ہم کو بھی ریاضؔ
ماہیِ بے آب کو رہنا تھا نینی تال میں

رنگ دل کا داغ کب لاتا نہیں
اس چمن کا پھول مرجھاتا نہیں

چلتے پھرتے رہتے ہیں نقشِ قدم
تو کہیں آتا نہیں جاتا نہیں

یہ حسیں اچھا ہی پردے میں رہیں
دیکھ کر ان کو رہا جاتا نہیں

چہچہے کرتے ہیں مرغانِ قفس
قید میں کیا دم بھی گھبراتا نہیں

در ہے میخانے کا دن ہے عید کا
اور کوئی مجکو بلواتا نہیں

حشر بھی واعظ کا اچھا حشر ہے
مکتب سے آتا ہے مگر آتا نہیں

پی بھی لو ہلکی سہی کچھ کم سہی
وصل میں بے مے مزا آتا نہیں

وردِ دشمن سُن کے یہ مجسے کہا
تم سُنو مجسے سُنا جاتا نہیں

ہاتھ میں اُن کے ہی جامِ مے ریاضؔ
اپنی ڈاڑھی تو بھی رنگواتا نہیں

عہ ۱ ۔ سر مہاراجہ محمود آباد اعلی اللہ مقامہ

ان آنکھوں میں ہیں رنگ محفل ہزاروں
ابھی رنگ دکھلائے گا دل ہزاروں

ہزاروں ہیں رخسار ارے تل ہزاروں
فدا تیرے تل پر ہیں کیوں دل ہزاروں

اگر بزم آرائی دل یہی ہے
بنیں گے حسین شمع محفل ہزاروں

نہ گرہیں کھلیں ان کے بند قبا کی
کھلے عقدۂ سربستہ مشکل ہزاروں

کیا تیرہ تاروں کو بھی اے شب غم
یہ روئے فلک پر ہیں کیوں تل ہزاروں

وہ شئے آج واعظ کو ہم نے پلا کر
مٹائے خیالات باطل ہزاروں

بہت مل رہیں گے چھری پھیرنے کو
سلامت یہ دل ہے تو قاتل ہزاروں

کوئی دیکھے زور جنوں فصل گل میں
بنے تار دامن سلاسل ہزاروں

یہ گلچیں نے کیوں پھول گلشن میں توڑا
کہ اس پر ہیں ٹوٹے عنادل ہزاروں

گلی میں ترے حشر کے دن بھی قاتل
پڑے لوٹتے ہوں گے بسمل ہزاروں

کہیں قیس ہے اب نہ لیلیٰ کہیں ہے
بگولے ہزاروں ہیں محمل ہزاروں

یہ ہے میکدہ کوئی چونکائے کس کو
پڑے ہیں یہاں مست و غافل ہزاروں

نہ ترسا انہیں آب خنجر کو قاتل
دعائیں تجھے دیں گے بسمل ہزاروں

لپٹ کر نہ پھر میرے دامن سے چھوٹے
گئے خار رہ سوئے منزل ہزاروں

یہ کیا شور ہے حشر میں ہو رہے ہیں
یہ کیوں جمع ہیں آج قاتل ہزاروں

رہیں تا قیامت جوانی کی راتیں
یہ راتیں ہیں تو ماہ کامل ہزاروں

ابھارے سے ابھرے نہ گل تیرے آگے
چہکنے کو چہکے عنادل ہزاروں

فن شعر بھی کیا ہی آسان فن ہے
جہاں دیکھو اس فن کے کامل ہزاروں

ریاض ان سے کہہ دو سنائیں سنبھل کر
بھرے میرے سینے میں ہیں دل ہزاروں

سیر کو جلوہ گاہِ طور کہاں ۔۔۔ دیر ہے پاس جائیں دور کہاں

جام کوثر ہیں دانۂ انگور ۔۔۔ کھچ کے آئی مئے طہور کہاں

بہت ہیں پتھر شرر ہیں پتھر میں ۔۔۔ جلوہ گر ہیں خدا کا نور کہاں

تاک میں دختِ رز ہی حجلہ نشیں ۔۔۔ باغ جنت سے آئی حور کہاں

سمجھے بُت دل کے آبلے توڑے ۔۔۔ شیشۂ دل ہوا ہے چور کہاں

شیخ لے کر چلا ہے ریش سفید ۔۔۔ اس کے منہ پر خدا کا نور کہاں

یہ بہت ہے ملے جو شاخِ قفس ۔۔۔ نخلِ طوبیٰ و نخلِ طور کہاں

گھر مرا ہے یہ بزمِ غیر نہیں ۔۔۔ آپ نشے میں آئے چور کہاں

یاد ایّام و جام باقی ہے ۔۔۔ مئے کہاں مئے کا وہ سرور کہاں

رنج و آلام کی ترقی ہے ۔۔۔ طرب و عیش کا وفور کہاں

مجھ سا دنیا میں ناشکیبا کون ۔۔۔ مجھ سا دنیا میں ناصبور کہاں

اے شبِ غم نہ توڑ یوں تارے ۔۔۔ آسماں ہے زمیں سے دور کہاں

بے اثر ہیں یہ نالہائے جنوں ۔۔۔ اثرِ نغمۂ طیور کہاں

حشر اُٹھانے میں ساتھ دے میرا ۔۔۔ گمُ ہوئی ہے صدائے صور کہاں

ہوتے سرکار کے کہوں کس سے ۔۔۔ پئے فریاد جاؤں دور کہاں

میری قسمت مجھے کہاں لائی ۔۔۔ میں کہاں اور رام پور کہاں

سنگِ در سے لڑی مری قسمت ۔۔۔ جاؤں اس در سے اے حضور کہاں

آستاں وہ جو آسمان پایا ۔۔۔ مجکو لایا مرا غرور کہاں

چار چاند اور اب جبیں کو لگے ۔۔۔ تھا جبیں میں مری یہ نور کہاں

حضرت رشک اب ہیں اور ریاض
چھوٹتا ہے درِ حضور کہاں

ہمارے ساتھ جو اپنے پرائے جاتے ہیں
ہم اُن سے سوئے لحد مُنہ چھپائے جاتے ہیں

وہ دیکھ دیکھ کے منہ مسکرائے جاتے ہیں
یہ وقت نزع کے شکوے مٹائے جاتے ہیں

نگہ کی طرح وہ خود شرم سے نہیں اُٹھتے
مرے اُٹھانے کو فتنے اٹھائے جاتے ہیں

ہمارے بوسوں کے لینے کا زور نہیں اُن کو
کہ ایک مُنہ میں وہ سو سو سنائے جاتے ہیں

دعائیں ہیں کہ نہ ٹھنڈی ہو یہ قیامت تک
وہ آگ دل میں ہمارے لگائے جاتے ہیں

تجلیوں کے لئے تابِ دید پیدا ہو
ہماری آنکھ سے پردے اٹھائے جاتے ہیں

کسی کا ہائے یہ کہنا مرے جنازے پر
کہاں یہ جاتے ہیں کیوں منہ چھپائے جاتے ہیں

عجیب رنگ ہے اس کارگاہِ عالم کا
بگاڑے جاتے ہیں نقشے بنائے جاتے ہیں

ستم کی راتیں ہیں یارب یہ وصل کی راتیں
ستانے والے بھی کیا کیا ستائے جاتے ہیں

کمر میں اپنی ہی نازک سی تیغ رہنے دیں
کسے ہمارے گلے وہ لگائے جاتے ہیں

کوئی بھی اہل جنوں کی یہاں نہیں سنتا
چمن کے نغمہ سرا اپنی گائے جاتے ہیں

پہنچ نہ جائیں کہیں بزم عیش میں ہم بھی
ہمارے واسطے پہرے بٹھائے جاتے ہیں

عدو سے ہوتی ہیں باتیں سنا سنا کے ہمیں
نہیں ہیں باتیں یہ ناوک لگائے جاتے ہیں

بنے گی زخمِ گلو کیوں یہ تیغ نازک سی
گلے کا ہار کسے وہ بنائے جاتے ہیں

وہ میری قبر پہ آئیں کہ جائیں غیر کے گھر
سنوارے جاتے ہیں گیسو بنائے جاتے ہیں

خدا کے گھر سے سوِ میکدہ یہ کون چلا
ریاض ہوں گے جو آنکھیں چرائے جاتے ہیں

داور حشر سے کیا شکوۂ بیداد کریں
ہاں سنیں آپ تو کچھ آپ سے فریاد کریں

بھول بیٹھے ہیں ہمیں بھولنے والے ایسے
یاد آئیں نہ کبھی ہم جو ہمیں یاد کریں

میں وہ مانوس قفس ہوں جو قفس سے جاؤں
انتظار آپ سے آجانے کا صیاد کریں

ہم یہ کہتے ہوں۔ کیا خوش نہ کسی نے ہم کو
بول اُٹھے کوئی آؤ تمہیں ہم شاد کریں

کام چل جائیگا زنجیر ہو جس طرح کی ہو
کچھ تکلف نہ مری واسطے حداد کریں

ہم سو کوہ گئے قیس کو دیتے آواز
یار آجاؤ ذرا ماتم فرہاد کریں

ہم سے دیوانے ریاضؔ اور کہاں نازک طبع
کہ جو وہ پھول سے بھی ماریں تو فریاد کریں

بُت اپنے آپ کو کیا جانے کیا سمجھتے ہیں
مرا خدا انہیں سمجھے خدا سمجھتے ہیں

ادا شناس کی اپنے ادا سمجھتے ہیں
کہ بے کہے وہ مرا مدعا سمجھتے ہیں

سمجھنے والے تمہاری ادا سمجھتے ہیں
وہ اور کچھ ہی جسے سب قضا سمجھتے ہیں

فلک کا نام نہ لے کوئی سامنے اُن کے
وہ اُس کے ذکر کو اپنا گلا سمجھتے ہیں

مجھے یہ آپ کے سر کی قسم نہ تھا معلوم
کہ آپ بھی رہ و رسمِ وفا سمجھتے ہیں

یہ شوخیاں بھی حسینوں کی کیا قیامت ہیں
شبِ وصال کو روزِ جزا سمجھتے ہیں

یہ دن شباب کے ہیں کوئی کیا کہے اُن کو
ابھی وہ کچھ نہیں اچھا برا سمجھتے ہیں

تمہارے کھوئے ہوؤں کا عجیب مسلک ہے
جو راہ زن بھی ملے رہنما سمجھتے ہیں

شب وصال مرے ہم نشیں سے فرمایا
یہی تو ہیں جو ہمیں بے وفا سمجھتے ہیں

خدا کرے کہیں موقع سے مجکو مل جائیں
یہی حسیں جو مجھے پارسا سمجھتے ہیں

ہمیں یہ حق ہے ترا منہ بھی چومنے جائیں
کہ تیرے شکوۂ بیجا بجا سمجھتے ہیں

نہ منع کرئے وہ معشوق سے ہمیں واعظ
کہ ہم شباب میں سب کچھ روا سمجھتے ہیں
خدا کی شان یہ کوٹھوں کے بیٹھنے والے
ہماری آہ کو اب نارسا سمجھتے ہیں
ریاضؔ عشق میں کافر بتوں کے ہے بے خود
مزا یہ ہے وہ اسے پارسا سمجھتے ہیں

تمہارے تیر نظر کو قرار بھی تو نہیں
نہ دل میں ہو نہ سہی دل کے پار بھی تو نہیں
نہ کوسیں آپ، کیا میں نے پیار بھی تو نہیں
جو ٹوٹیں ہاتھ گلے کا وہ ہار بھی تو نہیں
جمائیں رنگ کہاں لالہ زار بھی تو نہیں
چمن میں جا کے پئیں کیا، بہار بھی تو نہیں
گئے وہ دن کہ گریباں گلے کی پھانسی تھا
کفن کے نام کوئی آج تار بھی تو نہیں
یہ کیسی گھر میرے دن دوپہر ہے تاریکی
یہ کیا بلا ہے شب انتظار بھی تو نہیں
جناب شیخ اُلجھتے ہیں کس تعلق سے
یہ دختِ رز کے کوئی رشتہ دار بھی تو نہیں
یہ انتہا ہے نزاکت ہی تیری اے قاتل
کہ تیرے بس کی مری جان زار بھی تو نہیں
ہمارے کام یہ انگڑائیاں نہیں آتیں
کہ وہ اُتارتے ہم پر خمار بھی تو نہیں
ملے جو پینے کو دن میں تو عید ہو ساقی
ہم ایسے کوئی بڑے روزہ دار بھی تو نہیں
قیامت اور رہا ایں ہمیں اُٹھاتی تھی
ہماری خاک سے اُٹھتا غبار بھی تو نہیں
کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ
کہ اب دکان سے ملتی اُدھار بھی تو نہیں
گرا یہ تھک کے تراقیس نجد میں لیلےٰ
کہ اس کی خاک سے اُٹھتا غبار بھی تو نہیں
وہ کیا کریں گے مرا داغ داغ دل لے کر
گندھا ہوا کوئی پھولوں کا ہار بھی تو نہیں
قفس میں قید نہ کر ہم کو بے خطا صیّاد
کہ ہم نے باغ کی لوٹی بہار بھی تو نہیں
یہ کیا ادا ہے کسے وہ مٹانے آتے ہیں
مرا غبار ہے کوئی مزار بھی تو نہیں

عمامہ لے کے نہ دی میفروش کم ہم کو
ارے یہ نقد ہی سودا اُدھار بھی تو نہیں

حنا نے ہاتھ یہ بندھوائے ان حسینوں کے
کہ اپنے حُسن کی لوٹی بہار بھی تو نہیں

عدو ہی ساتھ لحد پر نہ ڈالو آنکھ میں خاک
بجھی ہوئی مری شمعِ مزار بھی تو نہیں

یہ کون توبہ شکن تھا، جو کہہ گیا واعظ
شکستِ توبہ سے دل شرمسار بھی تو نہیں

وہ ڈھونڈیں دل کے نہ اجزا ہوا کی موجوں میں
اُڑی کچھ آج کی خاک مزار بھی تو نہیں

نہ کھو وصل کی شب تم مری جوانی کو
ابھی شباب کی لوٹی بہار بھی تو نہیں

تمام عمر جلاتے رہے جو دل میرا
جلاتے آج چراغ مزار بھی تو نہیں

وہ آکے سیر کریں کیا ہمارے داغوں کی
ذرا سا دل ہے کوئی لالہ زار بھی تو نہیں

حساب زلف کے بوسوں کا، تل برابر رات
شبِ وصال ہے روز شمار بھی تو نہیں

ریاض اُداس ہے توبہ سے رنگ صحبت کا
بہت دنوں سے اب آئی اُدھار بھی تو نہیں

چھینٹے دیتی ہوئی رندوں کو گھٹائیں آئیں
پانی برساتی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں آئیں

بے ستوں سے طرفِ نجد گیا ہے کوئی
دردناک آج کئی بار صدائیں آئیں

تم کسی بات میں افسوس نہ پوری اُترے
نہ جفائیں تمہیں آئیں نہ وفائیں آئیں

اس ادا سے کہ فرستادۂ گردوں سمجھوں
گھر مرا پوچھتی اوپر سے بلائیں آئیں

ارے او ایک زمانے کے ستانے والے
حشر میں کام ترے میری دعائیں آئیں

کیا ادھر ہو کے بہا ہے کوئی دریائے شراب
جھومتی قبلے سے کیا مست گھٹائیں آئیں

اُن کے دیوانۂ گیسو یہ گلا کرتے ہیں
نہ بلائیں کبھی لینے کو بلائیں آئیں

چاہتے ہیں تجھے معشوق طرحدار ریاض
تجھ میں کم بخت کہاں سے یہ ادائیں آئیں

شب وصل اپنے نگہباں ہوئے ہیں
پریشاں کیا ہے پریشاں ہوئے ہیں

مرے آگے غیروں سے پیماں ہوئے ہیں
یہ کم آپ کے مجھ پر احساں ہوئے ہیں

سمائے ہیں اپنے نگاہوں میں ایسے
جب آئینہ دیکھا ہے حیراں ہوئے ہیں

فرشتوں میں بھی شیخ صاحب کی گنتی
یہ رندوں کی صحبت میں انساں ہوئے ہیں

شب وصل کیا جانے کتنی بڑی تھی
بہت ان کے گیسو پریشاں ہوئے ہیں

کہاں میں نے لوٹی معاصی کی لذت
وہ کچھ بھی نہیں ہیں جو عصیاں ہوئے ہیں

کیا یوں جدا گوشت ناخن سے اُس نے
کہ دل سے جدا دل کے ارماں ہوئے ہیں

مرا دم اُلجھتا ہے اے دست وحشت
مجھے پھانسی تار گریباں ہوئے ہیں

کچھ آوازیں آتی تھیں سنسان شب میں
اب ان سے بھی خالی بیاباں ہوئے ہیں

بڑی گہری چھنتی تھی نادان دل سے
بڑے یار غار اُن کے پیکاں ہوئے ہیں

مچی ہے بڑی دھوم اہل حرم میں
ریاضؔ آج شاید مسلماں ہوئے ہیں

اے ہجر یار جان بچے یہ یقیں کہاں
اب وصل کی اُمید نشاط آفریں کہاں

آئینے میں بناتے ہیں کیا کیا وہ عکس کو
اُن کو یہ ہے غرور کہ مجھ سا حسیں کہاں

دل کے لئے تو روز نیا داغ چاہیئے
رکھے ہوئے ہیں روز نئے مہ جبیں کہاں

پھینکا ہی اضطراب نے داماں چرخ میں
ملتی ہے دیکھئے ہمیں دو گز زمیں کہاں

مُنہ چوم کر چکھائیں گے انکار کا مزا
مُنہ سے ابھی نکالی ہے اُس نے نہیں کہاں

مدت ہوئی رسائی قسمت کو رو چکے
وہ سنگ در کہاں یہ ہماری جبیں کہاں

ساغر پر آنکھ پڑ رہی ہے بزم غیر میں
کھُل کھیلنے کو ہے نگہ شرمگیں کہاں

موج شرابِ ناب ہو یا خطِ جام ہو اُن گول بازوؤں کی پھنسی آستیں کہاں

دن رات محوِ شغل ہے اک خم کے آڑ میں
دنیا میں اب ریاضؔ سا گوشہ گزیں کہاں

تربت پر آئے ہیں قدم مہ جبیں کہاں اے چرخ ابھی دکھائی ہے تجکو زمیں کہاں

یہ کہکشاں دکھاتی ہے کیوں مجکو اوج موج چمکائیں میرے بام کو وہ مہ جبیں کہاں

جائے کہاں نکل کے کوئی اس جہان سے نیچے جو آسمان کے نہ ہو وہ زمیں کہاں

ماتم مرا ہوا ہے کہاں، کچھ کہیں تو آپ محرم کے ساتھ مسکی ہی آج آستیں کہاں

دل سے یہ کہہ رہی ہے تری زہر کی نگاہ اے تلخ کام تیرے لئے انگبیں کہاں

سیر چمن کو جائیے بھی دشمنوں کے ساتھ بالیں پر آئے آپ دمِ واپسیں کہاں

اے دل لئے پھریں تجھے دامانِ نازنیں رکھے ہیں ایسے تیرے لئے نازنیں کہاں

دل بھی جگر بھی دونوں لہو ہو کے بہہ چکے نشتر چبھوئے یار کی چین جبیں کہاں

پردے میں رہنے والے کو کچھ شرم چاہئے جاتی ہے دل کے ساتھ یہ جان حزیں کہاں

اب ہم ہیں اور محویتِ عشق اے جنوں ہمدم کہاں، ندیم کہاں، ہم نشیں کہاں

کوئی خدا کے پاس تو کوئی بتوں کے پاس جانِ حزیں کہاں، دلِ اندوہگیں کہاں

ٹوٹی ہے آکے کوچۂ جاناں میں آج یاس اب دیکھیں ٹوٹتا ہی دمِ واپسیں کہاں

کم بخت دل کے جانے کا مجکو قلق نہیں جاتی ہے مجکو چھوڑ کے جان حزیں کہاں

دشمن بھی کہہ رہے ہیں خداداد بات ہے
ساحر[1] سا اے ریاضؔ سخن آفریں کہاں

---

[1] - حضور مہاراجہ بہادر محمود آباد۔

ہم کسی کو جو پیار کرتے ہیں / شکوہ پھولوں کے ہار کرتے ہیں

او خود آرائے بزمِ یکتائی / اہلِ حشر انتظار کرتے ہیں

یہ جو ہم کھل کے مئے نہیں پیتے / خوف آمرزگار کرتے ہیں

جرعہ جرعہ کبھی جو مئے پی ہے / توبہ ہم بار بار کرتے ہیں

حشر کے دن بھی چاہنے والے / جان تم پر نثار کرتے ہیں

زد میں رہتے ہیں رو نظارۂ حسن / ہم اُنہیں کا شکار کرتے ہیں

اہلِ سبحہ کو رزق کی ہے حرص / دانہ دانہ شمار کرتے ہیں

کیا ملے ہم سے میکشوں کو ریاض
دے کے دو، دس اُدھار کرتے ہیں

شوخی سہی تو شوخی بھی نہیں رنگِ حنا میں / کن ہاتھوں سے ماتم ہو مری بزمِ عزا میں

ٹھکراؤ قیامت کو نہ تم پاؤں سے ایسا / گھبرا کے چلی آئے مزارِ شہدا میں

وہ خوش کہ فریب اس کو دیا ہم کو تسلی / دونوں کو مزے آتے ہیں پیمانِ وفا میں

تم پھینک ہی دو گے، وہ کہیں بیچ ہی لے گا / ہاں دے بھی دو چپکے یہ دل دستِ گدا میں

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے کو ہو آئے / پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں

سوکھے ہوئے مرجھائے ہوئے پھول لحد پر / آجاتے ہیں دو چار کبھی اُڑ کے ہوا میں

اب روئے گی وحشت مری دامن سے لپٹ کر / دو ہاتھ، وہ مصروف ہیں دن رات دعا میں

دامانِ کفن ڈال کے ہم جاتے ہیں مُنہ پر / اُڑتی ہے بہت خاک سرِ راہِ فنا میں

آنکھوں میں شرارت ہی کہ رُکے نہیں کہتی / شوخی ہے کہ بے چین ہے آغوشِ حیا میں

لینے کو بڑی ٹھاٹھ سے آتی ہے قیامت / دھومیں ہیں مچی آج مزارِ شہدا میں

ہم کو نہیں چین آگ لگے سوزِ دروں کو ٹھنڈے ہیں چراغ سرِ تربت بھی ہوا میں

ہاتھوں سے یہ ٹپکے گا بھرو ہاتھ نہ اپنے ملنے کا نہیں خون مرا رنگِ حنا میں

اے بیکسیِ گور خدا تجھ میں اثر دے ہیں پھول بھرے آج تو دامان ہوا میں

وہ بیٹھے رؔیاض آج تو کچھ جھوم رہے ہیں

اب یہ بھی گِنے جاتے ہیں مردانِ خدا میں

جام ہے دستِ یار میں یار ہے لالہ زار میں پھول اُڑے بہار میں پھول کِھلے بہار میں

خاک ہیں کوئے یار میں رنگ ہیں ہم ہوا میں داغ ہیں لالہ زار میں لالہ ہیں کوہسار میں

ساقیِ شوخ ادا بتا۔ کیوں نہ وہ مجھ تک آسکا لعل لگے ہیں ایسے کیا ساغرِ زرنگار میں

ہم کو ہو اسکون کب جو ہیں رواں دواں ہیں سب جھول رہے ہے روز و شب گردشِ روزگار میں

ہم ہیں بتوں کی گھات میں دن میں ملیں کہ رات میں لطف ہے اُن کی بات میں لطف ہے ان کے پیار میں

جیب ہے چاک آتے ہیں بن کے وہ پاک آتے ہیں چھان کے خاک آتے ہیں دیدۂ انتظار میں

چرخ کا دور مٹ گیا چرخ کا جور مٹ گیا چرخ تو اور مٹ گیا پڑ کے مرے غبار میں

پوچھیئے کچھ نہ حالِ زار کوئی نہ یوں ہو بیقرار آتی ہے موت بار بار آپ کے انتظار میں

مفت ہے۔ گو ملے گراں پی کے کیا ہے امتحاں نقد میں وہ مزا کہاں لطف ہے جو اُدھار میں

لائی اسے مری تلاش ہیں نہ کہوں گا دور باش بن کے فرشتہ آئی کاش شیخ مری مزار میں

آئی کسے اجل رؔیاض حشر بپا تھا کل رؔیاض

کیا کہوں ہیں غزل رؔیاض طرح پیامِ یار میں

ہے پئے شیخ و برہمن ایک سی بو پھول میں پاتے ہیں سب دوست دشمن ایک سی بو پھول میں

ہے کہاں اے اہلِ گلشن ایک سی بو پھول میں پھول ہے تم رنگ لو دامن ایک سی بو پھول میں

مدتیں گزری ہیں دست ناز سی پھینکے ہوئے
پھول ہے بالائی مدفن ایک سی بو پھول میں

شاہد گل سے ہی کتنی ملتی جلتی دختِ رز
ایک خوبو دونوں پر فن ایک سی بو پھول میں

بوئے گل پر تنتی ہے کیا اس قدر ای شاخِ گل
کیوں جھکے مینا کی گردن ایک سی بو پھول میں

آکے تم میرے دلِ پُر داغ کی دیکھو بہار
ایک سا ہی رنگِ گلشن ایک سی بو پھول میں

بادۂ رنگیں میں موجِ بو کی حالت پائدار
شیشے میں دیوار آہن ایک سی بو پھول میں

غنچۂ دل میں ہمیشہ ایک سی بوئے وفا
کب رہی او گل یہ دامن ایک سی بو پھول میں

ایک سا دیکھا ہمیشہ دختِ رز کا رنگ روپ
وہ جوانی ہو کہ بچپن ایک سی بو پھول میں

یار کی لب کی مسّی میں رنگ و بو یکساں مدام
تو دکھا دی ہم کو سوسن ایک سی بو پھول میں

شاہد گل کی طرح رنگیں لباس و عطر بیز
ایک سا ہی رنگِ دامن ایک سی بو پھول میں

بے خزاں ہے معصیت کاروں کا گلشن ای ریاضؔ
پھول ہے ہر داغ دامن ایک سی بو پھول میں

دل جلوں سے دل لگی اچھی نہیں
رونے والوں سے ہنسی اچھی نہیں

منہ بناتا ہے بُرا کیوں وقت وعظ
آج واعظ تو نے پی اچھی نہیں

زلفِ یار اتنا نہ رکھ دل سے لگاؤ
دوستی نادان کی اچھی نہیں

بتکدے سے میکدہ اچھا مرا
بیخودی اچھی خودی اچھی نہیں

مفلسوں کی زندگی کا ذکر کیا
مفلسی کی موت بھی اچھی نہیں

اس قدر کھنچتی ہی کیوں اے زلفِ یار
لے کے دل اتنی کجی اچھی نہیں

آئیں میری بزم ماتم میں وہ کیا
ہاتھ میں مہندی رچی اچھی نہیں

شیخ کو وے دو جسے بے رنگ و بو
اس کی قسمت سی کھنچی اچھی نہیں

اک حسیں ہو دل کے بہلانے کو روز — روز کی یہ دل لگی اچھی نہیں
ذرّہ ذرّہ آفتابِ حشر ہے — حشر اچھا وہ گلی اچھی نہیں

اہلِ محشر سے نہ اُلجھو تم ریاضؔ
حشر میں دیوانگی اچھی نہیں

دمِ آخر کسی کا شکوۂ بیداد کرتے ہیں — نہیں ہیں ہچکیاں رہ رہ کے ہم فریاد کرتے ہیں
رہا ہو کر ہم اتنی خاطرِ صیّاد کرتے ہیں — نشیمن رات کو دن کو قفس آباد کرتے ہیں
فغاں سُن کر مری وہ ناز سے ارشاد کرتے ہیں — کہاں تو مر رہی لے ہونٹ تجھ کو یاد کرتے ہیں
بڑھاپے میں تجھے ہم اے جوانی یاد کرتے ہیں — اب اپنی عمرِ آخر اس طرح برباد کرتے ہیں
عجب انداز سے کہتی ہیں دل کی حسرتیں مجھ سے — ہمیں گھر سے نکالیں گھر وہ کیوں برباد کرتے ہیں
نہ آنکھوں میں کبھی آنسو نہ ہونٹھوں پر کبھی نالے — نہ ہم قسمت کو روتے ہیں نہ ہم فریاد کرتے ہیں
گلے میں کیوں رگِ جاں بن کے خنجر رہ گیا تیرا — کہیں بسمل سے ایسی شوخیاں جلّاد کرتے ہیں
یہ کیوں ہے دشمنوں کو دوستوں کو جستجو اس کی — وہ مجھ پر رحم فرماتے ہیں یا بیداد کرتے ہیں
گرا ناہی ہمیں کچھ بجلیاں صیّاد کے گھر پر — اثر خیز اک نئی طرزِ فغاں ایجاد کرتے ہیں
دلِ مضطر کی تصویریں بھری ہیں کیا مُرقع میں — کچھ اُستادی بھی اِس میں مانی و بہزاد کرتے ہیں
ہمارے ساتھ ہی صیّاد بھی یارب مصیبت میں — کلیجا مُنہ کو آتا ہے جو ہم فریاد کرتے ہیں
لکھا کس حُسن سے خط میں کہ ہم تجھ سے کشیدہ ہیں — کشش حرفوں کی ایسی ہے کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں
اُٹھوں گا یونہی محشر میں لیے میں اُن کے خنجر کو — گلے میری لگاتے ہیں یہ کیا جلّاد کرتے ہیں
کہاں وہ ہیں کہاں ہم ہیں پڑا ہی تفرقہ یارب — وہ ہم کو یاد کرتے ہیں ہم اُن کو یاد کرتے ہیں
مری صورت جو دیکھی ہم نشیں سے ہنس کے فرمایا — یہی کُہسار پر اب ماتمِ فرہاد کرتے ہیں

کبھی تھوڑی سی پی لی اب نہیں اسکی بھی کچھ پروا ... الگ گوشے میں بیٹھے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں

مجھے دیکھا تو بولے میری کوچے سی نکل جائیں ... یہ دل میں چٹکیاں لیتے ہیں یا فریاد کرتے ہیں

بزرگی ہے کہ مرتے ہیں بتان شوخ پر اب بھی

ریاض اس عمر میں کیوں عاقبت برباد کرتے ہیں

سیوں کیا ہی نگاہ یاس رشتہ چشم سوزن میں ... گریباں میں گریباں ہے نہ اب دامن ہے دامن میں

کہاں قسمت کہ یہ چمکے کسی مہوش کے دامن میں ... دل پر داغ کو پھینک آئیں جا کر کوئی دشمن میں

یہ جنوں میں پھول اے دوست جنوں کیا جائے گلشن میں ... رہی ہیں دھجیاں کچھ جو گریباں میں نہ دامن میں

تجلی گاہ میں اپنی الٰہی کون آیا تھا ... جڑے ہیں آئینے نقش قدم نے دشت ایمن میں

عنادل کی طرح میری سلاسل شور کرتی ہیں ... چلو زنداینو شاید بہار آئی ہے گلشن میں

لحد کی تیرگی نے گم کیا مجکو بھی ان کو بھی ... بہت کھوئے گئے میری فرشتے آکے مدفن میں

سمجھتا تھا سوا میں بال و پر سی تنکے تنکے کو ... پڑی ہی جان میری اے قفس والو نشیمن میں

نہ پھینکیں آپ دامن سے نہ ٹھہریں گے یہ تربت پر ... تڑپ کر جا رہیں گے قبر سے یہ پھول دامن میں

مبارک چین سے سونا یہ کاروں کو محشر تک ... فرشتوں کا گزر مشکل ہی ان کے تیرہ مدفن میں

پس دفن آئے پرسش کے لئے بس ہو چکی پرسش

فرشتے جائیں حوریں اے ریاض آئیں گے مدفن میں

سر پر زمین حشر اٹھائیں گے ڈر نہیں ... جس کا جنوں میں پاس تھا وہ رہگزر نہیں

میں بھی مرا رقیب بھی دونوں میں خلد میں ... جنت اگر یہی ہے تو اپنا گزر نہیں

مشعل جلا کے غول بیاباں چلیں گے ساتھ ... کیا خضر گم ہوئے تو کوئی راہبر نہیں

لکھو کر یہ آسماں سے خدا جانے کیا ہوا ... دشنام تلخ یار میں بھی اب اثر نہیں

وہ چُپ ہوئے تو چپ سے مرے کام بن گئے　　جھنجلا گئے تو ضد سے رہی رات بھر نہیں

دوزخ میں جا کے نہر بہائیں شراب کی
اتنا ریاضؔ آپ کا داماں تر نہیں

کیا قیامت ہے لحد پر مری وہ آتے ہیں　　اپنے سائے کو جو چلتے ہوئے ٹھکراتے ہیں

چٹکیاں موجِ تبسّم کی نہ آفت ڈھائیں　　لب نزاکت سے ترے سرخ ہوئے جاتے ہیں

کس قدر گورِ غریباں کے ہیں افسردہ چراغ　　جس قدر تیز کرو اور بجھے جاتے ہیں

لطف جی بھر کے اٹھا لیتے ہیں بیبا کی کا　　ہم تصوّر میں ترے اور مزا پاتے ہیں

شرم سے کچھ سحرِ وصل وہ کہتے تو نہیں　　کروٹیں لیتے ہیں بیچین ہیں جھنجلاتے ہیں

جانتے ہیں اُسے بیگانہ و شوخ و گستاخ　　آئینہ سامنے آتا ہے تو شرماتے ہیں

خاک پا کس کی ہے نقشِ کفِ پا کس کے ہیں　　ناتواں ہم سے جو گرتے ہیں تو سو جاتے ہیں

دل میں بھولی سی رہا کرتی ہے صورت کس کی　　دیکھئے آئینہ ہم آپ کو دکھلاتے ہیں

چھیڑنا چاہتے ہیں اپنے پریشانوں کو　　کھول کر زلف وہ کچھ اور بھی اتراتے ہیں

بنتے ہیں انجمنِ ناز میں بھولے کتنے
وہ بناتے ہیں ریاضؔ اور بنے جاتے ہیں

اک تار پیرہن نہ تھا میں زار پیرہن میں　　رکھیں کسے لحد میں رکھا ہی کیا کفن میں

چھُٹ کر قفس سے یارب جائیں گے کس جگہ ہم　　برباد آشیاں تھے پہلے ہی ہم چمن میں

لائے گا دورِ بادہ کھویا ہوا زمانہ　　میرا شباب ہو گا جامِ مئے کہن میں

کرتے ہیں وجد اب تو سُن سُن کے کعبے والے　　میں نے وہ روح پھونکی ناقوسِ برہمن میں

آئیں گے جب فرشتے تو منہ کھلے گا اس کا　　بوتل کوئی چھپا کر رکھ دی مرے کفن میں

کیا ہو گئیں وہ شمعیں روشن جہاں تھا جن سے
اُٹھکر اس انجمن سے پہنچیں کس انجمن میں

دزد کفن نہ سمجھوں آئیں اگر فرشتے
میرا کفن لگا دیں سب مزد گورکن میں

اُن سے دمِ تکلم نکلیں گے بات بن کر
نالے رُکے ہوئے ہیں کب سے مری دہن میں

ہے رنگ و بو اسی کا ہے روشنی اسی کی
وہ پھول ہے چمن میں وہ شمع انجمن میں

اے گور میرے بدلے تو آنکھ میں جگہ دے
حسرت چلی ہے میری چھپکر مرے کفن میں

ابرو کا خم اُڑا کر چتون کے بل اُڑا کر
اب تیغ بڑھ گئی ہے قاتل سے بانکپن میں

آتی ہیں وہ نگاہیں مشکل سے اب مژہ تک
کتنے بھرے ہیں فتنے اس چشم سحر فن میں

اچھی نبھے گی اس سے ہمسایگی بھی ابھی
گھر بیکسی بنائے آکر مرے وطن میں

پڑھنا مشاعرے میں زیبا ریاض پر ہے
بلبل چہک رہا ہے گویا کسی چمن میں

بن بن کے وہ آئینہ ذرا دیکھ رہے ہیں
آغاز جوانی کی ادا دیکھ رہے ہیں

پھوٹا ہے کہاں رنگِ حنا دیکھ رہے ہیں
رنگیں ترے نقش کفِ پا دیکھ رہے ہیں

سوتے میں جوانی کی ادا دیکھ رہے ہیں
ٹوٹے ہوئے ہم بند قبا دیکھ رہے ہیں

اب پردہ نشیں پائیں گے تعلیم حیا سوز
کچھ آپ زمانے کی ہوا دیکھ رہے ہیں

نوخاستہ سبزے کو ہوئی جاتی ہے لغزش
مستی تری ہم باد صبا دیکھ رہے ہیں

بن بن کے قضا کھیل رہی ہے مرے سر پر
وہ آئینے میں اپنی ادا دیکھ رہے ہیں

بنتے نہ بنا تھا شب فرقت کو شبِ وصل
اللہ یہ ہم خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں

آئے تو ہیں پینے نہیں ناصح ابھی ساقی
قُلقُل کا تری رنگ ذرا دیکھ رہے ہیں

دے جائے ذرا رنگ مرا داغِ محبت
دل میں وہ مرے نقش وفا دیکھ رہے ہیں

دیکھا نہیں ہم نے ابھی دنیا کا بدلنا بدلی ہوئی دنیا کی ہوا دیکھ رہے ہیں
اُٹھ جائیں دمِ نزع کہ دم توڑ رہا ہوں بیٹھے سرِ بالیں مجھے کیا دیکھ رہے ہیں

اب خارِ ریاضؔ آنکھ میں ہے عالمِ ہستی
ہم دوسرے عالم کی فضا دیکھ رہے ہیں

ہم غریبوں پہ جفا اچھی نہیں بیکسوں کی بد دعا اچھی نہیں
موت آئے یہ دعا اچھی نہیں ہجر میں بھی موت کیا اچھی نہیں
دل لگی میں تو بگڑتی ہے بہت بات یہ زلفِ رسا اچھی نہیں
ہاتھ رنگنے کا لہو سے ہو گمان شوخ اتنی بھی حنا اچھی نہیں
کیوں اُڑاتی خاک آتی ہے بہار چھیڑ اسیروں سے صبا اچھی نہیں
کام میخانے کا ہو جائے گا بند چشمِ ساقی کی حیا اچھی نہیں
بوسۂ لب سہی نہیں چلتا ہے کام گالیوں کی یہ سزا اچھی نہیں
شیخ یہ کہتا گیا پیتا گیا ہے بہت ہی بد مزا اچھی نہیں
دل وہ سب کے لیں یہ ہے اچھی ادا جان لینے کی ادا اچھی نہیں
غم غلط کرنے کو میں کتنی پیوں رات دن غم کی گھٹا اچھی نہیں
بعد جس کے ہجر ہو وہ وصل کیا دردِ دل اچھا دوا اچھی نہیں
ایک کافر مجھ سے یہ کہتا گیا رات دن یادِ خدا اچھی نہیں

میکدے کو چھوڑ کعبے جا ریاضؔ
غفلت اے مردِ خدا اچھی نہیں

شررِ طور ہے جو موج ہے پیمانے میں بجلیاں کوندتی ہیں آج تو میخانے میں

ایک خوشے کے برابر نہیں میخانے میں
خم میں جو ہی وہ ہو انگور کے ہر دانے میں

شعلۂ شمع سے مل کر لگے سرخاب کے پر
اور تو بات نہیں کوئی بھی پروانے میں

چھیڑیے یوں دل وابستہ شگفتہ ہو جائے
لطف کھلنے میں ہے یا پھول کے مرجھانے میں

بزم ساقی میں جو بنتی ہے پری شیشے میں
ہے اسی کی جھلک انگور کے ہر دانے میں

رہتے ہیں جو لب لعلین بتاں پر اکثر
ایسے ٹکڑے تو کئی ہیں مرے افسانے میں

آپ کا وصل نہ ہو جان کا جنجال کہیں
بڑھ گئے زلف سی بھی آپ تو بل کھانے میں

اور بھی چاند سی شکلیں ہیں نہیں آپ نہ ہوں
نور کی شمعیں ہیں روشن مرے کاشانے میں

وے وے تو میری جوانی ترے صدقے ساقی
ہے وہی تیری چھلکتے ہوئے پیمانے میں

اودی اودی یہ گھٹائیں سوئے گلشن جائیں
نہ کریں رقص یہ پریاں مرے ویرانے میں

پھر یہ زنجیریں کہاں آئی جہاں فصل بہار
قوت آجاتی ہے کتنی ترے دیوانے میں

لطف ہی دیر و حرم دونوں سے مجکو اے شیخ
دل ہے کعبے میں مرا جان ہے بتخانے میں

جیسے ہر وقت کلیجے میں ہوں شمعیں روشن
سوز ہی سوز ہی جان سوختہ پروانے میں

نہیں پڑتے ہیں زمیں پر کبھی وہ نقش قدم
کیوں اڑا رنگ حنا غیر کے گھر جانے میں

رزق ملتا ہے در حضرت ساحر سے ریاض
جام چھلکاتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

توبہ شکنی کے لئے زاہد وہی جنگ چمن میں
کاگ اڑتے نظر آئی کئی فرسنگ چمن میں

بے موسم گل خوب جما رنگ چمن میں
کل خوب گھٹی خوب چھنی بھنگ چمن میں

ہر گل کا گراں وزن رہا رنگ چمن میں
ٹھہرا نہ کوئی لعل بھی پاسنگ چمن میں

غنچے کے چٹکنے کی صدا ہم نے اڑائی
سیکھے پئے فریاد نئے ڈھنگ چمن میں

ہر آنکھ الگ جوئے سرشک آج بنے گی
دیکھیں گے رواں وہ چمن و گنگ چمن میں

سروِ چمن و سروِ چماں کیا ترے آگے
جو سرو رواں ہو وہ کرے لنگ چمن میں

وحشت نہ گئی سیر سے بہلی نہ طبیعت
پتّوں نے بجائی کبھی دف و چنگ چمن میں

ہم نے گل و بلبل سے کبھی سوسن سے بھی پوچھا
گلشن کی زباں کی نہیں فرہنگ چمن میں

ملنے کی نہیں ساز سے آوازِ عنادل
شاخیں لئے بیٹھی ہیں مردنگ چمن میں

دامن ہی جنوں میں نہیں کس طرح چنوں پھول
جاتا ہوں تو آتا ہے مجھے ننگ چمن میں

اللہ یہ رنگِ اثر موسمِ گل کا
لعل اُگلے جو آجائے کوئی سنگ چمن میں

آتی ہیں گھٹائیں تو بتاتے ہیں ہوا آج
چھائے ہوئے ہیں گیسوئے شبرنگ چمن میں

شرمائیں ریاضؔ آج سیہ گیسووں والے
وہ ریشِ حنائی کا جمے رنگ چمن میں

یہ سیدھے جو اب زلفوں والے ہوئے ہیں
ہمارے ہی سب بل نکالے ہوئے ہیں

تبسّم فزا میرے نالے ہوئے ہیں
ذرا شوخ اب شرم والے ہوئے ہیں

مرے ہاتھ پر کھیلے ہیں افعی زلف
یہ سانپ آستینوں کے پالے ہوئے ہیں

نہیں ہم کو لغزش کا ڈر میکدے میں
کہ دو دو فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں

الجھتے ہیں سوتے میں زلفوں سے کیا کیا
وبال اُن کو کانوں کے بالے ہوئے ہیں

چھپا کر بہت پی ہی مسجد میں واعظ
یہ ظرفِ وضو سب کھنگالے ہوئے ہیں

شب وصل بولے نہ اب دل میں آئیں
جو ارماں میرے نکالے ہوئے ہیں

الگ ہی خدائی سے کچھ ساخت اُن کی
یہ بت اور سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں

جو یاد اب تک آتے ہیں اہل چمن کو
قفس میں وہی نغمے نالے ہوئے ہیں

کسی پر دمِ حشر کیا آنکھ ڈالوں
حسیں سب مری دیکھے بھالے ہوئے ہیں

جنوں رنگ لایا ہے پھر فصلِ گل میں
نہیں لالہ سب زخم آلے ہوئے ہیں

چراغ اب شبِ وصل جلنے نہ دیں گے
وہ گیسو جو بل کھا کے کالے ہوئے ہیں

نزاکت نے تیری گرایا نظر سے
سُبک کتنے بھاری دوشالے ہوئے ہیں

یہ اے شیخ گنبد نہیں مسجدوں میں
خُمِ مے ہمارے اُچھالے ہوئے ہیں

بھری بزم میں لطفِ خلوت نہیں ہے
وہ نشے میں ہیں ہم سنبھالے ہوئے ہیں

یہ کہتی ہے مست آنکھ ان کی شبِ وصل
کئی آج خالی پیالے ہوئے ہیں

بہے ہیں جو فرقت میں آنکھوں سے میری
وہ دریا تو آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

ارے کانٹو جو اشک مژگاں سے ٹپکے
وہی پاؤں پڑ پڑ کے چھالے ہوئے ہیں

سُبو آبِ زمزم سے دھو کر بھری مے
اچھوتے ہیں جتنے کھنگالے ہوئے ہیں

جوانی میں کیوں سر اٹھائیں نہ گیسو
کہ اب ڈسنے والے یہ کالے ہوئے ہیں

وہ محشر میں کیا عیب کھولیں گے میرے
جو رحمت سے اب پردہ ڈالے ہوئے ہیں

سُنا ہے ریاضؔ اپنی ڈاڑھی بڑھا کر
بُڑھاپے میں اللہ والے ہوئے ہیں

بہرِ لیلےٰ دیدۂ مجنوں نہیں محمل نہیں
جس میں آجائے تمنّا وہ ہمارا دل نہیں

دل تو ہے کیونکر کہوں پہلو میں میرے دل نہیں
ہے وہی محفل مگر اب گرمیِ محفل نہیں

پیار سے کہتے ہیں کیا پہلو میں تیرے دل نہیں
وہ تڑپ پہلی سی اب کیوں اے مرے بسمل نہیں

ہو گیا کل نزع کی سختی کا مر کر امتحان
جو نہ آساں ہو کوئی ایسی کڑی منزل نہیں

وہ چرائیں آنکھ اپنی جان لے کر شوق سے
پھیر لیں ہم بھی نظر ایسا ہمارا دل نہیں

ہو سرِ دامن تو کچھ ہو چھیڑنے کو حشر میں — خون میرا تیری گردن پر مرے قاتل نہیں

کچھ جوابِ تلخ میں لطف شرابِ تلخ ہے — تیرے صدقے میری ساقی میں کوئی سائل نہیں

دور سے دوڑا دیا اُڑ کر غبارِ نجد نے — قیس ہے ناقہ نہیں لیلےٰ نہیں محمل نہیں

جان لے کر ہر ادا ظالم کی ہے جان آفرین — ہو کے قاتل وہ مرا دشمن نہیں قاتل نہیں

دست بے رنگِ حنا محشر میں دامن پاک صاف — رنگ ذرا قاتل کو دے ایسا کوئی بسمل نہیں

میری بحرِ غم کا مل سکتا نہیں ہے اور چھور — موج ہے گرداب ہے طوفان ہے ساحل نہیں

کہتے ہیں اُس دن تو وقتِ ذبح ہاتھوں میں نہ تھی — خونِ ناحق میں ترے میری حنا شامل نہیں

اے خیالِ یار کیوں آیا پسینا نزع میں — منزلِ اول تو کچھ ایسی کڑی منزل نہیں

کانگرس کی بزم میں ہیں کام کی باتیں ریاضؔ
جس میں دورِ جامِ بادہ ہو یہ وہ محفل نہیں

جس میں پروانہ تھی خود یہ شمع وہ محفل نہیں — ہائے اب وہ سن نہیں وہ دن نہیں وہ دل نہیں

سب حسیں کہتے ہیں دل کو دیکھ کر وہ دل نہیں — دل لگاؤں کیا کسی سے اب یہ اس قابل نہیں

خونِ دامن شوخ ہے جو چاہے محشر میں کہے — جو مجھے لے زیرِ دامن وہ مرا قاتل نہیں

ساتھ دیوانے کے لیلیٰ تو بھی دیوانی ہوئی — تو ہے جس میں قیس کا دل ہے ترا محمل نہیں

دشتِ الفت میں کہیں ٹھہرے یہ رنگِ عشق ہے — بیقراری جادہ ہے لیکن سکوں منزل نہیں

عکسِ صورت کی طرح اڑ گئے کیوں اس میں آپ — دیکھیے تو آپ کا یہ آئینہ ہے دل نہیں

مضطرب سی اک سبک رو موجِ خونِ گرم ہوں — قتل گاہِ نازنیں سمجھا کوئی بسمل نہیں

لہلہائے لاکھ یارب کشتِ زارِ آرزو — کچھ بھی جز نشو و نما کم بخت کا حاصل نہیں

مسکراتے آئے ہیں دینے نجات اس بوجھ سے — دل مرا ہے یہ کوئی سینے کی میرے سل نہیں

گالیاں دے کر کیا تو آج وعدہ حشر کا | چوم لوں مُنہ آپ کا میں تو کسی قابل نہیں
ٹوٹی کیا اُمید تنکے کا سہارا بھی گیا | جس کو ہم سمجھے تھے ساحل موج ہے ساحل نہیں
آپ کے کہنے سے نکلے آپ اسے سمجھے ہیں کیا | ایسی ویسی کوئی میری آرزوئے دل نہیں
اب ہماری واسطے محشر میں جو ہو اہتمام | جائیں گے جنت میں کیا دوزخ کے بھی قابل نہیں
جرعۂ مے دانۂ تسبیح ہیں بہرِ شمار | کعبہ ہو مے خانہ ہو ہم کام سے غافل نہیں

حشر میں بو بادۂ کوثر کی آتی ہے ریاضؔ
مے نہ ہو ہم ہوں کوئی ایسی کہیں محفل نہیں

ہوا اثر جو کچھ خدا کے نام میں | اور کیا رکھا ہے اب اِسلام میں
پائے خُم دستِ سُبو ہیں کام میں | آ رہی ہے آج میرے جام میں
جتنے خُم تھے آگئے سب کام میں | کھچ گئی توبہ شکن کے جام میں
کیا بھرا تھا زہر میرے نام میں | آگئی تلخی لبِ دشنام میں
نجد میں کیا قیس کا ہے عرس آج | ننگے ننگے جمع ہیں حمّام میں
یوں چھپی ہے چور جیسے زخم کا | کوئی حسرت ہے دلِ ناکام میں
وصل کی شب اتنے چوسے اُن کے لب | لذّت اب باقی نہیں دشنام میں
صدقے صدہا انقلابِ روزگار | آنکھ پھیری کس نے دورِ جام میں
گالیاں دیں نامہ بر کو تلخ تلخ | حرف بوسہ زہر تھا پیغام میں
موجِ مے شاید پرِ پرواز ہے | اُڑ کے آجاتی ہے میری جام میں
یہ سمجھ کر کس قدر ہے عیب پوش | ہم چھپے ہیں جامۂ احرام میں
جا کے در پر جب سُنا تو یہ سُنا | شب کے جاگے ہیں ابھی آرام میں

وصل کی شب تو نہیں یارب کہیں | صبح کی کچھ کچھ جھلک ہی شام میں
پائی ہے بادِ مخالف سے نجات | دم تو لے لیں آ گئے ہیں دام میں
تم ذرا کہہ دو تو آکر برقِ طور | ڈال دے بتی چراغِ شام میں
مُنہ بنا لیتے ہیں جب لیتے ہیں نام | کتنی تلخی ہے ہمارے نام میں
اب جوانی تو کہاں لیکن ابھی | ہے جھلک اس کی مۓ گلفام میں

میرے گھر حجرے کو وہ آئے ریاضؔ
لے گئے دل عید کے انعام میں

یہی بن جاتی ہے ظالم غلط انداز کہیں | چوکتی ہی نہیں تیری نگہِ ناز کہیں
حشر میں سب سے الگ اپنی بنا لوں جنت | آج موقع سے ملے تو بتِ طنّاز کہیں
اتنی اُبلے کہ درِ دیر و حرم تک پہنچے | خُم میں منہ ڈال کے کہہ دوں جو کوئی راز کہیں
جاؤں کیا گرمیِ گفتار سے جی ڈرتا ہے | طور کو پھونک نہ دے شعلۂ آواز کہیں
وہی بلبل وہی پروانہ وہی گل وہی شمع | بو کہیں رنگ کہیں سوز کہیں ساز کہیں
ہم اُسے سجدہ کریں تم کو تو جھُک کے سلام | کام بن جائے ہمارا جو خدا ساز کہیں
میرے قابو کے قفس میں نہیں اے فصلِ بہار | لے اُڑیں مجکو نہ میرے پرِ پرواز کہیں
طور سے قبل بھی باتیں ہوئی ہیں روزِ الست | اس سے پہلے بھی سُنی ہے تری آواز کہیں
جان کی خیر جنوں بن کے شباب آتا ہے | رنگ لائے نہ جوانی کا یہ آغاز کہیں
تیرے صدقے تری قربان وہ دنیا ہو کہ حشر | چھپنے والے ترے چھپتے نہیں انداز کہیں
جام چھلکائے کوئی موج اٹھے جان پڑے | دخترِ رز کے ہلیں تو لبِ اعجاز کہیں
نظر آتے ہیں ریاضؔ آپ سے باہر ساقی | مجھے ڈر ہے کہ یہ افشا نہ کریں راز کہیں

جمع سو دشنے کریں وہ جمع سو پیکاں کریں	میرے دل میں رہ کے جو چاہیں مرے ارماں کریں
کیوں مجھے رخصت کریں کیوں حشر کا پیماں کریں	نزع میں کیوں آئیں مجھ پر آپ کیوں احساں کریں
اس طرح چھیڑیں مرے دل سے مری ارماں کریں	گدگدی اُٹھے تبسم غنچۂ پیکاں کریں
لوٹتے ہیں لطف آنکھوں میں فرشتے ساتھ کے	ان فرشتوں سے بھی اب چھپ چھپ کے ہم عصیاں کریں
عشق ہے وہ نام جس کا رکھ لیا ہی سب نے درد	درد ہو تو چارہ گر کچھ درد کا درماں کریں
ہیں مزے کی اے دل بیتاب تیری شوخیاں	چل حسینوں پر تجھے صدقے کریں قرباں کریں
جان پر دشمن کی ٹوٹیں مجکو اس سے کیا غرض	جا کے اپنا کام ان کے ناوک و پیکاں کریں
اُجڑے دل میں گشت کرتا ہی حسینوں کا خیال	وہ پری خانہ ہی جس گھر کو حسیں ویراں کریں
سینے پر آنچل ہے خلوت میں تہہ فانوس شمع	شمع عریاں ہے یونہی کیا شمع کو عریاں کریں
بند آنکھیں ہوں مری آنکھوں میں صورت آپکی	نزع میں آپ اس طرح مشکل مری آساں کریں
اپنے پہلو میں اُنہیں رکھیں گے ہم دل کی طرح	گھر تو گہری زخم میں ڈوبے ہوئے پیکاں کریں
جان ڈالے آئینے میں چاند سی صورت کا عکس	آئینہ بن جائے دل اتنا اُسے حیراں کریں
ہم مسلماں بھی ذرا شان خدائی دیکھ لیں	کعبۂ دل میں کسی کافر کو اب مہماں کریں
کچھ چنے صحرا کے کانٹے کچھ چنے گلشن کے پھول	سر میں اب سودا ہی یہ آباد پھر زنداں کریں
اب تو ہر قطرہ نظر آتا ہے طوفاں در بغل	کم ہی جو کچھ یہ ہمارے دیدۂ گریاں کریں
یہ نہ سمجھیں جانے والے دو قدم کی راہ ہے	قبر میں جانا ہے جن کو حشر کا ساماں کریں
کیوں اُڑی پھرتی ہیں مجھ سی دل ہدف کیونکر بنے	رخ ذرا میری طرف بھی ناوک مژگاں کریں
لطف ہی مقتل میں چمکیں آج دو دو بجلیاں	آستیں تو چڑھ چکی ہے تیغ بھی عریاں کریں
موت کا خوابیدہ سایہ ہی ہماری زندگی	خون ارماں ہو چکے اب خاک ہم ارماں کریں

نشۂ مے ہی جوان بنتے ہیں پیری میں ریاضؔ
وقت ہے توبہ کریں اب قبر کا سامان کریں

کون دل ہے مرے اللہ جو ناشاد نہیں
کون گھر ہے مرے اللہ جو برباد نہیں

نازنین جان بھی لیں تو کوئی بیداد نہیں
چوڑیاں ہاتھ میں ہیں خنجر فولاد نہیں

اے نسیمِ سحری ساتھ لئے جا سوِ بام
نفسِ سرد ہے نالہ نہیں فریاد نہیں

سبز باغ آپ دکھائیں نہ اب آزادی کے
آپ کے باغ میں تو سرو بھی آزاد نہیں

چُپ سے ہیں کچھ مری آغوش میں وہ حشر کے دن
یہ وہی ہیں جنھیں پیمانِ وفا یاد نہیں

دیکھتے رنگِ حنا جاتے ہیں مقتل کی طرف
ہاتھ میں تیغ نہیں خنجرِ فولاد نہیں

ہے تری جیب پر آج آنکھ نشیمن کے عوض
باغباں یہ تو کوئی چور ہے صیاد نہیں

شورِ قلقل میں گم آوازِ اذاں ہے اے شیخ
یہ بہت خوب کہی میکدہ آباد نہیں

ایک اک پھول کو ایک ایک کلی کو دیکھا
ہار ہیں ان کے ہمارا دلِ ناشاد نہیں

نکلی ہیں حشر میں دنیا کی پُرانی باتیں
میں تو کیا میرے فرشتوں کو بھی اب یاد نہیں

نہ گری برق، مگر آپ گرے غش کھا کر
یہ تو اے حضرتِ موسیٰ کوئی افتاد نہیں

جس سے آتا تھا نشیمن کا قفس میں کچھ لطف
تیری قربان تری آنکھ وہ صیاد نہیں

دل سے نکلی ہے یہ دل ہی میں رہے گی ظالم
جا کے دیوار سے ٹکرائے وہ فریاد نہیں

کام کرتا تھا جو لائے چرخ ترے پردے میں
وہ نہیں کام میں تو لذتِ بیداد نہیں

یہ بہت ہی رہے دل پر جو حکومت قائم
آج قبضے میں اگر بصرہ و بغداد نہیں

بوئے خوں دیتے ہیں شیریں ترے مہندی لگی ہاتھ
ہاتھ میں لالے کے خونِ سرِ فرہاد نہیں

حد سے آگے نہ بڑھی دیکھئے مژگانِ دراز
چھیڑنے کے لئے کم نشترِ فصاد نہیں

شعر آپ کو بھی خوب بناتے ہیں ریاض
سب یہ کہتے ہیں کوئی آپ سا اُستاد نہیں

اُن سے کہنے کی کوئی راہ نکالوں تو کہوں
بات مطلب کی ہی کچھ بات بنالوں تو کہوں

حال دل کا دلِ بدخو کو سنبھالوں تو کہوں
روٹھنے والے کو ہر دم کے منالوں تو کہوں

آتے ہی بزم میں غیروں نے کہا کیا مجکو
میں بھی دو ایک کو دو چار سنالوں تو کہوں

اپنی رسوائیوں کا حال سناؤں کیوں کر
اُن کے کوچے کی زمیں سر پہ اُٹھالوں تو کہوں

وصل کی رات بھی ہے لطف کی کچھ بات بھی ہے
گدگدالوں تو کہوں اُن کو ہنسالوں تو کہوں

دل میں لیتی ہیں چٹکی تری ارماں کیوں کر
تیر سے پیکاں کو کلیجے سے لگالوں تو کہوں

لے لوں بدلا تو کہوں جورِ بتاں دادِ حشر
آج ہی دن ہے ستانے کا ستالوں تو کہوں

باغباں دل میں بھری ہیں تری کیا کیا باتیں
آشیاں جا کے کہیں اور بنالوں تو کہوں

کھل کے کہنے نہیں دیتا مجھے آنکھوں کا حجاب
شرم کی بات ہے میں شمع بجھالوں تو کہوں

ایسی تلوں سے لگی آج کہ چوٹی میں بجھے
اے حنا دل کی لگی اُن کے لگالوں تو کہوں

وصل میں پوچھنے بیٹھے ہو تم افسانۂ ہجر
میں ذرا تم کو گلے آج لگالوں تو کہوں

وادیٔ عشق کے جس طرح چبھتے ہیں کانٹے
راستہ خضر کو میں پہلے بتالوں تو کہوں

کہیں ایسا نہ ہو آجائے کلیجا مُنہ کو
دل کا افسانۂ غم دل کو سنبھالوں تو کہوں

میں کہوں حشر میں اپنے دلِ مجروح کا حال
ندیاں خون کی آنکھوں سے بہالوں تو کہوں

آتشِ شوق بھڑک اُٹھتی ہے موقع پا کر
ہجر کی بات لگی دل کی بجھالوں تو کہوں

شب کا افسانہ مری مُنہ سے سُنیں گے یہ حسیں
مُنہ چھپالوں تو کہوں آنکھ جھکالوں تو کہوں

بجلیاں مجکو گرانا ہیں سرِ بزم ریاض
قصۂ طور ذرا آپ میں آلوں تو کہوں

حنا ہاتھوں میں ہونٹھوں پر تبسم گدگدی دل میں
وہ آئے پھول برسانے مرے پھولوں کی محفل میں

بیانِ وصفِ مئے کوثر کئے واعظ نے محفل میں
یہ بات ایسی تھی ہم پی ہی گئے کچھ دل ہی دل میں

دکھا دوں مہ کو خود وہ داغ روشن ہے مری دل میں
جو رکھ دوں چاند میں ہالہ ہو پیدا ماہِ کامل میں

اُترتی ہی نہیں کچھ طور کی باتیں مرے دل میں
پہاڑ ایسے چھپے کتنے ہیں میری آنکھ کے تل میں

وہ گل سمجھیں گے مستی میں یہ بھڑکی آتشِ گل ہے
جو انگارہ بھی رکھ دی کوئی منقارِ عنادل میں

حنا ان کو لہو سے ہاتھ رنگنا کب سکھائے گی
ابھی تک چٹکیاں لینا نہیں آتا انہیں دل میں

وہیں ٹھہری ہمارے حشر کی آخر وہیں ٹھہری
بڑا میدان مارا آج ہم نے کوئے قاتل میں

گماں نشّے میں ہوتا تھا ہمیں بھی شورِ واعظ کا
گراں تھی قلقلِ مینا۔ مگر ہم لے رہے دل میں

بہار آئے تری گھر آگ برسے پھول بن بن کر
خدا تاثیر دے صیّاد فریادِ عنادل میں

فسانے میں نظر آتے ہیں کچھ بگڑی ہوئی خاکے
نہ اب مجنوں ہے جنگل میں نہ اب لیلیٰ ہے محمل میں

ابھی تو خونِ بسمل کچھ یونہی سا رنگ لایا ہے
شفق پھولی نظر آتی ہے یارب کوئے قاتل میں

بہار آئے نہ آئے ہم نہیں جانے کے زنداں سے
ہماری عمر گزرے گی یونہی طوق و سلاسل میں

چمن کے پتّے پتّے سے صدائے درد آتی ہے
کہاں سے پھٹ پڑی تاثیر فریادِ عنادل میں

بڑی مشکل سے گوشہ عافیت کا ہاتھ آیا ہے
قفس میں رہتے رہتے لی جگہ صیّاد کے دل میں

کہیں کیا بیٹھ کر کاٹی ہے کیونکر رات آنکھوں میں
یہ سُن لینا اک آفت تھا کہ کچھ خطرہ ہے منزل میں

ہمارے دوش کو اپنا نشیمن وہ سمجھتے ہیں
رہی وحشت نہ ہم میں مل گئے ہم یوں عنادل میں

گئے وہ دن کہ دیتے تھی جگہ تم تیر و پیکاں کو
نگاہِ ناز جا بھی اب نہیں تیری جگہ دل میں

مزے ڈلی کے سنّا تھیں تجھے بہکی ہوئی باتیں
میاں مجنوں کو ائے لیلےٰ بٹھا لینا تھا محمل میں

کشودِ کار کا باعث خدا کا یاد آنا ہے
نظر آتی ہیں آسانیاں مشکل سی مشکل میں

ریاضؔ اس کو نہ پوچھو وقت سے اس کا تعلق ہے
کبھی خلوت میں پی چھپ کر کبھی پی کھل کے محفل میں

عرش سے دل میں جو اترتے ہیں
طور پر کس سے بات کرتے ہیں

عشق میں خوب دن گزرتے ہیں
روز جیتے ہیں روز مرتے ہیں

ریش زاہد سے کب وہ ڈرتے ہیں
جو فرشتوں کے پر کترتے ہیں

واعظو ہم گنہ نہیں کرتے
ہم گنہگار ناز کرتے ہیں

کبھی لے چل مجھے بھی اے صیاد
سر سے صدقے جہاں اترتے ہیں

عرش کو تھام لیں فرشتۂ عرش
ناتواں آج آہ کرتے ہیں

نہ کنارہ نہ بحر حسن کی تھاہ
ڈوبتے ہیں کبھی ابھرتے ہیں

روگ ہے جان کا یہ ہجر کی رات
بیٹھ کر روز صبح کرتے ہیں

بتکدوں میں نہ چھوڑتے تم کو
اے بتو ہم خدا سے ڈرتے ہیں

چوم لیتے ہیں منہ کبھی ہم بھی
جب حسیں کہہ کے کچھ مکرتے ہیں

صبح ہو جائیگی یونہی شب وصل
بگڑے گیسو کہیں سنورتے ہیں

نام نکلا برا نہ شکل بری
مجھسے کیوں یہ حسین ڈرتے ہیں

حشر بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے
میرے کوچے سے جب گزرتے ہیں

شب وعدہ یہی سنا سو بار
آئینہ آگے ہے سنورتے ہیں

جب وہ آتے ہیں کوچۂ دل میں
کس نزاکت سے پاؤں دھرتے ہیں

شیخ کھل کر جو مے نہیں پیتے
اپنی ڈاڑھی کی شرم کرتے ہیں

قدرداں گوہر سخن کے ریاضؔ
منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

یہ کہاں سے ہم گئے ہیں کہاں کہیں کیا تری تگ و تاز میں
کہ یہ آسماں و زمیں جہاں نہ نشیب میں نہ فراز میں

تو درون خانہ برون در تو ہزار پردوں میں جلوہ گر
اری او حقیقت پردہ در تری شوخیاں ہیں مجاز میں

وہی آئی عرش سے فرش تک وہی چھائے فرش سے عرش تک
ملے ایسے ذرّے ہزار ہا ہیں خاک راہ حجاز میں

کہیں تیز ہے کہیں نرم ہے یہی آنچ مطرب خوش نوا
مرے نالے میں ترے نغمے میں ہے سوز میں ترے ساز میں

ترے سجدے میں وہ مزا ملا کہ تڑپ کے سینے سے آرہا
کوئی داغ ہے کہ ہے دل مرا یہ مری جبیں نیاز میں

یہ اُڑائیں گے کبھی رنگ بھی یہ دکھائیں گے کبھی سنگ بھی
یہی لائیں گے کبھی رنگ بھی جو نگیں ہیں رنگ مجاز میں

گھڑی جس کی حشر کا ایک دن شب گور جس کا ہر ایک پل
وہ مزے ہیں حسرت مرگ میں جو خضر کی عمر دراز میں

اسی لاگ عشق کی کہتے ہیں اسے آگ عشق کی کہتے ہیں
نہ جنون ہے یہ جنون میں نہ کوئی یہ راز ہے راز میں

جنھیں لوگ کہتے ہیں رند ہی وہ خدا پرست ریاضؔ ہیں
یہ سنا ہے کل کہ جناب ہی پس خم تھے محو نماز میں

وعدے کی شب ہے وقت ہے ہاں کہیے یا نہیں
بولے ہٹو بھی ہوش ہمارے بجا نہیں

جلوے ہوں لاکھ دیر میں سجدہ روا نہیں
جتنے ہیں یہ بنے ہوئے بت ہیں خدا نہیں

کہنا کسی کا ناز سے ٹھکرا کے سر مرا
ہم سب بتوں میں ایک بھی ان کا خدا نہیں

طاعت کا پاس شوخ بتوں کو ذرا نہیں
ہم کیوں جھکیں جو کوئی کسی کا خدا نہیں

ان کی نگاہ میں جو کھٹکتا تھا بار بار
پہلو میں آج وہ دل درد آشنا نہیں

شاہد پرستیاں ہوں کہ بادہ پرستیاں
پردے میں ہو جو کام کبھی وہ برا نہیں

لے کر ادائے ناز سے پھینکا شگفتہ دل
بولے تمہارے پھول میں بوئے وفا نہیں

سوتے میں چھینتے لیے ہیں ہم چشم نیم باز
کاجل کا چور کوئی ہمارے سوا نہیں

آئی ہے کھنچ کے زیر قدم منزل عدم
ہم پا فتادۂ راہ نہیں رہنما نہیں

رہتا ہے اُن کے سایۂ گیسو سے دور دور
دل ساتھ دے کسی کا ہمیں آسرا نہیں

سب ہم نے مُسکرا کے کھنگال اچھوتے جام
یہ سُن کے میکدے میں کوئی پارسا نہیں

آنکھیں کھُلیں نہ کان کھُلے اپنے اے کلیم
کچھ جلوہ گاہ طور میں دیکھا سُنا نہیں

جو مئے میں ہے ریاضؔ وہی مے کے نام میں
جائے کبھی زبان سے یہ وہ مزا نہیں

بے چین مر کر تہہِ زمین بھی نہیں
اب ٹھکانا مرا کہیں بھی نہیں

آہ کے ہوتے اشک کے چلتے
آسماں بھی نہیں زمین بھی نہیں

کل تو روتے تھے اپنے دامن کو
اے جنوں آج آستیں بھی نہیں

ذکرِ مے کیا کہ وہ تو خلد کی ہے
جام میں شیر و انگبیں بھی نہیں

صدقے نازک سی تیغ کے صدقے
اس نزاکت کے نازنیں بھی نہیں

چپ ہیں وہ سُن کی آرزوئے وصال
منہ سے ہاں بھی نہیں نہیں بھی نہیں

حسرت آباد دل نہ حسرتِ دل
وہ مکاں بھی نہیں مکیں بھی نہیں

کتنی نازک ہیں چوڑیاں اُن کی
ایسی تو چین آستیں بھی نہیں

دل میں چبھنے کو خارِ حسرت ہے
نگہہ چشم سُرمگیں بھی نہیں

کون گرمائے تجکو اے دلِ سرد
جرعۂ آبِ آتشیں بھی نہیں

بن کے رہتا لکیر پتھر کی
سنگِ در پر خطِ جبیں بھی نہیں

آپ جب تک تھے جان تھی اس میں
جائیے اب دلِ حزیں بھی نہیں

جن سے پھیلی تھی چاندنی گھر میں
اے فلک اب وہ مہ جبیں بھی نہیں

ایسی بھی اے ریاضؔ توبہ کیا
کوئی آغوش میں حسیں بھی نہیں

کہا جو میں نے چھپی ہے کسی کی ہاں میں نہیں — وہ بولے جھوٹ مری وہم میں گماں میں نہیں
ذرا بھی جان ترے زار و ناتواں میں نہیں — وہی جہان میں یوں جیسے اس جہاں میں نہیں
سنے ہیں نغمۂ ناقوس دیر میں ہم نے — اثر فریب یہ رنگینیاں اذاں میں نہیں
قفس کو چھوڑ کے سوئے چمن نہ جائے برق — کہ چار تنکے ہیں کچھ اور آشیاں میں نہیں
سنیں نہ آپ کبھی خونچکاں شکایتِ دل — کہ سادہ حرف کوئی میری داستاں میں نہیں
سمائے کیوں نہ تری آنکھ میری آنکھوں میں — جو اس میں ہے مری ساقی کسی کی کاں میں نہیں
خدا ہی ہے جو ملیں مجکو قافلے والے — میں گم شدہ ہوں جرس میری کارواں میں نہیں
فسردہ دل ہوں مجھے کیا ہی کوئی موسم ہو — بھری بہار میں کیا تھا جو اب خزاں میں نہیں
ہماری چپ کا اثر اے فلک معاذ اللہ — یہ بات آہ میں فریاد میں فغاں میں نہیں
زبان آئی ہے یار و ہمارے حصے میں — وہ کوئی بھی ہو یہ پاکیزگی زباں میں نہیں
وہ آئے ہیں سر بالیں یہ ہونٹھ تک آئے — سکت اب اتنی بھی اس جان ناتواں میں نہیں
مجھے ملی تو گنا ہوں سے کون روکے گا — اجل کا خوف اگر عمرِ جاوداں میں نہیں
زبانِ حال سے کہتے ہیں پھول کیا کیا کچھ — یہ حسن اور یہ وسعت مری زباں میں نہیں
بہت ہی تن کے ہم آئی تھی تیر کھانے کو — جو دیکھتے ہیں وہاں تیر ہی کماں میں نہیں
ہوئے تھے نالۂ سوزاں مرے بری ہیوست — جو تارے ہیں نے جڑی تھے وہ آسماں میں نہیں
تمہارے غم نے بنایا ہمیں کچھ اور سے اور — گھلا یہ جسم کہ اب فرق جسم و جاں میں نہیں

ریاضؔ ہیں بھی خوش آواز و خوش گلو ہوں مگر
یہ لطفِ قلقلِ مینا مری اذاں میں نہیں

آج اس کی وفا کو روتے ہیں — جس کی ایک ایک ادا کو روتے ہیں

ستم ناروا کو روتے ہیں — چرخ تیری جفا کو روتے ہیں

خون رُلوا رہی ہے یادِ وفا — اک سراپا وفا کو روتے ہیں

اس طرح آئی وقت سے پہلے — آنے والی قضا کو روتے ہیں

اب یہ اس تک پہنچ نہیں سکتا — نالۂ نارسا کو روتے ہیں

بہہ گیا آنکھ سے لہو ہو کر — دلِ درد آشنا کو روتے ہیں

جان لے کر گیا وہ آخر کار — مرضِ لادوا کو روتے ہیں

جانے والے کی یہ نشانی ہے — دیکھ کر نقشِ پا کو روتے ہیں

درد سا درد ہے بھرا اس میں — ٹوٹے دل کی صدا کو روتے ہیں

روتے جو آئے تھے رُلا کے گئے — ابتدا انتہا کو روتے ہیں

رنگ و بو اب کہاں وہ گل ہی نہیں — اس چمن کی ہوا کو روتے ہیں

ہے فضائے چمن غبار آلود — ہم مکدّر فضا کو روتے ہیں

خاک میں ملنے کو ہی سب کا حُسن — گلِ رنگیں قبا کو روتے ہیں

مہندی پِس کر لہو رلاتی ہے — پسنے والی حنا کو روتے ہیں

نفسِ سرد یہ بنی بھی تو کیا — موجِ بادِ صبا کو روتے ہیں

باغِ عالم میں اس طرح بے دید — نرگسِ نیم وا کو روتے ہیں

چھا گئی کیسی تیرگی اُن پر — مہر و مہ کی ضیا کو روتے ہیں

کام آیا نہ یہ کسی کے بھی — خضر آبِ بقا کو روتے ہیں

چپ ہیں یوں جیسے ان میں جان نہیں — لبِ معجز نما کو روتے ہیں

اب سوئے آسماں نہیں اٹھتا — اپنے دستِ دعا کو روتے ہیں

جان کو لے کے ساتھ جانا تھا　　　اس دل مبتلا کو روتے ہیں

دے گیا داغِ غم یہ کون ریاضؔ
ہم غمِ دیر پا کو روتے ہیں

بتانِ حشر تازہ رنگ بھر دیں داغِ عصیاں میں　　　مزا دے جائے میرا داغِ عصیاں میرے داماں میں
بھری ہیں حشر زا فتنے نگاہِ فتنہ ساماں میں　　　جگہ دی کیا دلِ ہنگامہ جو کو اپنے داماں میں
لگا ناوک میں ایسا کون سا سرخاب کا پر تھا　　　کہ میرے دل کے ٹکڑوں نے جڑے لعل انکے پیکاں میں
مری لب تک یہ آئیں حشر کے دن جام بن بن کر　　　جو داغِ مے کھلے ہیں پھول بن کر میرے داماں میں
تلی بیٹھی ہے کیسی اشک آلودہ مژہ میری　　　پروئے جائیں گے موتی تری زلفِ پریشاں میں
جو اے دیوانو میں ہوتا تو کیا ہوتا خدا جانے　　　نہ ہونے سے مرے اب خاک اڑتی ہے بیاباں میں
گریباں پر مرے کیوں حشر کے دن ہاتھ ڈالا تھا　　　الجھ کر دستِ نازک رہ گئے اب تو گریباں میں
چڑھائے خم کے خم لیکن نہ نشہ ہو نہ غافل ہو　　　فرشتہ ہے وہ اے زاہد جو یہ باتیں ہوں انساں میں
ذرا میں بھی وہاں اپنی شبِ فرقت کو لیجاؤں　　　ہمیشہ دن بنا کرتی ہیں راتیں جس شبستاں میں
ارے ساقی نہ تھا کچھ ہم میں جب تک شیشہ خالی تھا　　　جو مے شیشے میں آئی جان آئی جسمِ بے جاں میں
ملیں تو اُن کو دکھلاؤں میں سکنا اُن کے دامن کا　　　یہی کافر جو رخنے ڈالتے ہیں میرے ایماں میں
ہمیں تو لطف آتا ہے وہ جھوٹے ہوں کہ سچے ہوں　　　عجب لذت ہے اُن کافر بتوں کے عہد و پیماں میں
نظر آتی ہے اکثر روح مجھ سے پر شکستہ کی　　　کسی ٹوٹے قفس میں یا کسی اجڑے گلستاں میں
ہمارے دل کے داغوں کی وہاں شمعیں ہوئیں روشن　　　ہماری آنکھ کے پردے پڑے ان کے شبستاں میں
رہا کرتی ہے سوتے جاگتے اس کی نظر مجھ پر　　　یہ بیداری کہاں سے آ گئی چشمِ نگہباں میں
ذرا سی وصل کی شب یا بڑی سی ہجر کی شب ہو　　　چھپی رہتی ہیں دونوں ان حسینوں کی نہیں ہاں میں

ہماری جان چھوڑے گی اسیری سو نہ جیتے جی
لحد کی طرح رکھا ہے جسد کی تنگ زنداں میں

اُتاری ہے کہیں تم نے پریشاں ہو نہ گھبراؤ
تمہاری آرسی رکھی ہے میری چشم حیراں میں

ریاض ایسا ہے ان کا ہم نوا ہوں مرغ گلشن میں
ہوئی ہے منعقد بزم سخن صحن گلستاں میں

مجکو دیکھا تو ہنس کے کہتے ہیں
اشک اب بے سبب بھی بہتے ہیں

اُن کے کوچے میں خوش وہ رہتے ہیں
ہر طرح کے جو رنج سہتے ہیں

جن کے دل میں ہے درد دنیا کا
وہی دنیا میں زندہ رہتے ہیں

میکدہ کیوں ہے قبلۂ حاجات
مے کے دریا یہیں سے بہتے ہیں

صدقے اپنے درازی قد کے
وہ مجھے بیوقوف کہتے ہیں

جو مٹاتے ہیں خود کو جیتے جی
وہی مرکر بھی زندہ رہتے ہیں

دیجیے کیوں ریاض کو تکلیف
شعر سنتے ہیں وہ نہ کہتے ہیں

کیا جانے کیا ہے میری گلابی میں مے نہیں
یہ دیکھنے کی چیز ہے پینے کی شے نہیں

برمائے جو جگر کو وہ آواز نے نہیں
وہ نور کا گلا نہیں وہ اُن کی لے نہیں

جنت فروشِ صحبتِ جامِ سفال ہے
یہ بزمِ جم نہیں یہ کوئی بزمِ کے نہیں

بعد صیام میکدہ ہے صبح عید ہے
جامِ شراب آج بھی کیا پے بہ پے نہیں

پتھر بھی حُسن کے شق ہو جگر کا تو ذکر کیا
آواز ہے جہاد کی گاندھی کی جے نہیں

فردا کی فکر رکھتے نہیں میکدے کے لوگ
جو کچھ ہو حشر کل کے لئے کچھ بھی طے نہیں

خلوت میں پی گئے زہر اُگلتے ہیں بزم میں
کیا ہے اگر یہ حضرتِ واعظ کی قے نہیں

گو تجربہ بہت ہی مگر کیا کہوں ریاضؔ

لب پر رہے گی ان کے یونہی تا بہ کے نہیں

اب مزا ہے تو خشک جینے میں
لطف کھانے میں ہے نہ پینے میں

میری آنکھوں میں ہے تجلّیِ طور
داغ روشن ہی میرے سینے میں

دسترس ہو مجھے تو میں جانوں
کیا ہے قارون کے خزینے میں

موجِ مے لے چلی مجھے سوئے عرش
یہ بھی زینہ ہے کوئی زینے میں

میرے دل کو مری نظر نہ لگے
بال آئے نہ آبگینے میں

خلق مجکو سمجھ رہی ہے شریف
بات کیا ہے یہ مجھ کمینے میں

نانپارے میں شب کا لطف ڈِنر
ہم نہ کھانے میں تھے نہ پینے میں

بزمِ جم سے بڑھی تھی رات کی بزم
ہر سلیقے میں ہر قرینے میں

بدر بھی ہو شریک سال گرہ
ہو یہ تقریب ہر مہینے میں

این سعادت[۱] بزور بازو نیست
ہے یہ اللہ کے خزینے میں

جس کے سر تاج ہی سعادت کا
جا کے سجدے کری مدینے میں

ملے انگشتری سلیماں کی
نام آصف[۲] رہے نگینے میں

چھپیں الحق[۳] میں بھی خلیل[۴] و نیاز[۵]
ناخدا کا غذی سفینے میں

طبع ہو کر مری غزل بھی بنے
اسی ہفتے اسی مہینے میں

نانپارے کے راجہ صاحب کا
نام مکّے میں ہو مدینے میں

---

[۱] - راجہ سعادت علی خاں والی نانپارہ دام اقبالہٗ۔ [۲] - خان بہادر آصف زماں خاں صاحب نائب نانپارہ۔
[۳] - اخبار ہفتہ وار لکھنو۔ [۴] سکریٹری آنہ فنڈ لکھنو۔ [۵] سید نیاز احمد نیاز برادر ریاض پنشنر انسپکٹر پولیس۔

پا کے ایما کلب نے دعوت دی
آئی اس طرح میرے پینے میں

وقت رخصت عطائے آصف سے
کچھ کمی آ گئی خزینے میں

نہ بنی یہ غزل سپئے دیوان
ناخدا کا غذی سفینے میں

تھا ودیعت وہ بہر گورکھپور
چھپ کے نکلے گا دس مہینے میں

نامِ دیوان ریاضِ رضواں ہے
آئے گی کھل کے اب تو پینے میں

اس کی تاریخ آتشِ گلِ تر
آتش تر[1] پلا نے پینے میں

بنے نورِ لحد وہ کاش ریاضؔ
ہے چمک درد کی جو سینے میں

1۔ حصہ اول آتش تر (غزلیات)

وہ نازنیں ہو تم کہ ذرا بھی اثر نہ ہو — آنکھوں میں تم پھرو بھی تو ہم کو خبر نہ ہو

ممکن نہیں نگاہ سے ٹکڑے جگر نہ ہو — قربان تیرے تجکو کسی کی نظر نہ ہو

کچھ تشنگی مٹے تو مٹے سلسبیل پر — یہ میکدے وہ ہیں کہ لبِ خشک تر نہ ہو

ہم ہیں قفس میں اور قفس ہے تہِ غلاف — جل جائے آشیاں بھی تو ہم کو خبر نہ ہو

بیٹھے تمام رات پرستش کیا کریں — ایسا بھی نازنیں بتِ نازک کمر نہ ہو

جو پھر رہا ہے خضر کا سایا بنا ہوا — بھٹکا ہوا یہ کوئی مرا نامہ بر نہ ہو

لے تو چلے ہو کھینچ کے سینے سے تیر کو — پیکاں کے ساتھ ساتھ کسی کا جگر نہ ہو

باہم شبِ وصال اٹھائے ہیں کیا مزے — وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں الٰہی سحر نہ ہو

ہم ہیں بتِ حسین بھی ہیں دن بھی حشر کا — کیا جانے آج کیا ہو خدا کا جو ڈر نہ ہو

ہے بزمِ وعظ مجکو یہ واعظ سے خوف ہے — منبر پہ آج جا کے کہیں میرے سر نہ ہو

ہم کو تو صرف ان کے تصوّر سے کام ہے — ایسے بھی ہیں حسین کہ جن کے کمر نہ ہو

دن جیسے ایک حشر کا جس کی نہیں ہے شام — ایک ایسی شب ہو وصل کی جس کی سحر نہ ہو

ہیں جاسکوں نہ بام قفس تک بہار میں — مجھسا کوئی جہان میں بے بال و پر نہ ہو

ناوک فگن یہ تیر و پیکاں ہے کس لئے — ایسا بھی کیا کہ دل تو ہدف ہو جگر نہ ہو

نشتر لگا کے جان کے لالے پڑی کسے — ہاتھوں سے تمھارے دل کو مرا چارہ گر نہ ہو

جھنجلا رہے ہیں سوتے ہیں کیوں دستِ شوق پر
چھیڑا ہے جس نے موجِ نسیمِ سحر نہ ہو

چوری چھپے کی باتوں کی سب میں ہی باز پرس
میرا حساب حشر میں دن دو پہر نہ ہو

یہ ایک محال امر ہے اے جوشِ اشکِ خوں
دل تو لہو ہو خون ہمارا جگر نہ ہو

اے محتسب ریاضؔ تو ان میکشوں میں ہیں
سو غوطے کھائے حوض میں دامن بھی تر نہ ہو

خاکِ میخانہ ملی بہرِ تیمم مجکو
ذرّے ذرّے نے دیئے لاکھ بھرے خم مجکو

جب مقدر سے ملے بن کے ملے خم مجکو
نسلِ آدم میں پھلے دانۂ گندم مجکو

لے جو گہوارے میں لہروں کا تلاطم مجکو
موت کی نیند سلائے ابھی قلزم مجکو

وہ ستاتا ہے ستاتے جو نہیں تم مجکو
دھوکے دیتا ہے بری طرح توہم مجکو

پارسائی کا یقین غیر کو دلواتے ہوں
اور بھولے سے جو آجائے تبسم مجکو

خانقاہیں تو ہزاروں میں مگر جی بھی لگے
کوئی تھوڑی سی جگہ دیدے بہِ خم مجکو

وصل کی رات یونہی آج گزر جانے دو
میں تمہیں پیار کروں پیار کرو تم مجکو

جس کے ہر ذرّے میں تھا وادیِ ایمن پنہاں
بے خودی نے اسی صحرا میں کیا گم مجکو

تم کو دیتا ہوں دعائیں مجھے کوسے کوئی
کوئی دیتا ہو دعا کوستے ہو تم مجکو

دادخواہوں میں دمِ حشر جو دیکھا ہے مجھے
کہتے ہیں پیار سے کیا بھول گئے تم مجکو

جا نکلتا ہوں جنوں میں تو مزا دیتا ہے
نغمۂ سنجانِ گلستاں کا ترنم مجکو

مسکراتی ہیں تری ہار کی کلیاں دمِ وصل
کاش آجائے یہ اندازِ تبسم مجکو

سامنے میرے کوئی غیر کو زندہ نہ کرے
جیتے جی کوئی سنائے نہ کبھی قُم مجکو

کچھ بھی رکھا نہ مرے ضعف نے مجھ میں باقی
ساتھ اپنے لئے پھرتا ہے توہم مجکو

آگے واعظ کے سرِ بزم بناؤں دریا — جو ملے بہرِ تکلّم دہنِ خُم مجکو

میرے آگے وہ جبیں زلف میں افشاں تا صبح — تارے گننے کو ملی ہے شبِ انجم مجکو

محفلِ وعظ میں بیٹھا سرِ منبر واعظ — لاکے خم کوئی بٹھاوے نہ سرِ خم مجکو

میکدے ہی میں دمِ دفن بھی ہاں حشر بھی ہو — مغبچو تھوڑی جگہ دے دو پسِ خم مجکو

عکس کی طرح کبھی بار نہ ہوں ضعف سے میں — رکھیں پتلی میں اگر دیدۂ مردم مجکو

ہوں وہ میکش جو کروں قصد ذرا کعبے کا — کاندھے پر لاد کے لے جائے مرا خم مجکو

رزق بن کر مری قسمت کا یہ اُترے ہیں ریاضؔ
دانے انگور کے ہیں دانۂ گندم مجکو

یہ بھی ملنا ہے کوئی مل کے کیا گم مجکو — ایک اس ساری خدائی میں ملے تم مجکو

نسل آدم میں پھلے دانۂ گندم مجکو — جب مقدّر ہے ملے بن کے ملے خم مجکو

مُسکراتے ہو جہاں دیکھتے ہو تم مجکو — گدگدائے نہ کہیں موجِ تبسّم مجکو

تہ نشیں کر نہ سکا عشق کا قلزم مجکو — دیکھتا ہے ابھی موجوں کا تلاطم مجکو

کہتے ہیں حشر میں اللہ کرے گُم مجکو — آج بھی آئے ستانے کے لئے تم مجکو

ساتھ موسیٰ کے سوئے طور گیا تھا میں بھی — یاد ہے برق کا اندازِ تبسّم مجکو

سُن چکے ہیں بہت افسانۂ حسرت مجھ سے — اب نہ دیں نزع میں تکلیفِ تکلّم مجکو

منتقل کعبے کو میخانے ہوئے ہیں شاید — ملے رستے میں کئی ٹوٹے ہوئے خم مجکو

نظر آتے تو ہیں اس بزم کے کچھ شمع و چراغ — کم نہیں دور سے بھی یہ مہ و انجم مجکو

حشر میں کام مرے آئے ترے بوسۂ لب — کہ ملا آج ترا حسنِ تکلّم مجکو

ان کی تصویر کا چہرہ ہے کچھ اُترا اُترا — اتنی سی بات کے ہیں لاکھ توہّم مجکو

دھڑکے محشر کے مٹانے کو مرے ساقی نے — مرتے مرتے بھی پلائی ہے کئی خم مجکو
نا خلف تھا نہ ہوا لغزشِ آدم کا شریک — کہ ملی نان جویں شیخ کو گندم مجکو
توڑنا ہے مجھے توبہ سرِ محفل ساقی — دیکھنا ہے لبِ ساغر کا تبسم مجکو
میں اُٹھا قبر سے وہ خاک سے میخانے کی — دوش پر لے کے چلا حشر کے دن خم مجکو
میری حسرت کا مرقع ہی ہنسی بھی میری — آئے آنسو کبھی آیا جو تبسم مجکو
باتیں کرتی ہے جس انداز سے تیری تصویر — کاش آجائے یہ انداز تکلّم مجکو
تیرے نظّارے نے مجکو نہ کہیں کا رکھا — جلوہ یار کہاں تو نے کیا گم مجکو
یہ مجھے چھیڑتی ہے دور سے جب روتا ہوں — گدگداتی ہے تری موجِ تبسّم مجکو

دہنِ گور میں جاتے ہوئے کہتے تھے ریاض
اے لبِ گور سمجھ موجِ تبسّم مجکو

مے میں ڈوبا نامۂ اعمال کا ہر حرف ہو — رنگ وہ آئے کہ صدقے سرخیِ شنجرف ہو
پاک طینت رند پی کر مجکو پہنچائیں ثواب — میری پونجی نیک کاموں میں الٰہی صرف ہو
حلق سے جو گھونٹ اترے حلق میں ڈالکیر — ہم ہوں تم ہوں باغ ہو سوڈا ہو کپے ہو برف ہو
میری فردِ جرم کا ہو نقشِ مسطر بھی سیاہ — خط کشیدہ نامۂ اعمال کا ہر حرف ہو
کچھ عجب واقع ہوئی بچپن ہی میں ترکیبِ عشق — خود فراموشی میں کیوں کر یادِ نحو و صرف ہو
کیوں اُبل پڑتے ہو میخانوں میں اکثر بے پیے — واعظو تم بھی بڑے اوچھے بڑے کم ظرف ہو
بہرِ عقبیٰ جمع کرتے ہیں یہ آخر ہیں بخیل — وہ مدیں رکھتے ہیں یہ جن میں نہ کچھ بھی صرف ہو
ہو محیطِ نامۂ اعمالِ رنداں موجِ مے — موجیں کرتی لہریں لیتی جدولِ شنجرف ہو
پی کے تم کو وعظ کہتے ہم نے دیکھا ہے ریاض — ہم بلانوشوں میں تم بھی کتنے عالی ظرف ہو

رکھا ترے دامن میں ہی کیسے گلِ تر کو — رکھ آنکھ میں اے قبر مرے نورِ نظر کو

ہے آگ لگی آگ لگے اس کے اثر کو — جاتا ہے کہاں نالۂ دل پھونک کے گھر کو

پہلو میں ہماری غضب اک پھانس چبھی ہے — رہ رہ کے بڑھاتی ہے وہی درد جگر کو

ہے آٹھ پہر فکر ڈبونے کی ہمارے — کچھ ہم سے ہی بے وجہ ضد اس دیدۂ تر کو

جس گھر میں نئی تھیں کبھی زلفوں کی بلائیں — آباد بلاؤں نے کیا ہے اُسی گھر کو

ہم پر یہ چمن میں ہے اثر قید قفس کا — بیٹھے ہیں الگ سب سے سمیٹے ہوئے پر کو

تنتے تھے جوانی میں جو کرتے تھے معاصی — اب بڑھ کے وہی بوجھ جھکاتا ہے کمر کو

کافور ہو رنگ آ کے سیہ خانے میں میرے — ڈر جائے شبِ تار جو دیکھے مرے گھر کو

شب گورِ غریباں میں بسر ہوتی ہے اے موت — ہم شام سے جا رہتے ہیں آتے ہیں سحر کو

اُڑ کر یہ پہنچ جائے نشیمن میں یہ صیاد — جنبش ہے ہوا سے مری ٹوٹے ہوئے پر کو

مقبول دعائیں نہیں ہوتیں نہیں ہوتیں — قسمت میں ترسنا ہے ترستے ہیں اثر کو

پتوں میں نشیمن میں کبھی چھپتے تھے ڈر سے — خوش ہوتے ہیں اب دیکھ کے ہم برق و شرر کو

جب خاک سے بچتے نہیں پروردۂ دامن — کیا لے کے کریں لالہ و گل لعل و گہر کو

گریاں ہیں ریاضؔ آپ غمِ مرگ میں کس کے

درپیش ہمیں راہ ہے ہر فرد و بشر کو

لیے آغوش میں محرم ہی اُن کے اُٹھتے جوبن کو — جوانی گو دیں اپنی کھاتی ہے لڑکپن کو

گھنے جنگل کھلے صحرا بہت میری نشیمن کو — جہاں ہو باغباں دشمن لگے آگ ایسے گلشن کو

بہت ہی منزلِ مقصود کا پر پیچ رستہ ہے — ملے اس راہ میں تو رہنما سمجھوں میں رہزن کو

نکل آئے گی اس کی بھی جگہ صیاد کے گھر میں — ذرا صرصر اُڑا لانا اِدھر میرے نشیمن کو

جو تم جانا تو لے موسیٰ اُدھر ہوتی ہوئے جانا — مرے وادی سے بھی رستہ گیا ہے دشتِ ایمن کو
فرشتے بھی نہ آئے حال پر میرے مجھے چھوڑا — کہاں کی تیرگی گھیری ہوئی ہے میری مدفن کو
یہ گر جاتی ہے چلو سے چھلک جاتی ہے ساغر سے — کوئی کیوں کر بچائے داغ مَے سے اپنے دامن کو
یہ سیدھی سادھی نرگس باغ کی کیا ایسی ویسی ہے — نظر بازی سکھاتی ہے کسی کی چشمِ پرفن کو
نگہباں ایسے اچھے اور تم کو مل نہیں سکتے — پڑا رہنے دو میری طرح در پر اپنے چلمن کو
گلا بیٹھا ہوا خدمت اذاں کی اور کعبے میں — بھلے کو ہم وہاں لائے تھے ناقوسِ برہمن کو

پھریں توجہ کی ٹھہری ہوں مَے و معشوق سے باتیں
ریاض اچھی کہی پہلے چلو ہو آئیں لندن کو

کہیں تو پاؤں دھرنے کا ٹھکانا جوشِ وحشت ہو — کہاں جاؤں جو مجھ پر تنگ دامانِ قیامت ہو
خداوندا یہی مَے اس کو شہد و شیرِ جنت ہو — جو رند صاف باطن ہو جو رند پاک طینت ہو
شبِ غربت میں نکلے چاند یہ قسمت کہاں اپنی — نہیں ممکن کہ تارا بھی چراغِ شامِ غربت ہو
قیامت کو کہیں کیا دل کے چلتے لینے جانا ہے — تم اس فتنے کو ٹھکرا دو یہی فتنہ قیامت ہو
نہ وقتِ نزع پھر آنکھیں چھلکتے جام سے زاہد — ترے ماتم میں شاید آبدیدہ حورِ جنت ہو
اب ایسا دل کہاں سے لاؤں ان کے نذر کرنے کو — نہ جس میں کوئی ارماں ہو نہ جس میں کوئی حسرت ہو
نزاکت پر تصدق ہونے والوں کی ہے کیا ہستی — جب اٹھتے بیٹھتے ان پر فدا ان کی نزاکت ہو
ہمیں ارمان ہے کافر حسینوں کے ستانے کا — ہمیں ہو یا نہ ہو ہم سے حسینوں کو محبت ہو
خدا جانے یہ واعظ میکدے کو کیا سمجھتے ہیں — جو چھو جائے ہوا اس کی تو دنیا ان کو جنت ہو
کوئی بات اُٹھ رہی تھی کوہکن کا کام بننے میں — کرے کیا کوہکن تیشہ لئے سر پر جو قسمت ہو
مزے کی چیز ہے یارب یہ بیہوشی جوانی کی — نہ آئے ہوش پیری میں بھی ایسی مجھ کو غفلت ہو

وہ شب آئے کہیں تم چپ ہو بیٹھو شرم کی بن کر — ستاتی ہو تمہیں ہم کو ستی ہم کو نزاکت ہو
ہمیں کیا بھر دیئے یوں کوٹ کر موتی جو قدرت نے — ہمارے کام کی وہ آنکھ ہے جس میں مروت ہو
نہ دن کی دھوپ رکھتی ہے نہ شب کی اوس رکھتی ہے — مرے گھر کا وہ عالم بیکسوں کی جیسے تربت ہو

گل افشاں ہوں ریاضؔ اگر ساحر[1] کے محفل میں
زرافشاں کیا دُر افشاں جنبشِ داماں دولت ہو

جُرم پھر کیوں قابلِ تعزیر ہو — تم ہمارے کاتبِ تقدیر ہو
ساتھ ہی دل کے جگر بھی ہو ہدف — تیری چٹکی میں دو پیکاں تیر ہو
سخت جاں میں اور وہ نازک بہت — میری گردن ہو تری شمشیر ہو
رات دن دونوں ہیں میرے کام کے — چاند ہو اک چاند سی تصویر ہو
غیر کے آگے اگر بیٹھے ہوں آپ — آپ کے آگے مری تصویر ہو
صبح کرنا ہے مجھے فرقت کی رات — میرے لب پر نالۂ شبگیر ہو
وہ چلیں جب گھر سے تو آئیں ادھر — ایسی اب چلتی ہوئی تدبیر ہو
چاندنی پھیلی تمہارے دم سے ہے — رات میں تم چاند کی تنویر ہو
وعدۂ فردا زبانی کچھ نہیں — پاس میرے آپ کی تحریر ہو
گرتے ہیں بن بن کے بجلی منہ سے پھول — اور ہی کچھ تم دمِ تقریر ہو
شام سے اک چاند ہو آغوش میں — اتنی تو چمکی ہوئی تقدیر ہو
دخت رز کا اس کو مل جائے شباب — زالِ دنیا ہو یہ چرخِ پیر ہو
زیر بامِ یار یہ اچھا ہے شغل — میں ہوں میری آہ بے تاثیر ہو

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ۔

اس کے بوسے کوئی لے کوئی جلے
شمع ہو، پروانہ ہو، گلگیر ہو

کہتے ہیں خسرو تمہیں ساحر[1] ریاض
تم کہیں خسرو کہیں تم میر ہو

منہ پر مرے بھی روز قیامت نقاب ہو
میں بھی انہیں میں ہوں جنہیں مجھ سے حجاب ہو

مستِ شباب ہو کوئی مستِ شراب ہو
تم ہو، ہوائے بام و شبِ ماہتاب ہو

بلبل قفس میں ہو مگر اس کے قفس کے پاس
کلیوں سے اک لدی ہوئی شاخِ گلاب ہو

میرے فرشتے پیش کریں حشر میں جسے
آلودۂ شراب وہ فردِ حساب ہو

وہ جرم ڈھونڈ ڈھونڈھ کے کرتا ہوں رات دن
لکھیں تو کاتبان عمل پر عتاب ہو

اک شے ہی بہرِ فاتحہ از قسم شہد و شیر
اس فاتحہ کا بادہ کشوں کو ثواب ہو

یونہی بلا سے رات گزر جائے وصل کی
شوخی اُدھر ہو اور اِدھر اضطراب ہو

دنیائے حسن و عشق میں اتنی تو ہو نمود
میرا جواب ہو نہ تمہارا جواب ہو

میں روسیاہ خوگر دوزخ تو ہو رہوں
وہ دل ملے کہ جان کا میری عذاب ہو

فردِ حساب دیکھ کے رہ جائے منہ مرا
میرے لئے ترا کرم بے حساب ہو

رسوائے عام ہونے کو ہے حسن بے نقاب
وہ وقت ہے قریب ہر اک بے نقاب ہو

واعظ جو آ گیا ہے تو کوثر کا جام آئے
میخانے میں طلوع نیا آفتاب ہو

چلتے ہیں جب ریاض تو کچھ جھومتے ہوئے
جیسے پیے ہوئے کوئی مستِ شراب ہو

ہائے رے دیوانگی کوسا کیا تاثیر کو
میں فغاں اپنی ہی سمجھا نالۂ زنجیر کو

---

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آباد با لقابہ۔

دل کو ہونے دو ہدف ممکن نہیں دل کی تڑپ یہ اڑاتی ہے ہمیشہ چٹکیوں میں تیر کو
کیوں مٹی اُن کی اُداسی کیوں انہیں آئی ہنسی میرے گھر آتے ہیں رونے غیر کی تقدیر کو
عرش سے آئی کبھی تو آ کے اُلٹی پھر گئی دور سے میرا سلام اس آہ بے تاثیر کو
ہم نے کاٹی کس مزے سے آپ کی فرقت کی رات پیار کرتے رہ گئے اک چاند سی تصویر کو
ناز سے چلنا سکھایا اس کو دستِ ناز نے اپنے غمزے تم سکھا دو اب ذرا شمشیر کو
ناوک افگن دیکھ لو تو آ کے مرے دل کی پھانس یہ ذرا سی پھانس تو شرما رہی ہے تیر کو
مُنہ کھلے خم کا نہ واعظ قلقلِ مینا کے بعد میکدے میں طول اتنا تو نہ دے تقریر کو
کیوں ہوا ناوک خطا نیچی نظر ہے شرم سے لاؤ ہم رکھ لیں کلیجے میں تمہارے تیر کو
آپ فرماتے تھے کل دیکھو بزرگی شیخ کی ہم نے دیکھا ہو جوان اس آسمانِ پیر کو

یادگار اس وقت ہم بھی ہیں زمانے میں ریاضؔ
مانتے ہیں سب ہمیں ہم مانتے ہیں میر کو

وعدہ تھا جس کا حشر میں وہ بات بھی تو ہو یہ سن کے کس ادا سے کہا رات بھی تو ہو
ہم لیں بلائیں زلف کی وہ رات بھی تو ہو آئے مزے کی رُت کہیں برسات بھی تو ہو
گزری یونہی توبہ کے دن اب سوا یہی ساقی ذرا تلافیِ مافات بھی تو ہو
اظہار آرزو کوئی ایسی خطا نہ تھی کیوں تیوریاں چڑھی ہیں کوئی بات بھی تو ہو
پاپوش ان حسینوں کی آتی ہے میرے گھر اُن کی نظر میں کچھ مری اوقات بھی تو ہو
مینا کی طرح جا کے ابھی سر جھکائیں ہم پیرِ مغاں سا قبلۂ حاجات بھی تو ہو
ہم میکدے کو چھوڑ کے کعبے کے ہو رہیں کعبے میں اس طرح کی مدارات بھی تو ہو
بیعت کو سوئے شیخ بڑھیں گے ہزار ہاتھ حضرت سے کچھ ظہور کرامات بھی تو ہو

کہنے کو اٹھ رہی گی ستمگر سہی کوئی بات
محشر کے روز مجھ سے ملاقات بھی تو ہو

بنت عنب بچھائے گی دامن پہ نماز
زاہد مرید، پیر خرابات بھی تو ہو

تم کو ریاض جانتے ہیں خوب یہ حسیں
جتنے ہو نیک اتنی ہی بد ذات بھی تو ہو

ڈر ہے کہ تم نے خون کسی کا کیا نہ ہو
اتنا بھی شوخ ہاتھ کا رنگ حنا نہ ہو

کیوں مردہ آرزوؤں میں کچھ جان سی پڑے
اب ہے دعا قبول ہماری دعا نہ ہو

جائے گی دن کو بھی نہ شب غم کی تیرگی
آئی ہوئی فلک سے یہ کوئی بلا نہ ہو

تھی باغباں کو لاگ نشیمن کی شاخ سے
صیاد کوئی اور نیا گل کھلا نہ ہو

رہنے کو تیرہ گھر مجھے غربت میں وہ ملا
اک عمر سے چراغ بھی جس میں جلا نہ ہو

وہ بھی یہ چاہتے ہیں ٹھہر جائے دل ذرا
ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ ناوک خطا نہ ہو

جانے کو بزم غیر میں مہندی لگائی ہے
میرا چراغ راہ ترا نقش پا نہ ہو

کہنا کسی کا ہائے وہ جھنجلا کے ناز سے
کم بخت ہاتھ چھوڑ کوئی دیکھتا نہ ہو

ہم نے بھی ان حسینوں کو چھیڑا ہی کس قدر
ایسے بھی کوئی ہے جو ہمیں کو ستا نہ ہو

چلتی ہوئی ہی تیغ ادا ان کی کس قدر
اس کی بھی جان جاتی ہی جس کی قضا نہ ہو

تم کو جو نیند آئے تو دشمن کو موت آئے
افسانہ وہ سناؤں جو تم نے سنا نہ ہو

دامن سے طور کے نہ سہی دور سے سہی
دیکھو کلیم اور کوئی دیکھتا نہ ہو

ان سے ملا یہ ذکر وفا پر مجھے جواب
اس کو سکھاؤ تم جو تمہیں جانتا نہ ہو

اللہ حسن دی تو حیا بھی ضرور دے
کس کام کی وہ آنکھ ہی جس میں حیا نہ ہو

کافر حسیں بلا سے خفا ہیں ہوا کریں
ہم سے خفا ریاض ہمارا خدا نہ ہو

سو بوتلیں چڑھاؤں تو نشہ ذرا نہ ہو
پانی ہے یہ شراب، جو کالی گھٹا نہ ہو

خلوت میں تیرے شمع نہ ہو آئینہ نہ ہو
اللہ رے شرم کوئی انہیں دیکھتا نہ ہو

جس نے دلوں میں آگ لگائی ہو دور ہے
بھڑکا ہوا وہ شعلۂ رنگِ حنا نہ ہو

آتی نہیں ہے نیند حسینوں کو بے سُنے
میں ہوں نہ ہوں، جہان میں مرا فسانہ ہو

تیرے خرامِ ناز سے اُٹھ جائے ایک بار
وہ فتنہ حشر بن کے جواب تک اُٹھا نہ ہو

بے رنگ و بو فشردۂ انگور کچھ نہیں
پانی ہے وہ، شراب کا جس میں مزا نہ ہو

حشر آئے جائے، لذتِ پیماں یونہی رہے
دل چاہتا ہے وعدۂ فردا وفا نہ ہو

توبہ کے توڑنے میں بھی آتا نہیں ہے لطف
جب تک شریکِ بادہ کوئی پارسا نہ ہو

بولے شبِ وصال ہٹا دو تم آئینہ
ہم کو ہماری آنکھ سے یہ دیکھتا نہ ہو

نازک سی بات، وقت بھی نازک، ذرا سی رات
نازک ہیں وہ بھی وصل کی شب کیا ہو کیا نہ ہو

رنگتے ہیں میرے خون سے مہندی لگا کے ہاتھ
کیوں پانی پانی آتشِ رنگِ حنا نہ ہو

بوتل ہماری آنکھ کی پتلی بنی رہے
بے لطف سبزہ ہے جو یہ کالی گھٹا نہ ہو

رندو مزا ہے پینے کا شبہائے صوم میں
آئے قضا، مگر کوئی روزہ قضا نہ ہو

کیوں بیقرار تا قفس آئے شرارِ برق
کوئی چمن میں آج نیا گل کھلا نہ ہو

ہم دیکھتے ہیں جام کو للچائی آنکھ سے
پینے کی ہے یہ چیز جو خوفِ خدا نہ ہو

کچھ بھی چلے نہ کام بڑھاپے میں اے ریاضؔ
اُٹھ کر یہ موجِ مے جو ہمارا عصا نہ ہو

شکرِ بیداد تو ہو شکوۂ بیداد نہ ہو
میرے لب پر ہو تبسم کبھی فریاد نہ ہو

چھائے پھولوں سے بھی صیاد تو آباد نہ ہو
وہ قفس کیا جو تہِ دامنِ صیاد نہ ہو

حشر پر لطف کی اک بات اٹھا رکھی تھی
ہم تمھیں یاد دلاویں جو تمھیں یاد نہ ہو

شام ہی سے وہ شبِ وصل یہ کہہ کر سوئے
جو ستائے ہمیں سوتے میں کبھی شاد نہ ہو

قدر مجھ رند کی تجھکو نہیں اے پیرِ مغاں
توبہ کرلوں تو کبھی میکدہ آباد نہ ہو

بن کے تصویر دمِ ذبح رہے سینے پر
دستِ نازک سے رواں خنجرِ جلاد نہ ہو

بام پر شوق سے جو چاہے ستائے اُن کو
میری آہیں نہ ہوں نالے نہ ہوں فریاد نہ ہو

ہو وفا جس میں وہ معشوق کہاں سے لاؤں
ہے یہ مشکل کہ حسیں ہو ستم ایجاد نہ ہو

جا بھی کیوں چھیڑتی ہے اب نہ وہ دل ہے نہ دماغ
تو قفس میں مرے سر نکہتِ برباد نہ ہو

کیوں ہے ضد حشر کے دن کان بھرے ہیں کس نے
شورِ محشر تو ہو لیکن مری فریاد نہ ہو

کون یہ کہہ کے نشیمن سے اُڑا اے صیّاد
میں تو برباد ہوں مٹی مری برباد نہ ہو

ہم بھی مشتاقِ جمال آئے ہیں اے جلوۂ طور
پیش موسیٰ کو جو آئی ہے وہ اُفتاد نہ ہو

جو تجھے دیکھ لے ہو جائے وہ بندہ تیرا
اے بت ایسا بھی مگر حسنِ خداداد نہ ہو

لبِ جاں بخش سے اب نزع میں کیسی وعدۂ حشر
جائیے جائیے بس منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

سیر کُہسار میں سائے سے جھجکتی کیوں ہے
ساتھ شیریں کے کہیں حسرتِ فرہاد نہ ہو

لطف دے جائے فرشتوں کی گواہی دمِ حشر
ان بزرگوں کو بُری بات کوئی یاد نہ ہو

ملتی ہے طاقِ حرم سے پسِ توبہ ہم کو
کعبہ آباد رہے میکدہ آباد نہ ہو

تم سلامت رہو دشمن کے ستانے والے
میری قسمت میں نہیں لذتِ بیداد نہ ہو

کل گئی تھی وہ بہت بامِ بتاں سے اونچی
اے اثر عرش سے لپٹی مری فریاد نہ ہو

سخت کافر ہیں یہ معشوق کلیسا والے
کعبۂ دل بھی کہیں بصرہ و بغداد نہ ہو

پھونک چکا صور مگر وہ نہیں اُٹھتا اب بھی
حشر بھی کوئی ترا کشتۂ بیداد نہ ہو

نہ زباں پر نہ پر و بال پر اپنے قابو — میں وہ بلبل ہوں جو گلشن میں بھی آزاد نہ ہو
اے فلک دے دے کوئی چاند کا ٹکڑا مجکو — شرط یہ ہے کہ حسیں ہو ستم ایجاد نہ ہو
وہ خمِ زلف ہو یا گوشۂ دامن ان کا — جا کے پہلو سے کہیں کا دل ناشاد نہ ہو

اِن حسینوں کے ہوں جھرمٹ بھی تو کیا لطف ریاضؔ
چھیڑ کی چیز جو میرا دل ناشاد نہ ہو

نظر کے سامنے ممکن ہے لالہ زار نہ ہو — اُڑائیں پھول نہیں ہے اگر بہار نہ ہو
شب وصال یہ شوخی بھی ناگوار نہ ہو — دعائیں ہیں کہ کوئی آج بیقرار نہ ہو
کڑی کمان کا تیر اور دل کے پار نہ ہو — نگاہِ یار نہ ہو وہ نگاہِ یار نہ ہو
شب وصال بھی ان پر کوئی نثار نہ ہو — بہت کہی کہ ذرا آج بیقرار نہ ہو
نکل کے اپنے نشیمن سے کوئی کیا دیکھے — چمن ہے خانۂ صیاد اگر بہار نہ ہو
وہ جائیں شوق سے ٹھکرا کے قبر غیر کے گھر — یہ دیکھ لیں سرِ دامن مرا غبار نہ ہو
کھٹک سی ہوتی ہے آنکھیں ملیں نہ آہوِ دشت — چبھا ہو امرے تلوں میں کوئی خار نہ ہو
مزے کی چیز ہے کم بخت کی اذیت بھی — کٹے نہ رات اگر لطفِ انتظار نہ ہو
نگہ کے ساتھ ہی آیا کسی کا ناوک بھی — وہ دل کے پار نہ ہو یہ جگر کے پار نہ ہو
کرم سے تیری یہ اتنے تو ہوں شمار کے دن — مرے گناہوں کا مالک مرے شمار نہ ہو
تری گلی میں لحد میں بھی جا کے دیکھ لیا — نہیں کہیں کا جسے دل پر اختیار نہ ہو
وہ ٹوٹے ہار کی صورت وہ ٹوٹے دل کی طرح — جو دستِ شوق کسی کے گلے کا ہار نہ ہو
دکھائے جوش تو دریا بہائے اے ساقی — یہ خم تو ہے جو نہیں ابرِ کوہسار نہ ہو
ادھر بھی تیر فگن کوئی نیم کش ناوک — رہے خلش کی طرح دل میں دل کے پار نہ ہو

پئے نماز بھی ہم بیٹھ کر وضو نہ کریں
کنارِ جو بطِ مے کا اگر شکار نہ ہو

خدا کے بندے کچھ ایسے نڈر ہیں اے ساقی
ہزار بار پئیں توبہ ایک بار نہ ہو

یہ آدھی رات کو ان کا پیام آیا ہے
ہم آج آ نہیں سکتے اب انتظار نہ ہو

یہ سوکھی گھاس ہری ہو گئی تو کیا حاصل
ہماری قبر پہ اے ابر اشکبار نہ ہو

گل آئیں میری لحد پر تو رنگ اڑ جائے
چراغ آئے تو روشن سر مزار نہ ہو

کچھ انحصار نہیں مے فروش پر ساقی
چلے نہ کام جو سودا کبھی ادھار نہ ہو

نزاکت ان کی ہی معلوم دل کو بھی شبِ وصل
خدا کرے کہ یہ کم بخت بیقرار نہ ہو

ہزار تلخ سہی مے ملے تو موقع سے
یہ چیز وہ ہے جو زاہد کو ناگوار نہ ہو

اٹھا ہوں خوف زدہ میں لحد سے قبل از وقت
کہ سب سے پہلے مری حشر میں پکار نہ ہو

ہیں ایسے قول کے سچے سپید ریش ریاضؔ
قسم بھی کھائیں یہ حضرت تو اعتبار نہ ہو

جواں کر دی الٰہی صحبتِ پیر مغاں مجکو
پرانی میکدے والی بھی جانے نوجواں مجکو

دکھاتا ہی نئے رنگ اپنے کیا کیا آسماں مجکو
نظر آتا ہی یہ ظالم بڑھاپے میں جواں مجکو

کہیں بیٹھوں کھٹکتی ہی نگاہِ باغباں مجکو
چمن سے دور لے جانا پڑا اب آشیاں مجکو

وہ آئیں تو نزاکت کو نہ اپنے ساتھ آنے دیں
یہی ہے وصل کی شب جو گزرتی ہی گراں مجکو

شراب اڑتی رہی تو بھی گھٹا چھائی رہی یونہی
نہ دیکھے آسماں تجکو نہ دیکھے آسماں مجکو

چمن میں جس جگہ پہنچا لیا پھولوں کی جھرمٹ نے
بلا ہر شاخ پر جا کر بنیا اک آشیاں مجکو

ذرا سی وصل کی شب ہو گئی ان کو سال سے بڑھ کر
عوض لوں گا حسینوں سے ستائی آسماں مجکو

بڑی موقع سے تھی ہرچند وہ جنت کے باہر تھی
حرم سے ہٹ کے رستے میں ملی مے کی دکاں مجکو

کیا ہے یاد مجکو یہ سمجھ کر جان پڑ جاتی
جو مرتے مرتے آجاتیں کہیں دو ہچکیاں مجکو

گزرتی سال دن کی طرح معشوقوں کی صحبت میں
جناب خضر دے دیتے جو عمر جاوداں مجکو

رہی گی ہونٹھ پر فریاد جب تک دل ہی پہلو میں
نہ تالو سی لگانے دے گا یہ ظالم زباں مجکو

نزاکت سی یہ لچکے ہیں جو رکھوں لاکے تنکا بھی
یہ شاخ گل جھلائے اب نہ بہر آشیاں مجکو

چھپائی منہ ہیں لغزش پاؤں میں ہے ہاتھ میں خنجر
وہی تو ہیں جو چھوڑی جا رہی ہیں نیم جاں مجکو

لبوں پر آئیں وہ باتیں جو دونوں دل میں رکھی ہیں
نہیں وہ راز داں میری بنائیں راز داں مجکو

یہ ہے نوک مژہ کوئی نہیں رکھ لوں گا جیسے دل میں
دئیے جاتے ہیں کیوں ٹوٹی ہوئی اپنی سناں مجکو

کڑی چتون کے ناوک مجکو اچھے ہیں نگاہوں سے
چڑھا کر تیوریاں دیکھے نہ وہ ابرو کماں مجکو

ترے کوچے میں جب جاتا ہوں تو خواب گراں بن کر
کہ آنکھوں میں جگہ دیتا ہی تیرا پاسباں مجکو

تمہاری طرح میں بھی چٹکیاں لیتا رہوں دل میں
جو آئے ہو سکھاتے جاؤ اپنی شوخیاں مجکو

مری افسوں طرازی کی ریاضؔ اتنی جو شہرت ہے
سبب یہ ہی کہ ساحرؔ[1] سا ملا ہے قدرداں مجکو

مکان یار کی دھوکہ نہ دے اے لامکاں مجکو
نظر آئے زمیں مجکو نہ سوجھے آسماں مجکو

مٹاتا ہی جو انگاروں پہ اب لے آسماں مجکو
قفس کی شاخ لے لے دیدے شاخ کہکشاں مجکو

سلائیں گی اجل کی نیند اب یہ سولیاں مجکو
نگاہوں پہ چڑھا رکھا ہی تو نے باغباں مجکو

کبھی صحرا میں کچھ چپ چپ زبان خار سکھی تھی
نہیں آتی نوا سنجان گلشن کی زباں مجکو

کلیجا تھام لیتے ہیں کلیجا تھام لیتا ہوں
سناتی ہے کبھی ان کو کبھی میری فغاں مجکو

وہی ہیں اس طرف روشن ہیں روزن اُن کے جلوہ سے
ذرا دھوکا نہ دیں تاروں بھرا یہ آسماں مجکو

۱؎ ۔ سر مہاراجہ بہادر محمود آباد بالقابہ

جگہ آنکھوں میں دینے کو کھلے سو غنچۂ نرگس
قفس سے آتے آتے مل گئے سو آشیاں مجھکو

رہِ غربت میں چھالے بھی تھکن بھی، دھوپ بھی، لو بھی
وہیں کا ہو رہا میں مل گیا سایہ جہاں مجھکو

مرا پانی بھریں یہ بجلیاں کالی گھٹا والی
جو دیں کانوں کی اپنی زلفوں والے بجلیاں مجھکو

بڑی جمگھٹ وہاں رہتی ہیں انساں بھی فرشتے بھی
حرم میں جا کے اب رکھنا پڑی مے کی دکاں مجھکو

کبھی تو آئیں گے قابو میں مہوش مہ جبیں ظالم
ستالے آسماں مجھکو ستالے آسماں مجھکو

نہ وہ گل ہیں نہ کلیاں ہیں نہ غنچوں کا چٹکنا ہے
اڑائے چٹکیوں میں اب نہ شاخ آشیاں مجھکو

ملے موقع سی میں بوسے تو لے لوں آج گن گن کر
یہ ایک اک منھ میں دیں گے اب تو سو سو گالیاں مجھکو

شبِ فرقت کی افسانے کا ٹکڑا کوئی دے بیٹھیں
سنائیں وصل کی شب آپ میری داستاں مجھکو

کہاں ملتی ہے رات ایسی جو دم بھر چین لینے دیں
مری بے چینیاں تم کو تمہاری شوخیاں مجھکو

یہ کیوں اعمال سب کے حشر میں دھرائے جاتی ہیں
نہ یاد آئے کہیں بھولی ہوئی کچھ داستاں مجھکو

ریاض اشعار سن سن کر فرشتے وجد کرتے ہیں
ملی کوثر سے دھوئی ایسی پاکیزہ زباں مجھکو

اے جنوں ہاتھ وہ اترا ہوا ہار آئے تو
لطف آجائے گا مٹھی میں بہار آئے تو

سرِ دامن ترے کوچے کا غبار آئے تو
پھول برسائے نہ برسائے بہار آئے تو

حشر کو ساتھ لگا لانے کا شکوہ کیا ہے
شکر ہے وہ سرِ بالینِ مزار آئے تو

میں بلا لوں گا تجھے شیخ ترے سر کی قسم
میرے گھر آج کسی طرح ادھار آئے تو

اپنی پلکوں سے کلیجے میں اٹھا کر رکھوں
اے جنوں آنکھ کے نیچے کوئی خار آئے تو

توبہ لب پر نہ سہی ہاتھ میں بوتل ہی سہی
محفلِ وعظ میں کچھ بادہ گسار آئے تو

لیں گے آنکھوں سے قدم دوڑ کے سب اہلِ حرم
درِ ساقی سے کوئی سجدہ گزار آئے تو

صحبتِ شب تو کہاں اس کا اثر ہی رہ جائے — نیند ہی کا سہی آنکھوں میں خمار آئے تو

گنتی بوسوں کی نہ اعداد معافی معلوم — لب سے آتا ہی کہیں روزِ شمار آئے تو

ہو سکوں مضطربِ شوق کو کچھ تو شبِ وصل — شوخیوں سے تجھے پہلو میں قرار آئے تو

رنگ دی جائے گی یہ ریشِ سفید آپ سے آپ — حضرتِ شیخ ذرا ابرِ بہار آئے تو

اچھے کاندھی کو فرشتوں سے رہی دور کے لوگ — وقت پر آج اٹھانے مجھے یار آئے تو

ہم بھی آ جائیں گے بوتل لئے گلشن میں ریاضؔ
مے گلرنگ لئے ابرِ بہار آئے تو

شمع کے ساتھ عجب لطف ہی پروانے کو — آگ سے کھیلتے دیکھا ابھی دیوانے کو

لئے بیٹھے رہیں آپ آئینے کو شانے کو — ہم بھی آ جائیں ذرا زلف کے سلجھانے کو

شبِ وعدہ ارے او شام سے سونے والے — کھل کے کلیاں مرے بستر کی ہیں مرجھانے کو

اے مرے چشمِ تصور ترے صدقے سو بار — تو پری خانہ بنا دیتی ہے ویرانے کو

دل بھی نازک یہ کڑی چوٹ بھی پتھر سی سوا — پھول سی کوئی نہ مارے کسی دیوانے کو

اب ٹھہرتا ہی نہیں سینے پر آنچل ان کا — وہ جوانی میں بھری اور ستم ڈھانے کو

ارے دیوانے سمجھنے کا نہیں ایک کی میں — تجھ سے سو آئیں جو ناصح مرے سمجھانے کو

خانقاہوں سے ہی پوشیدہ تعلق جن کا — راستے ایسے گئے ہیں کئی مے خانے کو

اے صبا پھولوں کی ہو شاخ کہ موجِ مئے ناب — کچھ بنی ہے کمر یار ہی بل کھانے کو

سنئے محشر میں نہ دنیا کی کہانی مجھ سے — کیجئے یاد نہ بھولے ہوئے افسانے کو

پھل ہیں یا جاؤں عبادت کا بنا دی یارب — دانۂ انگور کا تسبیح کے ہر دانے کو

بعد توبہ بھی یہ پھینکا نہیں جاتا ہم سے — ہم لئے بیٹھے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کو

حشر میں فردِ عمل کھینچ کے ماروں منہ پر
ساتھ آئے ہیں فرشتے مجھے شرمانے کو

حُسن کے رُعب نے محفل میں بٹھائے پہرے
شمع تک آئے اجازت نہیں پروانے کو

لاؤں افشردہ انگور کہاں سے اے شیخ
ایک دانہ بھی نہیں گھر میں قسم کھانے کو

جیسے ساقی تری ہنستی ہوئی تصویر شباب
ہم نے دیکھا ہی چھلکتے ہوئے پیمانے کو

آ کے بے موسم گل توڑیں گے توبہ شاید
غل ہے رندوں میں ریاضؔ آتے ہیں میخانے کو

جھومتی قبلے سے آئی تھی ستم ڈھانے کو
لو گھٹا جھک کے اڑا لے گئی میخانے کو

کتنے پیدا ہوئے ساقی خط ساغر سے ہلال
چار چاند اور لگے بزم میں پیمانے کو

جب کیا قصد وطن وادی غربت سے کبھی
نجد سے آئے بگولے مجھے سمجھانے کو

یہ نزاکت میں سوا ہے مری نازک دل سے
جام جم سے نہ لڑائیں مرے پیمانے کو

آ کے زنجیریں ذرا ڈال دیں زلفوں والے
فصلِ گل گھر سے لئے جاتی ہے دیوانے کو

دی عجب مجکو مری رزق رساں نے قسمت
خم سمجھتا ہوں میں انگور کے ہر دانے کو

ہاں وہ گلگیر سہی، شمع کا شعلہ نہ سہی
چٹکیوں میں نہ اُڑائے کوئی پروانے کو

نگہہ مست سے کچھ موج کو نسبت ہی نہ تھی
نرگسی آنکھ سے دیکھا کئے پیمانے کو

چشمِ ساقی نے ہمیں آپ میں رہنے نہ دیا
ہم کدھر آج جھکے چھوڑ کے میخانے کو

تو سہی حشر کا دن، رات بنے، نیند آئے
وہ سنیں تو سرِ محفل مرے افسانے کو

نہ سہی برق سرِ طور یہ کیا کم ہے کلیم
بجلیاں کرتی ہیں روشن مری ویرانے کو

ٹوٹے توبہ کی طرح ہم پس توبہ بھی ریاضؔ
آپ میں رہ نہ سکے دیکھ کے پیمانے کو

یاسمن زار نہ ہو لطف چمن زار نہ ہو — پھول اُڑتی ہی جہاں کوئی وہاں خار نہ ہو

حشر کی دھوم سرِ راہ گزر یار نہ ہو — دو قدم آگے اگر فتنۂ رفتار نہ ہو

دامنِ برق حجاب اب دمِ دیدار نہ ہو — جس سے بجلی گرے وہ گرمیٔ گفتار نہ ہو

اے حسینو رہے انگشت نمادزدِ حنا — دل میں جو چور ہے اس کا کبھی اظہار نہ ہو

نہ اُٹھے پردہ جو آپس میں نگاہیں نہ ملیں — دل کی دل ہی میں رہی آنکھ اگر چار نہ ہو

اُن کی جنبش ہی کہیں تیغ سے بڑھ کر قاتل — چوڑیاں دستِ حنائی میں ہوں تلوار نہ ہو

بارِ عصیاں کے سوا دو دو فرشتے سرِ دوش — لطف یہ بندۂ عاجز کو ذرا بار نہ ہو

کب سے کشتی ہے بھنور میں مری اے بیم بلا — ڈوب ہی جائے یہ کم بخت اگر پار نہ ہو

مانگتا ہوں یہ دعا حشر کا دن رات بنے — اے بتو میری طرح کوئی سیہ کار نہ ہو

دل کی بات آئے زباں پر نہ کسی کے آگے — آنکھ جو چاہے کہے لب سے کچھ اظہار نہ ہو

سرِ خم دیکھ کے ساغر یہ کہا مستوں نے — خطِ ساغر کوئی برق سرِ کہسار نہ ہو

ایسے باوضع بہت ہیں ہمیں دو ایک نہیں — توبہ کے بعد بھی پینے میں جنھیں عار نہ ہو

رہنِ مے جبہ و دستارِ امامت بھی ہوئے — اس طرح بھی کوئی بے جبہ و دستار نہ ہو

ساتھ رہنا ہے تو مل جُل کے رہیں دوش بدوش — یہ تو کچھ بھی نہیں تسبیح ہو زنّار نہ ہو

اے جنوں ابکی بہار آئے تو اس لطف سے آئے — فرشِ گل پاؤں کے نیچے ہو کوئی خار نہ ہو

پینے آیا ہی سوئے میکدہ جو آبِ حیات — خضرِ صورت یہ پُرانا کوئی میخوار نہ ہو

سب کے لب پر ہی مجھے دیکھ کے توبہ توبہ — کوئی اتنا بھی زمانے میں گنہگار نہ ہو

میں نے تم سے جو بتو آنکھ چرائی ہو کبھی — حشر کے روز خدا کا مجھے دیدار نہ ہو

خلق کو دھوکے میں ڈالا ہی مقدس بن کر — اے ریاض آپ سا بھی کوئی ریاکار نہ ہو

کفن سرکا کے حسنِ نوجوانی دیکھتے جاؤ | ذرا افتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ
لپک شعلے کی ہے یا گلفشانی دیکھتے جاؤ | کلیم ان کی ادائے لن ترانی دیکھتے جاؤ
نئے خم میں مئے کَے وجم کی نشانی دیکھتے جاؤ | ہمارے میکدے کی بھی پرانی دیکھتے جاؤ
ابھی تھوڑی سی اس کو اپنی بوتل کی پلائی ہے | ذرا رندو شبابِ شیخِ فانی دیکھتے جاؤ
کسے تم ڈھونڈتی ہو دل کہاں ہے میری پہلو میں | اب اس کا داغ ہے اس کی نشانی دیکھتے جاؤ
بھری آنکھوں میں آنسو موت کے ہیں سانس چلتی ہے | بندھی پانی میں ہیں موجوں کی روانی دیکھتے جاؤ
خضر یہ آبِ حیواں ہے بھی کچھ پہلے کی ہے شاید | ذرا کہنہ خم مے کی پرانی دیکھتے جاؤ
الگ سب سے پڑا رہتا ہوں میں اک قبرِ کہنہ میں | گزرتی کس طرح ہے زندگانی دیکھتے جاؤ
ہماری زمزمی میں آبِ زمزم بھی ہے وہ شے بھی | ہوئے ہیں جمع کیوں کر آگ پانی دیکھتے جاؤ
سحر ہوتی ہے ٹھہرو رات آخر وقت آخر ہے | نہ جاؤ ختم ہوتی ہے کہانی دیکھتے جاؤ
اُلٹ دی ایک دنیا سر مہاراجہ[1] کی رحلت نے | کہے کون انقلابِ دارِ فانی دیکھتے جاؤ
پیام آیا تھا عشرتی میں کہ پہنچیں وقت سے پہلے | یہ کہتا کون بچّوں کی جوانی دیکھتے جاؤ

پکارے کہتی تھی عبرت ریاضؔ آقا کی بالیں پر
ذرا افتادِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

انگاروں پر لٹائیں دلِ داغدار کو | اتنا نہ سر چڑھائیں وہ پھولوں کے ہار کو
ہم رند کیوں نہ جانیں غنیمت اُدھار کو | اس مفلسی میں پیتے ہیں پلوا کے چار کو
جھنجلا کے بولے آگ لگے ایسے پیار کو | مَل دَل کے رکھ دیا مری پھولوں کے ہار کو
لائے ہیں اپنے ساتھ نسیمِ بہار کو | گل کرنے آئے ہیں مری شمعِ مزار کو

[1] سر مہاراجہ بہادر محمود آبادی اعلی اللہ مقامہٗ

وا ہو رہی ہیں پہلے سے خود ہی درِ قفس — لے بڑھ کے کوئی قافلۂ نو بہار کو
وہ آئیں پہنچے خاکِ لحد آسمان پر — ٹھکرا کے چار چاند لگا ئیں غبار کو
میں لاکھ ضد کروں وہ اتروا دیں حلق سے — پلوا دے کوئی تھوڑی سی مجھ روزہ دار کو
وہ میکدے میں پنبۂ مینا بنی رہے — اللہ دن دکھائے یہ صبحِ بہار کو
سو آسمان گم ہوں یہ نو آسمان کیا — وہ دیکھ لیں اڑا کے ہمارے غبار کو
جس شغل میں گزرتی ہے شب مے پرست کی — نسبت نہیں ہے زاہدِ شب زندہ دار کو
قبلے سے آ رہی ہے گھٹا جھومتی ہوئی — شاید یہ لینے آتی ہے مجھ بادہ خوار کو
گھٹی میں میری شیرۂ انگور ہی پڑا — منظور تھا یہی مرے پروردگار کو
ملتا رہے تو بڑھ کے نہیں اس سے اور شے — ہم جانتے ہیں نقد سے اچھا ادھار کو
پی کر بنیض پڑھتے ہیں ہم فجر کی نماز — چھوڑیں گے ہم نہ اس عرقِ خوشگوار کو
اے میفروش ایک کے دس جائیں جیب سے — جانے نہ دیں گے ہاتھ سے ہم اعتبار کو
ہے خوف باز پرس سے ہر روز صبحِ حشر — رکھوں میں کس حساب میں روزِ شمار کو
اے خضر خم نے پاؤں نکالے ہیں سیٹ سے — روندے گا اب یہ جا کے کسی سبزہ زار کو

دیوان مرا ہو طبع تو دنیا پکار اٹھے
گلچینی ریاض مبارک بہار کو

آگے آیا چاندسی صورت لئے ہر آئینہ
چوٹ پڑتی چوٹ ٹوٹا آئینہ پر آئینہ

خوب ہی پہچانتا ہے ان کے تیور آئینہ
کچھ بھی گزری دل نہیں بنتا تڑپ کر آئینہ

ان کو تزئیں کی نہیں پر غرور حسن سے
دیکھنا دو بھر ہوا ہے آنکھ اٹھا کر آئینہ

شوخیاں دیکھے کوئی چھپنے چھپانے کے لئے
رکھ دیا نقشِ قدم نے ہر قدم پر آئینہ

آپ کو اس نے بنایا بن چلے کچھ آپ بھی
بندگی کرنے کو ہے ای بندہ پرور آئینہ

دیکھتا ہی آئینہ میں کوئی جوبن کی بہار
دیکھنا ہو جائے گا جامے سے باہر آئینہ

جام زیرِ جام ہے یا عکس ساغر میکشو
زیرِ آئینہ ہے ساغر زیرِ ساغر آئینہ

گھر میں جہاں چاندسی اک شکل ہی جب دیکھئے
ٹوٹتا ہی کیا مزے اندر ہی اندر آئینہ

ساتھ میری عکس تیرا دوڑ کر منہ چوم لے
اس ادا سے دیکھ تو اے ماہ پیکر آئینہ

پیاری پیاری شکل تیری جلوہ گر دونوں میں ہے
آئینے سے بڑھ کے دل ہی دل سے بڑھ کر آئینہ

ننھی منی آرسی سے تم نے دی اچھی مثال
دل میں وہ وسعت ہے قد کی برابر آئینہ

زلفِ برہم میں ہمارا دل ہی شانے کے عوض
کانٹتا ہے کوچہ گیسو میں چکر آئینہ

یاد آئی بزم میں تقدیر چمکی دن پھرے
جام اٹھا کر جم چلا لے کر سکندر آئینہ

ابھرے ابھرے سخت جوبن عکس افگن ہیں ریاض
کیوں وہ بیٹھے چور کرنے لے کے پتھر آئینہ

ہو نہیں سکتا ہماری دل سے بہتر آئینہ
گھٹ کر اُن کی آرسی بنتا ہے بڑھ کر آئینہ

جس طرف گزری اُدھر آنکھیں بچھیں ہیں راہ میں
ہے جہاں نقشِ قدم ہے آئینے پر آئینہ

چوٹ سی لگتی ہے دل پر شکل اپنی دیکھ کر
ہاتھ میں آتے ہی ہو جاتا ہے پتھر آئینہ

تاب کیا اس کی مقابل ہو رخِ پُر نور کے
سامنے آئے تو بد گوہر بد اختر آئینہ

اِن بتوں کی دید کا لپکا بہت اچھا نہیں
ٹھوکریں کھائے گا در در ہو کے بے گھر آئینہ

یاد آجاتی ہے کوئی بات ان کو وصل کی
دیکھنا آفت ہوا ہے مسکرا کر آئینہ

چوٹ ہی در پردہ دل پر کیسی کم بخت کے
آج کل پیشِ نظر رہتا ہے اکثر آئینہ

وہ سمائے آپ میں اس طرح اپنی آنکھ میں
دیکھنا مشکل انہیں ہے آنکھ بھر کر آئینہ

دیکھتے ہیں آرسی وہ بل جبیں پر ڈال کر
دیکھتے ہیں باندھ کر وہ تیغ و خنجر آئینہ

رکھ دیا ہے راہ میں کس نے دمِ رفتارِ ناز
کیا عجب ہے دل کے بدلے کھائے ٹھوکر آئینہ

حسنِ صورت سے سوا حسنِ ادا وقتِ بیاں
بہرِ واعظ چاہئے ہے پیشِ منبر آئینہ

اپنی صورت کے وہ بن بیٹھے ہیں عاشق آپ ہی
اب تو آگے سے نہیں ہٹتا ہے دم بھر آئینہ

کیوں بلائیں لے کے منہ چوما دمِ تزئیں ریاضؔ
اُٹھ گئے وہ پھینک کر شانہ پٹک کر آئینہ

کام کی آہ وہی ہے جو ہو تاثیر کے ساتھ
شرط ہے خوبیِ تقدیر بھی تدبیر کے ساتھ

کاوش اُس کو بھی ہے ظالم ترے نخچیر کے ساتھ
تیر کی طرح پہنچتی ہے قضا تیر کے ساتھ

دیکھے بل ان کے جبیں پر تو کہا مژگاں نے
چلتے ناوک بھی رہیں خنجر و شمشیر کے ساتھ

چرخ کی راہ ترے بام سے ہی او ظالم
کیا مرا دل بھی گیا نالۂ شبگیر کے ساتھ

لاکھ ہشیار سہی حسن کا تقاضا یہ ہے
فلک پیر رہے اس بتِ بے پیر کے ساتھ

نگراں کوئی نہیں غیر کا گھر ہے ڈر ہے
میری تصویر رہے آپ کی تصویر کے ساتھ

زالِ دنیا نہ چلی راہ کبھی اس کے خلاف
سچ یہ ہے خوب نباہی فلکِ پیر کے ساتھ

رکھ دیں پروانے جو منہ شمع کے منہ پر تو کیا
بات بوسوں کی گئی وہ لبِ گلگیر کے ساتھ

بامِ ظالم سے کوئی عرش سے ٹکرائے کوئی
نالے قیدی کے رہیں نالۂ زنجیر کے ساتھ

وصل کی رات ہی ضد وصل میں ہر بات سے ہے
بن کے تدبیر بگڑتی رہی تقدیر کے ساتھ

سوئے ہیں تاروں بھری رات میں کھولی ہوئی زلف
چمکِ افشاں کی بھی ہے تاروں کی تنویر کے ساتھ

دورِ منزل سرِ شام آگے نہ پیچھے کوئی
ہائے سایہ بھی نہیں راہ میں رہگیر کے ساتھ

یونہی اے کاش بڑھے بزمِ سخن کی رونق
خوشنوا نغمہ سرا ہوں جو مضامیر کے ساتھ

اب کہاں شستہ زبانی میں کی افسوس ریاضؔ
میر کا رنگِ تغزل بھی گیا میرؔ کے ساتھ

میں نے لیا جو حشر میں دامن بڑھا کے ہاتھ
بولے وہ آبرو ہے مری اب خدا کے ہاتھ

سانچے میں نور کے جو ڈھلی ہیں وہ بوتلیں
کعبے کو بھیجنا ہیں کسی پارسا کے ہاتھ

یہ چور وہ نہیں جو سزا پائے چور کی
کاٹے نہ جائیں گے کبھی دزدِ حنا کے ہاتھ

اللہ ری شوخیاں کہ جب آتا ہے ان کو رحم
ہم کو پیام بھیجتے ہیں وہ قضا کے ہاتھ

کانٹے بھی آج راہ کے چننا پڑے اسے
یہ وہ مقام تھا کہ تھکے رہنما کے ہاتھ

بڑھنے لگے تھے دستِ ادب بن کے دستِ شوق
ظالم نے آج تھام لئے مسکرا کے ہاتھ

رہتا ہے دور دور بہت ہم سے آسماں
بچپن میں تارے توڑے تھے ہم نے بڑھا کے ہاتھ

کھنچ جائے شکل آنکھ میں سما جائے دل میں نقش
قربان تیری کوس مجھے یوں اٹھا کے ہاتھ

اترائے پھر رہے ہیں وہ محشر میں ناز سے
آغوش میں نہ کھینچ لے کوئی بڑھا کے ہاتھ

آفت ہیں کم سنی کی ادائیں شبِ وصال　　کیسے وہ خوش ہیں ہاتھ سے میرے چھڑا کے ہاتھ

قسمت ہیں وقتِ مرگ بھی گردش تھی اے ریاضؔ

گرداب نے لیا جو تھکے ہم لگا کے ہاتھ

اے عندلیب ٹوٹ نہ جاتے صبا کے ہاتھ　　دو پھول ڈال دیتی قفس میں اُٹھا کے ہاتھ

قربان لاکھ بار مئے نوکشید کے　　ساقی نے ہاتھ کھینچ لیا پھر بڑھا کے ہاتھ

دل لے کے وہ خدا کی خدائی تو دیکھ لے　　یہ آئینہ ہے اور ہیں اُس خود نما کے ہاتھ

ہنستے ہیں زخم، موجِ تبسم ہے تیغِ ناز　　قربان تیری تو نہ لگا مُسکرا کے ہاتھ

دل میں گرہ بتوں کی طرف سے بُری پڑی　　پایا نہ فیض برہمنوں کو دکھا کے ہاتھ

یونہی خدا کرے وہ مجھے کوستے رہیں　　تصویر بن گئے ہیں، دعا کو اُٹھا کے ہاتھ

ہاروں کے پھول چھوتے ہی کُمھلا کے رہ گئے　　کھوئے گئے بدن میں ترے ہم لگا کے ہاتھ

آیا تھا روزِ حشر مرے ہونٹھ پر گِلا　　گردن میں اس نے ڈال دی مُسکرا کے ہاتھ

درباں نہ تھا وہ غیر تھا آئی جسے ہنسی　　اُن کی گلی میں کھوئے گئے ہم مِلا کے ہاتھ

یوں چھلکے بزمِ وعظ میں جامِ مئے طہور　　حسرت سے رہ گئی کئی میکش بڑھا کے ہاتھ

کہتے تھے کیوں ریاضؔ دغاباز دل سے آج

چل تجکو بیچ آئیں کسی بے وفا کے ہاتھ

سلامت میکدہ یارب سلامت پیرِ میخانہ　　حرم میں ہوں مری آنکھوں میں ہے تصویرِ میخانہ

تجھے جانا بھی ہے جنت میں اے واعظ جواں ہو کر　　جو آیا ہے تو دیکھے جا ذرا تاثیرِ میخانہ

خمِ مے پر برس پڑتا ترا ابرِ سیہ بن کر　　رہے گی یاد اے واعظ تری تقریرِ میخانہ

حرم میں دیر میں بھی شمع ساقی روشنی رہتی　　چمک جاتے جو پڑ جاتی ذرا تنویرِ میخانہ

رہِ دیر و حرم جو کوئی بھولا وہ یہاں پہنچا ۔۔۔ نہ بھولا راستہ کوئی کبھی رہگیرِ میخانہ
یہ موجِ مے ابھی تو جسم میں پیوست ہو جائے ۔۔۔ دکھا دوں محتسب کو دُرّۂ تعزیرِ میخانہ
فرشتے اس کی چشمِ فیض سے انسان بنتے ہیں ۔۔۔ پلاتا دور ہی سے ہے کچھ ایسی پیرِ میخانہ
یہ وسعت ہے کہ دورِ آسماں اک دورِ ساغر ہے ۔۔۔ بڑھی ہے عرش سے بھی رفعتِ تعمیرِ میخانہ
نہیں ساغر سرِ خُم طور پر ہیں برق کے جلوے ۔۔۔ بہت چمکی ہوئی ہے آج کل تقدیرِ میخانہ
کہیں ہم کیا ہمارا میکدہ وابستہ ہے کس سے ۔۔۔ ملی ہے عرش کی زنجیر سے زنجیرِ میخانہ

ریاضؔ اس میکدے میں بھی شرف ہے کچھ سیادت کو
نہیں ہم پیرِ میخانہ مگر ہیں میرِ میخانہ

بنی آتے ہی اُس کے موجِ بادہ تیرِ میخانہ ۔۔۔ کہو شیخِ حرم کو میکشو نخچیرِ میخانہ
چڑھائی کر کے توبہ خمکدہ پر بچ نہیں سکتی ۔۔۔ اُٹھی وہ موجِ بادہ وہ کھنچی شمشیرِ میخانہ
بڑھے اس کے مدارج ہیں یہ میخانہ ہے الفت کا ۔۔۔ کوئی پہنچے ہوؤں سے پوچھ لے توقیرِ میخانہ
کلیسا سے حرم سے دیر سے یکساں تعلق ہے ۔۔۔ بہت ہی با اثر ہے پیر خوش تدبیرِ میخانہ
وہ آبِ زر ہے جس کو بادہ تسنیم کہتے ہیں ۔۔۔ وہ مے ہے جس کو ہم کہتے ہیں شہد و شیرِ میخانہ
نظر آئے حرم میں جام و ساغر سب اسی خط کے ۔۔۔ خطِ ساغر سے پھیلی ہر جگہ تحریرِ میخانہ
لگا لاتے ہیں پیشانی میں سجدے کے بہانے سے ۔۔۔ یہی خاکِ درِ میخانہ ہے اکسیرِ میخانہ
جہنم جنّت و واعظ کو سب میکش سمجھتے ہیں ۔۔۔ کہوں جنّت کو میخانہ یہ ہے تحقیرِ میخانہ
خزاں میں بھی بہارِ جام و ساغر جا نہیں سکتی ۔۔۔ کہ دورِ جام ہے اک حلقۂ زنجیرِ میخانہ
پیے جو چاہے کوئی ہو وہ زاہد ہو کہ میکش ہو ۔۔۔ رواں آٹھوں پہر ہے جوئے شہد و شیرِ میخانہ
ریاضؔ آئی جو شامت ذبح میں نے زباں کھولی ۔۔۔ رہے گی یاد مجکو لغزشِ تقریرِ میخانہ

ٹکڑے مری زباں کے چلے ہیں فغاں کے ساتھ — کتنی فغاں کو لاگ ہے اس آسماں کے ساتھ

آندھی میں بال و پر سے دبائے تھے ہم اُسے — جب آشیاں اُڑا تو اُڑے آشیاں کے ساتھ

تا بامِ پیش آئے جو اُفتاد یا نصیب — ہم ناتواں بھی جائیں گے اپنی فغاں کے ساتھ

رکھ دوں حرم میں دَیر سے لاکر اگر اُسے — ناقوس بھی خدا کو پکارے اذاں کے ساتھ

تاثیر بھی مٹی ہے مری داستان پر — رہتی ہے ہر جگہ وہ مری داستاں کے ساتھ

ٹھکرائے آتے جاتے اُسے کوئی لاکھ بار — سر کو مرے ہے لطف ترے آستاں کے ساتھ

آئے نہ آئے رحم، ترس آئے یا نہ آئے — فریادِ بے جرس ہوں لُٹے کارواں کے ساتھ

میں تیرے صدقے آرزوئے مرگِ ناگہاں — عمرِ ابد ملی ہے غمِ جاوداں کے ساتھ

کیسا ہی ابر و باد ہو، آ بیٹھنا ہمیں — اے میفروش اُنس ہے تیری دکاں کے ساتھ

آئی تھی فصلِ گُل ابھی صیّاد کو لئے — لے عندلیب موت اب آئی خزاں کے ساتھ

حصّے میں آگئی ہے جناب ریاض کے
پاکیزگی زباں کی ادائے بیاں کے ساتھ

گھونگھٹ میں غنچے کے نہ رہی یہ حیا کے ساتھ — چل نکلی اب تو نکہتِ گل بھی ہوا کے ساتھ

کیسی برس رہی ہے خوشی آسمان سے — اٹکھیلیاں ہوا کی ہیں کیا کیا گھٹا کے ساتھ

بادل کی ہے گرج کہ صراحی کے قہقہے — بوتل میں موج مے کی ہے بجلی گھٹا کے ساتھ

ہیں اور ہی ہوا میں بھرے تنکے باغ کے — دعوے برابری کا ہے بالِ ہما کے ساتھ

بے منہ کے غنچے کیسے چٹکتے ہیں دیکھنا — لائے ہیں رنگ بلبلِ نغمہ سرا کے ساتھ

شبنم کو یہ پڑی ہے نہ سبزہ رہے اُداس — پائے نمو خندۂ دنداں نما کے ساتھ

آفت میں اے ریاض عنادل کی شوخیاں — چُہلیں گلوں کے ساتھ ہیں چھیڑیں ہوا کے ساتھ

اس حسن کا شیدا ہوں اس حسن کا دیوانہ — ہر گل ہے جہاں بلبل، ہر شمع ہے پروانہ
پتھر پڑیں دونوں پر کعبہ ہو کہ بت خانہ — دونوں سے کہیں اچھا، دیوانے کا پروانہ
کہتا ہے انا لیلیٰ، کیسا ہے یہ دیوانہ — نبھنے کا نہیں دو دن، اب قیس سے یارانہ
کعبہ ہو کلیسا ہو، دل ہو کہ صنم خانہ — جلوہ ہو جہاں تیرا، آباد وہ کاشانہ
چھوٹا سا مرا دل ہے ٹوٹا سا مرا دل ہے — صورت میں تو پیمانہ، وسعت میں ہے میخانہ
دل سے ہی لگی یہ لو، اک ذرہ برابر ضو — پڑ جائے ترا پرتو، اے جلوۂ جانانہ
بیگانہ یگانہ ہے، دل آئینہ خانہ ہے — کعبے کا یہ کعبہ ہے، بت خانے کا بتخانہ
ہے جوش جنوں پر وہ، اے عشق خدا آگہ — فرزانہ ہے دیوانہ، دیوانہ ہے فرزانہ
فرہاد بھی مجنوں بھی، لیتے ہیں قدم میرے — ایسا بھی نہ ہو کوئی، اس عشق میں دیوانہ
یاد آئی بہت ہم کو، ٹوٹی ہوئی توبہ بھی — دیکھا جو کہیں ہم نے ٹوٹا ہوا پیمانہ
شیشے کی پری تجھ میں، کیا حسن کا عالم ہے — ساقی نہ ہو پھر بھی تو یہ گھر ہے پریخانہ
دے کوئی سخی داتا، میخانہ بڑا گھر ہے — آتا ہے صدا دیتا، شب کو کوئی مستانہ

بہکے ہوئے لوگوں میں، سب سے ہیں ریاضؔ اچھے
رفتار ہے مستانہ، گفتار ہے رندانہ

مجکو لینا ہے ترے رنگ حنا کا بوسہ — دست رنگیں کا ملے یا کف پا کا بوسہ
رنگ اڑ جائے جو منقار عنادل چھولے — ہے گراں گل کو لب موج صبا کا بوسہ
چومتا ہاتھ میں ساقی کے ادب مانع تھا — لے لیا جام مے ہوش ربا کا بوسہ
بجلی ہر لہر سی پیدا ہو ترے کوچے میں — لے مرا ہر نفس گرم ہوا کا بوسہ
میں وہ ساغر نہیں آئی کبھی لب تک جو ریاضؔ — کس کو ملتا ہے ترے رنگ حنا کا بوسہ

درد ہو تو دوا کرے کوئی — موت ہی ہو تو کیا کرے کوئی
نہ ستائے کوئی اُنہیں شبِ وصل — اُن کی باتیں سُنا کرے کوئی
بند ہوتا ہے اب درِ توبہ — درِ مے خانہ وا کرے کوئی
قبر میں آکے نیند آئی ہے — نہ اُٹھائے خدا کرے کوئی
تھیں یہ دنیا کی باتیں دنیا تک — حشر میں کیا گلا کرے کوئی
نہ اٹھی جب جھکی جبینِ نیاز — کس طرح اِلتجا کرے کوئی
بوسہ لیں غیر دیں سزا ہم کو — ہم ہیں مجرم خطا کرے کوئی
بگڑے گیسو تو بولے جھنجلا کر — نہ بلائیں لیا کرے کوئی
نزع میں کیا سِتم کا موقع ہے — وقت ہے اب دعا کرے کوئی
حشر کے دن کی رات ہو کہ نہ ہو — اپنا وعدہ وفا کرے کوئی

نہ ستائے کوئی کسی کو ریاضؔ
نہ ستم کا گلا کرے کوئی

بوسے لے کر دُعا کرے کوئی — اس ادا سے گلا کرے کوئی
خم نہیں چاہئے کہ جی بھر جائے — جرعہ جرعہ دیا کرے کوئی
ہنس کے پوچھا کہ کیا مصیبت ہے — سُن کے بولے کہ کیا کرے کوئی
صورت ایسی کہ دیکھتا ہی رہے — باتیں ایسی سُنا کرے کوئی

سختیٔ نزع جب تجھے جانوں
اپنے منہ سے دعا کرے کوئی

یہ بھی ہیں خوبیاں مقدّر کی
جان ہم دیں مزا کرے کوئی

نگہِ یاس کچھ نہیں نہ سہی
دیکھ لے ہاں خدا کرے کوئی

ہم کو اس میں شریک ہو جانا
روئے کوئی گلا کرے کوئی

لوگ کیوں توبہ توبہ کرتے ہیں
سب ہیں شامل خطا کرے کوئی

ان لینے کی خو نہیں نہ سہی
جو کہوں سن لیا کرے کوئی

وقت وہ ہے کہ غیر کہتا ہے
ان کے حق میں دعا کرے کوئی

تم ریاضؔ ایسے وہ کہاں کے آئے
کیوں تمہارا کہا کرے کوئی

جی اُٹھے حشر میں پھر جی سے گزرنے والے
ہائے پیدا ہوئے تو آج بھی مرنے والے

چوس کر کس نے چھڑائی ہے مسی ہونٹھوں کی
سامنے منہ تو کریں بات نہ کرنے والے

شبِ ماتم کی اُداسی ہے سہانی کتنی
چھاؤں میں تاروں کی نکلے ہیں سنورنے والے

ہم تو سمجھے تھے کہ دشمن پر اُٹھایا خنجر
تم نے جانا کہ ہمیں ایک ہیں مرنے والے

پی کے آئے ہیں کہیں ہاتھ نہ بہکے واعظ
ڈاڑھی کتریں نہ کہیں جیب کترنے والے

سن ہی کیا ہے ابھی بچپن ہی جوانی میں شریک
سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

ہاتھ گستاخ ہیں اُٹھ جائیں نہ یہ دامن پر
بچ کے نکلیں مری مرقد سے گزرنے والے

نزع میں حشر کے وعدے نے یہ تسکین بخشی
سو رہے چین سے منہ ڈھانک کے مرنے والے

اپنے دامن کو سنبھالے ہوئے بھوڑین سے
وہ چلے آتے ہیں دل لے کے مکرنے والے

صبر کی میرے مجھے داد ذرا دے دینا
او مرے حشر کے دن فیصلہ کرنے والے

آتی ہے حورِ جناں خلوت واعظ کے لئے — قبر میں اتریں گے منبر سے اُترنے والے
تیرے عاشق جو گئے حشر میں، یہ شور اُٹھا — جائیں دوزخ میں دم سرد کے بھرنے والے
زیر پا دل ہی بچھے ہوں کہ ہیں خوگر اس کے — فرش گل پر بھی نہیں پاؤں وہ دھرنے والے
اشکِ غم ایسے نہیں میں جو اُمنڈ کر رہ جائیں — ہیں یہ طوفان مرے سر سے گزرنے والے

کیا مزا دیتی ہے بجلی کی چمک مجکو ریاضؔ
مجھسے لپٹے ہیں مرے نام سے ڈرنے والے

ہم سے کہتے ہیں کہ ہیں اور بھی مرنے والے — پاؤں پھیلائیں نہ تربت میں اُترنے والے
آج محفل سے انہیں شرم نے اُٹھنے نہ دیا — اپنے جوبن کی طرح تھے جو اُبھرنے والے
وصل کی رات مرے منہ میں ذرا رہنے دیں — وہ زباں جس سے مکرتی ہیں مکرنے والے
چشم پُر نم سے وہ تھی چھیڑ کسی کے غم کی — اب وہ طوفان کہاں سر سے گزرنے والے
کتنی حسرت سے کھڑی ہیں وہی گرداب نشیں — پہلے کھیوے میں جو تھے پار اُترنے والے
درد بھی اُن کی طرح آج چمک کر اُٹھا — آفریں او مرے پہلو میں اُبھرنے والے
میری صحرا کی کڑی دھوپ بھی دیکھیں آکر — شجر طور کے سایہ میں ٹھہرنے والے
کیا کریں کوسیں کسی حشر میں کس پر جھنجلائیں — جس طرف آنکھ اُٹھی جمع ہیں مرنے والے
دور پہنچے ہیں وہ جنت کی ہوائیں بھر کر — آج واعظ نہیں منبر سے اُترنے والے
ان بتوں کو بھی ستاتی نہیں موقع پا کر — اپنے اللہ سے جو لوگ ہیں ڈرنے والے
اُڑ کے صیّاد تک آنا وہ قفس سے میرا — اس کا کہنا کہ ترے پر ہیں کترنے والے
حیلہ جو اُف شب وعدہ وہ ادائیں تیری — اُف وہ بگڑے ہوئے گیسو نہ سنورنے والے
یہ اُبھرنے کا نہیں دیکھ کر اُبھرے جوبن — دل بڑھائیں تو مرا داغ اُبھرنے والے

منتظر جان رہی آنکھوں میں آ کر کچھ دیر — آپ آتے ہی رہے مر گئے مرنے والے

آتش دل کو جو ہر وقت ہوا دیتے تھے — اب کہاں وہ نفسِ سرد کے بھرنے والے

اُمڈی ہے اودی گھٹا لال پری بھی آئے — تخت پریوں کے ہیں سبزی میں اترنے والے

رکھیں خم آتش سیال کے مسجد میں ریاضؔ
ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے بھڑکنے والے

حنا کے رنگ کا بار اس قدر ہے — کسی کے ہاتھ پس جانے کا ڈر ہے

نہ منزل ہے نہ جادہ ہے نہ ڈر ہے — خدا کا گھر ہے میخانے کا ڈر ہے

کب آئے گا کسی کی وصل کا دن — قیامت اس سے شاید پیشتر ہے

بنے ہیں شرم کے پتلے شبِ وصل — حیا آنکھوں میں ہے نیچی نظر ہے

الٰہی دیکھنے کو روز مل جائیں — وہ آنکھیں جن میں کچھ خوابِ سحر ہے

یہاں بھی ہے وہی اترا کے چلنا — قیامت ہے کہ ان کی رہ گزر ہے

ہدف اس کو بنائیں شوق سے وہ — یہ دل اِک طائرِ بے بال و پر ہے

نفس کی آمد و شد سینے میں کیا — وہ آئیں جائیں اُن کی رہ گزر ہے

مری طفلی و پیری ایک سی ہیں — یہ خوابِ شام وہ خوابِ سحر ہے

درِ توبہ نہیں جو بند بھی ہو — کھلا ہر وقت مے خانے کا در ہے

یہ کہتی ہے ادا قوس و قزح کی — فلک نے ظلم پر باندھی کمر ہے

سپیدی کہہ رہی ہے موئے سر کی — شب آخر ہے اٹھو وقتِ سحر ہے

نزاکت جان لے گی ناتواں کی — کمر کا بل نہیں تیغِ کمر ہے

بُرے اعمال ہیں آنکھوں کے آگے — ریاضؔ انجام پر اپنی نظر ہے

موت کے آنسو کچھ اپنے دیدۂ پُرنم میں تھے
نزع میں جب آئے تم ہم اور ہی عالم میں تھے

گورے گورے ہاتھ مہندی سے کیے ہیں لال لال
اور کہتے ہیں کسی کم بخت کے ماتم میں تھے

گیسوؤں میں دل کا پھنسنا جان کو آفت ہوا
ابروؤں کے بل بھی اُن کے گیسوئے پُرخم میں تھے

غیر سینے سے لگا لیتا تھا ہو کے بیقرار
اے میں صدقے کس ادا سے تم مرے ماتم میں تھے

بعد توبہ مُنہ دکھائیں کیا اب اس قابل نہیں
معتکف ہیں مسجدوں میں وہ جو کل تک ہم میں تھے

اُن کے بھولے پن کا اُس دم کوئی عالم دیکھتا
جب وہ گھبرائے ہوئے ہنگامۂ ماتم میں تھے

آگئی ہے دھوپ منہ پر اور وہ اُٹھتے نہیں
ضد سے میری رات جو لیٹے ہوئے شبنم میں تھے

وقتِ رخصت جھلملے تھی سب چراغِ آرزو
صبحِ پیری کیا کہیں کس صحبتِ برہم میں تھے

شوق کی بیتابیاں کا ہے کو دیکھی تھیں کبھی
وصل کی شب کیا کہوں وہ کس نئے عالم میں تھے

چوڑیاں ٹوٹی ہوئی مَسکی قبا صورت نڈھال
غیر کے گھر کیا مجھی کم بخت کے ماتم میں تھے

انفعال میکشی کعبے میں اتنا تھا ریاضؔ
شرم سے ہم ڈوبنے کو چشمۂ زمزم میں تھے

پیمانے میں وہ زہر نہیں گھول رہے تھے
میرے لئے میخانے کا در کھول رہے تھے

میں دیر میں چپ دور سے مُنہ دیکھ رہا تھا
کس طرح بڑے بول یہ بت بول رہے تھے

کرتے تھے وہ بیٹھے ہوئے ناخن سے جدا گوشت
کہنے کو مرے دل کی گرہ کھول رہے تھے

صیاد نے کب ناوکِ بیداد لگایا
ہم اُڑنے کو جب شاخ سے پر تول رہے تھے

اے آنکھ دُرِ اشک وہی نزع میں کام آئے
بن کر ترے دامن میں جو انمول رہے تھے

ہم بیٹھے تھے کس طرح تہِ شاخ فسردہ
گل ہنستے تھے مرغانِ چمن بول رہے تھے

شوخی سے قیامت کو وہ پاسنگ بنا کر
ہم کتنے ہیں باتوں میں ہمیں تول رہے تھے

آلودہ مۓ شب کو جو کشکول رہے تھے   تھے صبح کو وہ ساغرِ جم دستِ گدا میں

کچھ چپ سے ہیں اب حشر میں آنے سے کسی کے

بڑھ بڑھ کے ریاض آج بہت بول رہے تھے

وہ گُل ہیں نہ ان کی وہ ہنسی ہے   دیکھو جدھر اوس سی پڑی ہے

کیوں سوگ کی رسم جیتے جی ہے   مرنے کی ہمارے کیا کہی ہے

آڑی ہیکل کو چوم لے گی   وچینر جو کچھ اُٹھی اُٹھی ہے

دعوت تھی رقیب کی مرے گھر   جوتی میں دال کیا بٹی ہے

آیا دبے پاؤں قبر پہ کون   کوئی نہیں میری بیکسی ہے

ایک وضع پر اب خدا نبا ہے   توبہ کر کے شراب پی ہے

واعظ ہے خراب خواہش خُلد   بالکل یہ شخص جنتی ہے

کچھ پھوٹ پڑی ہے گھنگروؤں میں   چھاگل کچھ اُن کی کہہ رہی ہے

مجبور فرشتہ ہے بدی کا   پہلے ہی سے کچھ کہی بدی ہے

پیوستہ نہیں مرا لبِ شوق   تیرے لب پر تری ہنسی ہے

اب کون کلیم بن کے آیا   پھر طور پہ آگ سی لگی ہے

ہے آنکھ میں آنکھ کون ڈالے   کوئی نہیں تیری آرسی ہے

کیسا پینا کہاں کی توبہ   اب میں ہوں خدا ہی بیخودی ہے

خوش ہو گئے ریاض سے بھی ملنا

کیا باغ و بہار آدمی ہے

قفس سے چھوٹ کر ہم نے اڑائی کچھ جو بے پر کی   وہ یوں پھیلی کہ جیسے آگ ہو صیاد کے گھر کی

نگاہِ شوق لڑتی ہی نگاہِ نازِ جاناں سے ۔۔۔ الٰہی خیر دونوں کی ہو چوٹیں ہیں برابر کی
ہمیں فتنہ سمجھ کر اپنی محفل سی اُٹھاتے ہیں ۔۔۔ جو ہم اُٹھے تو لائیں گے خبر ہم روزِ محشر کی
خدا وہ دن تو لائے دیکھ لیں گے ہونٹ کتنے ۔۔۔ ہنسی ہی کھیل ہی ہر بات ابھی تو روزِ محشر کی
کہیں گے تو ڈرو گے نیند اڑ جائیگی آنکھوں سے ۔۔۔ نہ پوچھو کچھ شبِ ہجراں کی ہم نے صبح کیونکر کی
یہی اک بچ رہی تھی خیر وقت ذبح کام آئی ۔۔۔ مری تقدیر نے چھوڑی نہ گردش ان کے خنجر کی
چھپا کر دل کو تم نے رکھ لیا نازک سے محرم میں ۔۔۔ بہت نازک ہی شیشہ جس نے کھائی چوٹ پتھر کی
جو تم ہو تو مرا بار معاصی رہ نہیں سکتا ۔۔۔ فرشتو فکر ہے مجکو خم و مینا و ساغر کی

بھری میخانے میں پیرِ مغاں کا آج یہ کہنا
ریاضؔ آؤ ذرا تم کو چکھا دیں اپنے ساغر کی

میخانے پر نگاہ جو پیر مغاں کی ہے ۔۔۔ چلّا رہی ہیں خم بڑی اونچی دکاں کی ہے
اب کی بہار آئے تو اس میں بھی پھول آئیں ۔۔۔ شاخ قفس تو شاخ مری آشیاں کی ہے
ہم بیکسوں کی لاش کو ملتی نہیں جگہ ۔۔۔ حسرت پکارتی ہے کہ مٹی کہاں کی ہے
کس کر گرہ لگاؤ نہ بند نقاب کی ۔۔۔ اُلجھی ہوئی نگاہ کسی نیم جاں کی ہے
بچپن یہ ہی تو کون بچے گا شباب تک ۔۔۔ صدقے تری ابھی سی امنگ امتحاں کی ہے

ہم کو ریاضؔ جانتے ہیں مانتے ہیں سب
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

توبہ لب پر وعظ سے بے اختیار آنے کو تھی ۔۔۔ وہ تو کہئے بچ گئے فصلِ بہار آنے کو تھی
کوئی تربت پر نہ آیا یہ زیرِ مزار آنے کو تھی ۔۔۔ مجھ میں یارب آج میری جانِ زار آنے کو تھی
صبر آتا نیند آتی کوئی دنیا میں نہ تھا ۔۔۔ موت ہی کمبخت وقتِ انتظار آنے کو تھی

آشیاں میں چھاؤنی چھانا تھا کیا مدِّ نظر
کچھ شرارے لے کے برقِ کوہسار آنے کو تھی

موجِ مے سے پہلے آج ابرِ بہار اُٹھنے کو تھا
ہم سے پہلے باغ میں بادِ بہار آنے کو تھی

ایک واعظ ہے کہ جس کی دعوتوں کی دھوم ہے
ایک ہم ہیں جس کے گھر کل مے اُدھار آنے کو تھی

آئی تھی تو میرے سینے سے لگا دیتی تجھے
کیا جوانی تیرے جوبن کے اُبھار آنے کو تھی

دام میں پھنس کر اسیری کا نہیں اتنا خیال
حسرت اتنی ہے کہ اب فصلِ بہار آنے کو تھی

حشر میں شرما کے اُس نے ہاتھ منہ پر رکھ دیا
بات دل کی ہونٹھ پر بے اختیار آنے کو تھی

آپ کیوں تیوری چڑھائے آئے میری قبر پر
پھول دامن میں لیے بادِ بہار آنے کو تھی

یہ بھی شوخی ہے کوئی، شرما گیا وہ شوخ کب
جب مروّت آنکھ میں بے اختیار آنے کو تھی

موت کی تلخی مٹی تو حشر نے مہلت نہ دی
میٹھی میٹھی نیند اب زیرِ مزار آنے کو تھی

صدقے اے صیّاد کیا تو نے بچایا بال بال
کچھ لگانے آگ گلشن میں بہار آنے کو تھی

اے ریاضؔ دل شگفتہ کیا ہوا باغِ شباب
جس میں اب پہلے پہل فصلِ بہار آنے کو تھی

احباب کے ہاتھوں سے لحد میں اُتر آئے
ہم چین سے پھیلائے ہوئے پاؤں گھر آئے

بجلی سے چمکتے اِدھر آئے اُدھر آئے
محشر میں بھی دیکھا تو تم ہی تم نظر آئے

وہ بام سے آئے نہ فلک سے اُتر آئے
دم بھی دمِ فریاد اگر ہونٹھ پر آئے

اتنی تو پتے کی ہے کہ بہکے ہوئے ہم تھے
مجرم ہیں جو واعظ کی کہیں سے خبر آئے

آئے جو شبِ وصل تو مانگوں یہ دعائیں
ہو شام مرے گھر انہیں ایسی سحر آئے

میخانے میں دستار و سبو ساتھ نہ اُچھلیں
واعظ ترے سر کی نہ کہیں میرے سر آئے

بلا اس کی دکھائیں گے تجھے اے خمِ گیسو
کھل کر کبھی گیسو جو ذرا تا کمر آئے

دن گنتے ہیں آئے تو کہیں ان کی جوانی ۔۔۔ شاید کسی کم بخت کی امید بر آئے

یہ عرش سی آجائے تو وہ بام سے اتریں ۔۔۔ اے آہ کوئی آئے نہ آئے اثر آئے

اس بنتِ عنب سی بھی لگانا تھی ریاض آنکھ
دیکھے جو تہی جام ابھی آنکھ بھر آئے

دیکھے جو مری آنکھ کوئی آنکھ بھر آئے ۔۔۔ اس طرح مری آنکھ میں لختِ جگر آئے

تارے لئے شمعیں مرے گھر میں اتر آئے ۔۔۔ جب میری سیہ خانے میں تارے نظر آئے

ماتم میں مرے آئے تھے کھولے ہوئے گیسو ۔۔۔ کچھ سوچ کے پھر غیر کے گھر سے سنور آئے

دل میں لئے بیٹھے تھے گلا تنگیِ دل کا ۔۔۔ آتے ہی تری سب تری پیکاں ابھر آئے

آیا نہ کوئی مرغ قفس اڑ کے چمن میں ۔۔۔ آئے بھی تو اڑتے ہوئے کچھ ٹوٹے پر آئے

ساتھ اپنے لئے آئیں گے میخانے کی رونق ۔۔۔ لطف آئے گا ای اہلِ حرم ہم اگر آئے

بجلی نے جلایا نہ ہو گلشن میں نشیمن ۔۔۔ کیوں سوئے قفس آج لپکتے شرر آئے

ایسی گئی دنیا سے ملی پھر نہ جوانی
جنت میں ریاض آج جھکائے کمر آئے

ہو کر بیتاب جب نظر کی ۔۔۔ رُخ سے ترے خود نقاب سر کی

کچھ فکر ہو زخمہائے در کی ۔۔۔ باہر نکلے نہ بات گھر کی

اے گور رہوں گشتۂ شبِ وصل ۔۔۔ چادر چڑھی دامنِ سحر کی

دیکھا کوئی جام اور بہکے ۔۔۔ لغزش ہے پاؤں میں نظر کی

مل جائے تو وصل کو بہت ہے ۔۔۔ چھوٹی سی رات دوپہر کی

دن رات کی کوفت وصل میں ہے ۔۔۔ چھاتی لوہے کی ہے گجر کی

کب مدِ مقابل آئینہ تھا — تم نے اپنی طرف نظر کی

جوبن کی بہار کے دن آئے — نازک ہیں خیر ہو کمر کی

توبہ کرنے سے شرم آئی — اعمال پر جب اپنے نظر کی

ترچھی نظریں ہیں نیچی نیچی — تیغیں نازک سی ہیں کمر کی

جاگے ہوئے ہیں تمام شب کے — آنکھوں میں ہے نیند رات بھر کی

وہ بامِ بلند وہ نکہتِ گل — ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سحر کی

چیخے چلّائے روئے پیٹے — سنتا ہے کون اب گجر کی

توبہ کرتا ہوں میں دمِ نزع — لُٹتی ہے کمائی عمر بھر کی

وہ چاند سی شکل وہ لبِ بام — وہ زلف جو لے خبر کمر کی

جوبن یوہنی گدگدا رہا تھا — اس پر انگڑائیاں سحر کی

شرماؤ ریاضؔ میکشی سے
لمبی ڈاڑھی ہے ہاتھ بھر کی

دل کسی طرح چین آجائے — غیر کی آئی مجکو آجائے

دوڑ کر گود میں اٹھا لاؤں — گھر میں چھم سے جو کوئی آجائے

مے کو شرجناب شیخ نہیں — ایسی شئے اور ناروا جائے

جب بلایا تو ناز سے بولے — آپ کے گھر مری بلا جائے

آج یارب ہے اُن کی وصل کی رات — شام سے جن کو نیند آجائے

جان لو کچھ گزر گئی اس پر — منہ چھپائے جو کوسنا جائے

پھر نشانِ لحد رہے نہ رہے — آکے دشمن بھی خاک اڑا جائے

وہ گلے مل رہے ہیں خلوت میں — مجکو ڈر ہے حیا نہ آجائے
گالیاں کھائے تو مزی کے ساتھ — گورے گال ان کے چومتا جائے
کیوں کر آغوش میں اُسے کھینچوں — لاکھ بل جو ہو اسے کھا جائے
دیدہ و دل ہیں کام کے دونوں — وقت پر جو مزا دکھا جائے
لاش اُٹھے گی جبھی کہ ناز کے ساتھ — پھیر کر منہ وہ مُسکرا جائے

ہے ریاضؔ اک جوانِ مست خرام
نہ پیئے اور جھومتا جائے

نشیمن سی جو بجلیاں بن کے نکلے — وہ تنکے ہمارے نشیمن کے نکلے
گلی سے ہماری وہ یوں بن کے نکلے — ضرور آج ارمان دشمن کے نکلے
لئے پھرتے ہیں بوجھ سینے پر اپنے — بڑے قدرداں بھری جوبن کے نکلے
جو گلچیں نے دامن میں اپنے چنے تھے — وہ گل میرے شاخِ نشیمن کے نکلے
مہ و مہر تیرہ ہیں جس کی نظر میں — وہ عاشق ترے روئے روشن کے نکلے
وہ فتنے جو اک حشر اٹھائے ہیں پر — اٹھائی ہوئی چشم پرفن کے نکلے
رفو کالیا کام دامن میں جن سے — وہ تارِ نگہ چشمِ سوزن کے نکلے
میں صدقے تری روئے روشن کے صدقے — نقاب ایسی ہو نور چھن چھن کے نکلے
مِسی مل کے منہ آرہی ہیں وہ اس پر — زباں سے نہ کچھ آج سوسن کے نکلے
ملے جا کے ہم قیس سی کوہکن سے — یہ سب یار اپنے لڑکپن کے نکلے
جو تھے محترز اپنے خودداریوں سے — وہ خواہان مئے مرد افگن کے نکلے
کبھی چاک ہو کر رفو یہ ہوا تھا — گریباں میں کچھ تار دامن کے نکلے

بتوں کو میں کچھ اور سمجھے ہوئے تھا — یہ انگارے سب وحشت اہرمن کے نکلے
جمی آنکھ تھی سب کی ان پر دمِ حشر — لئے جامِ مے داغ دامن کے نکلے
ریاضؔ اب بھی ہیں کوہ اپنی جگہ پر
سُبک ہو کے بھی یہ کئی من کے نکلے

لے اُڑے گیسو پریشانی مری — آئینہ لے بھاگے حیرانی مری
کہہ اُٹھا جوبن کہ بس بس ہو چکی — نیچی نظروں سے نگہبانی مری
بام پر کہہ آئے جا کر آہِ گرم — بڑھ کے بجلی سی ہے جولانی مری
گیسوؤں سے ان کے اچھی غم کی رات — میں فدا اس پر وہ دیوانی مری
پیارے پیارے مُنہ سے پھر کہہ دے ذرا — ہو مبارک تجکو مہمانی مری
ساتھ میرے دل بھی مٹی ہو چکا — تیری صدقے خاک کیوں چھانی مری
اتنی مدت میں بچھڑ کر دل ملا — دیر تک صورت نہ پہچانی مری
تھک گئے وہ رُک گیا خنجر ریاضؔ
اب بڑی مشکل ہے آسانی مری

غریب ہم غریبوں کی بھی خوشی ہو جائے — نظر حضور ادھر بھی کبھی کبھی ہو جائے
غرور بھی جو کروں میں تو عاجزی ہو جائے — خودی میں لطف وہ آئے کہ بیخودی ہو جائے
غمِ فراق کی سختی وصال سے بدلے — جو موت آئے مجھے میری زندگی ہو جائے
مری شراب کی کیا قدر تجکو اے واعظ — جسے میں پی کے دعا دوں وہ جنتی ہو جائے
تیری اس نگاہ کے صدقے یہ ہو اثر جس میں — کہ دل میں درد بھی اُٹھے تو گدگدی ہو جائے
ستم بھی ہو تو ستم میں وہ لطف پنہاں ہو — کہ نالہ آ کے مرے ہونٹھ پر ہنسی ہو جائے

نہ پوچھو بادہ گساران بزم وارث کی — یہ دیکھ لیں سوے واعظ تو وہ ولی ہو جائے
مٹا رہا ہوں شب و روز اس لئے خود کو — فنا کے راز سے مجکو بھی آگہی ہو جائے

تری نگاہِ کرم سے عجب نہیں وارث
ریاض سا سگِ دنیا بھی آدمی ہو جائے

چھلکائیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی — تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی
ریشِ سفید کو ہی ضرورت خضاب کی — اے شیخ ڈال دوں کوئی کلّی شراب کی
خاکِ لحد غبار بنی دشتِ حشر کا — اچھی رہی سہی مری مٹی خراب کی
لاشہ مرا ہے یا مے رنگیں کی موج ہے — تربت مری ہی یا کوئی بوتل شراب کی
رحمت سی تیری ابر کرم حرف بن گئے — دامان عصنو ہوگئیں فردیں حساب کی
چھانٹا وہ دل جس کی ازل میں نمود تھی — پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی
قطرے سے کم ہی اور یہ چھایا ہے بحر یہ — جو موج ہے نگاہ ہی چشم حباب کی
نیزے سی کچھ بلند ہے آج آفتاب حشر — اللہ ری تیرگی مرے فردِ حساب کی
محشر میں ان کو وعدۂ فردا جو یاد آئے — تصویر بن گئے ہیں وہ شرم و حجاب کی
نازک کلائیوں میں حنا بستہ مٹھیاں — شاخوں میں جیسے منہ بندھی کلیاں گلاب کی
اللہ رے پاس میری گناہوں کا روز حشر — پتلے پران کے جھکتی ہی میزان حساب کی
ہم سے سیاہ کاروں کو ای حشر خوف کیا — امت ہیں ہم جناب رسالت مآب کی
لکھ لکھ کے پہلے ہاتھ تھکے اب سزا یہ ہے — سب کے فرشتے دھوتی ہیں فردیں حساب کی
موجِ شرر نے خیرہ کیا ہے نگاہ کو — چھوٹی ہے داغ دل سے کرن آفتاب کی
بنتِ عنب کو چھیڑتے ہیں حضرتِ ریاض — کتنی ہے بامذاق طبیعت جناب کی

آتی تھی پہلے دل سے کبھی بو کباب کی
روشن ہے اب تو سینے میں بھٹی شراب کی

اتنا عتاب سرخ ہے رنگت نقاب کی
تارِ نقاب ہیں کہ نگاہیں عتاب کی

دیکھے کوئی جھلک نہ رخ لاجواب کی
ستر ہزار پردوں میں ٹھہری حجاب کی

کیوں حشر میں ہو فکر عذاب و ثواب کی
صحبت ہے یہ بھی ایک شراب و کباب کی

کہتے ہیں وعدہ رات کو ہوگا وفا ضرور
اللہ جلد شام ہو روزِ حساب کی

بجلی وہ چیز ہی نہیں جس سے حسیں ڈریں
کچھ درد کی چمک ہے جھلک اضطراب کی

وہ شام و صبح صدقے تھے جن پر بہارِ گل
جن جن کے ساتھ لائی ہیں راتیں شباب کی

جنت کے خواب دیکھ کے آتی ہیں ہم کو یاد
رندانہ صحبتیں وہ کباب و شراب کی

آئینہ دیکھتے ہیں مجھے دیکھ دیکھ کر
یہ داد مل رہی ہے مرے انتخاب کی

لے اپنے سر وبال نہ اوروں کا حشر میں
بارِ گنہ اٹھائے نہ میزاں حساب کی

اے طور سوز برق سمجھتے ہیں ہم تجھے
تجھ میں تو شوخیاں ہیں کسی کے حجاب کی

دعوے ہی ہمسری کا سرِ کج کلاہ سے
اے دستِ موج اتار لے ٹوپی حباب کی

بجلی گرائیں طور پر آوازہی سے وہ
ٹھہری کبھی تو ہم سے سوال و جواب کی

پھر بھی تو کچھ ثبات کو اس کے خبر نہیں
الٹی رواں ہے بحر میں کشتی حباب کی

مے سے کہیں سوا ہے پسِ توبہ میکشو
آجائے دور ہی سے کہیں بو شراب کی

سو حشر نذرِ گوشۂ داماں ہیں ہر نفس
اے شوقِ دید حد ہی نہیں اضطراب کی

تلخی کا نزع کی کچھ احساس ہو سکے
اتنی تو میرے منہ میں ہو تلخی شراب کی

تم کیا ہو ہم نے قلقل مینا سے واعظو
باتیں بہت سنی ہیں عذاب و ثواب کی

دورِ مئے کہن کا اثر ہے یہ اے ریاضؔ
ہے آج بھی جوان طبیعت جناب کی

یہ سر بمہر بوتلیں ہیں جو شراب کی
راتیں ہیں ان میں بند ہماری شباب کی

پوچھو نہ ہم سے عالم غفلت کے خواب کی
دنیا کچھ اور ہی تھی ہمارے شباب کی

یہ نشہ آنکھ دیکھ کے اس مست خواب کی
جیسے ابھی چڑھائی ہو بوتل شراب کی

سرخی شفق کی شکل مہ و آفتاب کی
چھلکی ہوئی شراب ہے جام و شراب کی

کیوں ٹوٹتی ہیں بجلیوں پر آج بجلیاں
شاید گرہ کھلی ترے بند نقاب کی

ایسی دو آتشہ مے گلگوں کہاں نصیب
عادت بری پڑی تری جھوٹی شراب کی

مینا و جام دیکھ کے خوش ہوگا محتسب
سمجھے گا وہ کھلی ہوئی کلیاں گلاب کی

تھی سر بمہر پھوٹ گئی اپنے زور میں
توبہ سے پہلے ٹوٹی ہی بوتل شراب کی

شرما گئیں جو بوسہ لب باغ میں لیا
سمٹی ہیں کیا کھلی ہوئی کلیاں گلاب کی

ہم نے تمام عمر میں کتنی شراب پی
شاید بتا سکے ہمیں میزاں حساب کی

چہرے کا رنگ دیکھ لو تم رکھ کے آئینہ
بوسے سے دوڑ جائے گی سرخی شہاب کی

محفل میں پی جو بھول تو اس احتیاط سے
مینائے مے نے بو نہ کبھی دی شراب کی

اے کثرت گناہ تری ڈر سے دب گئی
دیکھا مجھے کہ جھک گئی میزاں حساب کی

ذرہ ہوا میں بھر کے بنا آدمی کی شکل
قطرہ ہوا میں بھر کے ہی صورت حباب کی

چکر ہوا نے اتنے دئے ہیں کہ گردباد
تصویر بن گیا ہے مرے پیچ و تاب کی

سایے سے اس کی زلف کے بنت عنب کو کیا
بن کر پری اڑی گی یہ بوتل شراب کی

یہ کہہ کے گل دکھائے انہیں پارۂ جگر
بکھری ہوئی یہ پنکھڑیاں ہیں گلاب کی

ہر شام ساتھ لاتی ہے اک چودھویں کا چاند
کیا جانیں کیا کریں گی یہ راتیں شباب کی

کم بخت نے شراب کا ذکر اس قدر کیا
واعظ کے منہ سے آنے لگی بو شراب کی

دو گھونٹ پر شراب کے ہے حصرِ زندگی
راتیں شباب کی ہیں نہ باتیں شباب کی

کام آئے گی ریاض کے مشقِ طوافِ خُم
کعبے کے گرد ہوں گے جو سوجھی ثواب کی

لے کے دل پوچھتے ہو پیار سے حال اچھا ہے
لاؤ منہ چوم لیں واقع میں سوال اچھا ہے

خواب سے بڑھ کے تصور میں وصال اچھا ہے
چیز قابو کی ہے ہر طرح خیال اچھا ہے

آسماں پر اسے کیا جانے چڑھایا کس نے
ناخنِ پا سے ترے خاک ہلال اچھا ہے

انہیں معصوم فرشتوں کے لئے حوریں ہیں
زاہدوں کے لئے جنت کا خیال اچھا ہے

جا کے پی بھٹیوں میں پی کے چلے پھینک دیا
ہم غریبوں کے لئے جامِ سفال اچھا ہے

آج سنتے ہیں کہ ہے جنسِ وفا کا نیلام
چھوٹ جائے جومری نام تو مال اچھا ہے

جنتی پیتے ہیں نکل جاتی ہے آنسو بن کر
ایسے مے نوشوں کا ہر طرح مآل اچھا ہے

بارہا زلف کو دیکھا ہے بلائیں لیتے
آپ کے چاند سے رخسار کا خال اچھا ہے

بو یہ کہتی ہے بہت تیز ہی اُڑ جائے گی
رنگ کہتا ہی ٹھہر جائے تو مال اچھا ہے

آ گیا اس میں کہاں سے خمِ آبِ رواں کا
بانکپن میں مہِ کامل سے ہلال اچھا ہے

کس کو دیکھا کہ رہا کچھ نہ نقاہت کا خیال
کہہ اُٹھے دیکھ کے بیساختہ مال اچھا ہے

وصل ہو پہلے پہل جس میں وہ دن ہی اچھا
جس میں آغازِ جوانی ہو وہ سال اچھا ہے

مجھے معلوم نہیں جلوہ گہہ طور کا حال
میری آنکھوں میں ہر اک برق جمال اچھا ہے

دھوپ میں سایۂ طوبےٰ سی نہیں لطف میں کم
راہ رو کے لئے ہر سبز نہال اچھا ہے

پا کے موقع سی کوئی چھوڑ دی اس کو کیوں کر
دو گھڑی کے لئے ظالم کا ملال اچھا ہے

سوم آخر نگہہ یاس یہ کہتی نکلی
جائیے جائیے بیمار کا حال اچھا ہے

ٹوٹے توبہ کی طرح روز تو کچھ بار نہیں　　جامِ جمشید سے یہ جامِ سفال اچھا ہے

ایک افسانۂ حسرت تھا دمِ نزع ریاضؔ
ان سے کہنا وہ مرا شکر ہے حال اچھا ہے

چاند سی شکل کا دن رات خیال اچھا ہے　　طائرِ حسن پھنسے جس میں وہ جال اچھا ہے
یوں تو ہر دم تری صورت کا خیال اچھا ہے　　نظر آئے تو ہمیں خواب وصال اچھا ہے
بزم میں پوچھتے ہو آپ کا حال اچھا ہے　　پوچھ لینا کبھی خلوت میں سوال اچھا ہے
میں نے اے ابرِ کرم پی ہی ترے سایے میں　　جانتا ہوں کہ گناہوں کا مآل اچھا ہے
کم نہیں ان سے کسی بات میں ان کی تصویر　　پھر بھی کہتے ہیں ترا حسن و جمال اچھا ہے
تل ترا وصل کی شب، زلف تری ہجر کی رات　　خال سی زلف تری زلف سی خال اچھا ہے
نہ تو اچھا تری دامن سے شفق کا دامن　　نہ گریباں سے گریبانِ ہلال اچھا ہے
وہ جہاں جائے ہوا کھائے پھرے سیر کرے　　گھر میں صیاد کے ہر بے پر و بال اچھا ہے
کیا عجب ہے وہی بن جائے کبھی خواب کی شکل　　رات دن وصل حسیناں کا خیال اچھا ہے
دستِ گلچیں بھی وہاں ہے کفِ صیاد کے ساتھ　　شجرِ گل سے ہمیں خشک نہال اچھا ہے

ہونٹھ پر تھا جو تبسم سا پسِ مرگ ریاضؔ
کہہ گئے مر کے بھی کم بخت کا حال اچھا ہے

میری پہلو میں ہمیشہ رہی صورت اچھی　　میں بھی اچھا مری قسمت بھی نہایت اچھی
آپ کی شکل بھلی آپ کی صورت اچھی　　آپ کے طور بُرے آپ سے نفرت اچھی
حشر کے دن ہمیں سوجھی یہ شرارت اچھی　　لے چلے خلد میں ہم دیکھ کے صورت اچھی
تجھ سے کہتا تھا کوئی یا تری تصویر سے آج　　آنکھیں اچھی تری آنکھوں کی مروت اچھی

ہم نے سو بار شب وصل ملا کر دیکھا — اے فلک چاند سے وہ چاند سی صورت اچھی

نہ بنے کام تو کس کام کی نازک شکلیں — نازک اچھے نہ حسینوں کی نزاکت اچھی

اس سے کوئی نہیں اچھا جو تجھے پیار کرے — میں بھی اچھا ترے صدقے مری قسمت اچھی

تیری مدفن سے جو اٹھے وہ بری اے واعظ — ان کے ٹھوکر سے جو اٹھے وہ قیامت اچھی

جور تیرے بہت اچھے ستم گردوں سے — اور ان سے تری آنکھوں کی ندامت اچھی

منہ میں جب بات رکی چوم لیا پیار سے منہ — دم تقریر کسی شوخ کی لکنت اچھی

دیکھتے ہی کسی کافر کو بگڑ جاتی ہے — میں جو چاہوں بھی تو رہتی نہیں نیت اچھی

حسن صورت کی طرح حسن سخن ہی کم یاب — ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی

تجھ سے جلتا ہے جو وہ اور جلاتے ہیں اسے — میری حق میں ہے مرے دشمن کی عداوت اچھی

آتے جاتے نظر آتی ہے جھلک چلمن سے — پردے پردے میں نکل آئی یہ صورت اچھی

خوگر غم کے لئے کچھ نہیں عیش کا خواب — ایسی راحت سے ہمیشہ کی مصیبت اچھی

دے کے وہ بوسۂ لب شوق سے لیں دل میرا — عذر کیا ہے جو ملے مال کی قیمت اچھی

سن کے اشعار مرے سب یہی کہتے ہیں ریاض
اس کی قسمت ہی بری اور طبیعت اچھی

ضرور پاؤں میں اپنے حنا وہ مل کے چلے — نہ پہنچے آج بھی گھر تک مرے وہ کل کے چلے

یہ دوستی ہے کہ ہے ساتھ آگ پانی کا — جو نکلی آہ تو ساتھ اشک بھی نکل کے چلے

لحد سے لائی قیامت ہی پاؤں پڑ پڑ کر — ٹھہر ٹھہر کے چلے ہم مچل مچل کے چلے

ہزاروں ٹھوکریں ہر اک قدم پر اس میں ہیں — یہ راہ عشق ہے کیوں کر کوئی سنبھل کے چلے

یہ مجکو وصل کی شب ہائے موت کیوں آئی — حنا لگا کے جو آئے تھے ہاتھ مل کے چلے